خطبات حکیم الامت

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی
کی مؤثر اور انقلاب آفریں تقریروں کا اہم مجموعہ



اصلاح باطن

- اللہ کا راستہ اختیار کرنے والے
- مبارک راستہ
- فضائل کے اسباب
- باطن کی اصلاح کی ضرورت
- ہمہ تن خدا کی طرف متوجہ ہونا
- خوف خدا کے خواص
- تزکیہ باطن کے آداب
- اعتدال کے اسباب
- اسباب کو ترک کرنے کے اسباب
- پرہیزگاری
- احسان کی حقیقت

زمزم بک ڈپو دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اصلاح باطن

(جلد ۱۰

خطبات حکیم الامت جلد ۱۰

اصلاح باطن

حکیم الامت مجدد الملت

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

ترتیب:

محترم صوفی محمد اقبال قریشی صاحب مدظلہ العالی

ناشر

زمزم بک ڈپو دیوبند

تفصیلات

نام کتاب	:	خطبات حکیم الامت جلد ۱۰
از	:	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
تسہیلِ عنوانات	:	حضرت مولانا محمد عظیم صاحب فیض آبادی مدظلہ العالی
صفحات	:	۳۰۰
تعدادِ اشاعت	:	۱۱۰۰
تاریخ اشاعت	:	اکتوبر ۲۰۰۶ء
باہتمام	:	اسعد الواجدی
قیمت	:	

ناشر

زمزم بک ڈپو دیوبند

فہرست مواعظ

التوجه ہمہ تن خدا کی طرف متوجہ ہونا

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى فَبَشِّرْ عِبَادِ ۝ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

خواص الخشیة خوفِ خدا کے خواص

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝ وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝

ادب الطریق تزکیہ باطن کے آداب

ادب الاعتدال اعتدال کے آداب

ادب الترك اسباب کو ترک کرنے کے آداب

العفة پرہیزگاری

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ۝ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ۝

حقیقت احسان احسان کی حقیقت

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ

فہرست مضامین

الرحیل الی الخلیل　　اللہ کا راستہ اختیار کرنا

سبیل السعید نیکی کی راستہ

اسباب الفضائل فضائل کے اسباب

الباطن باطن کی اصلاح کی ضرورت

التوجہ ہمہ تن خدا کی طرف متوجہ ہونا

خواص الخشیۃ خوف خدا کے خواص

ادب الطریق تزکیہ باطن کے آداب

ادب الاعتدال اعتدال کے آداب

ادب الترك اسباب کو ترک کرنے کے آداب

العفة پرہیزگاری

حقیقت احسان احسان کی حقیقت

....

الرحیل الی الخلیل

اللہ کا راستہ اختیار کرنا

دین پر چلنے کے متعلق خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں ۲۴ جمادی الاول ۱۳۴۹ ہجری ۳ گھنٹہ کرسی پر بیٹھ کر ارشاد فرمایا۔ جسے مولانا ظفر احمد صاحب نے قلم بند کیا۔ سامعین کی تعداد تقریباً ۵۰ تھی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نومن بہ ونتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھاوی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ ونشھدان سیدنا محمد اعبدہ و رسولہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علی الہ و اصحابہ وبارک وسلم۔

امابعد۔ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اِنَّ ھٰذِہٖ تَذْکِرَۃٌ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّہٖ سَبِیْلًا" وَمَا تَشَاءُوْنَ اِلَّا اَنْ یَّشَاءَ اللّٰہُ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْمًا حَکِیْمًا" یُدْخِلُ مَنْ یَّشَاءُ فِیْ رَحْمَتِہٖ وَالظّٰلِمِیْنَ اَعَدَّ لَھُمْ عَذَابًا" اَلِیْمًا"

(یہ نصیحت ہے جو شخص چاہے اپنے رب کی طرف رستہ اختیار کر لے اور بدون خدا کے تم لوگ کوئی بات چاہ نہیں سکتے خدا بڑا علم والا اور بڑا حکمت والا ہے وہ جس کو چاہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے اور ظالموں کے لئے اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے)

تکوینیات کے ذکر کا مقصود

مجھے صرف آیت اولیٰ کے متعلق بیان کرنا ہے مگر دوسری آیتیں اس لئے پڑھ دی ہیں تاکہ آیت اولیٰ کی تعیین ہو جائے کیونکہ وہ آیت قرآن میں اور جگہ بھی آئی ہے۔ چنانچہ سورہ مزمل میں بھی ہے اِنَّ ھٰذِہٖ تَذْکِرَۃٌ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّہٖ سَبِیْلًا اور مجھے اس وقت سورہ دہر کی آیت مقصود بالبیان ہے تو اس کی تعیین کے لئے اگلی آیتوں کی بھی تلاوت کر دی۔ رہا یہ کہ جب آیت دونوں جگہ ایک ہی ہے تو تعیین آیت دہر کی کیا ضرورت ہے سو خیال یہ ہے کہ شاید دہر کی آئندہ آیات کے متعلق بھی کچھ بیان ہو جائے اس لئے تعیین کر دی گئی بہرحال یہ ایک ضروری مضمون ہے اس کو غور سے سنئے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّ ھٰذِہٖ تَذْکِرَۃٌ کہ یہ مضامین یادداشت ہیں ھذہ سے اوپر کے مضامین کی طرف اشارہ ہے۔ اوپر بہت

سے مضامین مذکور ہیں جو سب دینی مضامین ہیں اور قرآن میں تو دین ہی کا ذکر ہوگا تکوین کا ذکر بھی اگر کہیں ہے تو دین ہی کے لئے ہے۔ محض تکوین من حیث ہو تکوین مقصود بالذکر نہیں۔ یہاں سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو سب امور تکوینیہ کو قرآن میں ٹھونستے ہیں اور قرآن سے ان کو ثابت کرنے کا اہتمام کرتے ہیں یہ اہتمام منکر ہے کیونکہ یہ قرآن کا مقصود نہیں ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن میں تکوین کا ذکر نہیں ہے ضرور ہے لیکن مقصود بالذات ہو کر نہیں ہے چنانچہ ایک مقام پر ارشاد ہے۔ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُورُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا مَا تَرٰى فِي خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُورٍ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُومًا لِلشَّيٰطِينِ وَأَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيرِ اور وہ زبردست بخشنے والا ہے جس نے سات آسمان اوپر تلے بنائے تو خدا کی اس صنعت میں کوئی خلل نہ دیکھے گا پھر تو اب کی بار نگاہ ڈال کر دیکھ لے کہیں تجھ کو خلل نظر آتا ہے پھر بار بار نگاہ ڈال کر دیکھ (آخر کار) نگاہ ذلیل اور درماندہ ہو کر تیری طرف لوٹ آوے گی اور ہم نے قریب کے آسمانوں کو چراغوں (یعنی ستاروں) سے آراستہ کر رکھا ہے اور ہم نے ان کو شیطانوں کے مارنے کا ذریعہ بھی بنا دیا ہے اور ہم نے ان شیاطین کے لئے دوزخ کا عذاب بھی تیار کر رکھا ہے) دوسرے مقام پر ارشاد ہے۔ أَفَلَمْ يَنْظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوجٍ وَالْأَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ تَبْصِرَةً وَذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُنِيبٍ الی قولہ كَذٰلِكَ الْخُرُوجُ۔ (کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر کی طرف آسمان کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو کیسا بنایا اور اس کو آراستہ کیا اور اس میں کوئی رخنہ تک نہیں اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور اس میں پہاڑوں کو جما دیا اور اس میں ہر قسم کی چیزیں اگائیں جو ذریعہ دانائی اور بینائی ہر رجوع ہونے والے بندوں کے لئے اور پھر آسمان سے برکت والا پانی برسایا پھر اس سے باغ لگائے کھیتی کا غلہ لمبے کھجور کے درخت جن

کے گچھے خوب گندھے ہوئے ہوتے ہیں بندوں کے لئے روزی دینے کے لئے اور ہم نے اس کے ذریعہ سے مردوں کو زندہ کیا اسی طرح زمین سے نکلنا ہوگا) ان آیات میں آسمان کی پیدائش اور استواری کا ذکر ہے کہ آسمان میں کچھ شقاق اور فطور نہیں ہے مگر اس سے مقصود صرف تکوین کا بیان نہیں ہے بلکہ اس سے اثبات قدرت مقصود ہے جس سے امکان معاد پر دلیل قائم کرنا مطلوب ہے۔ اسی غرض کے لئے جابجا سموات کی پیدائش و استحکام و استواری کا ذکر فرمایا گیا ہے اور سحاب و برق و رعد وغیرہ کا ذکر اثبات وجود صانع کے لئے کیا گیا ہے محض طبیعات کی تحقیق مطلوب نہیں چنانچہ ہر مقام پر سیاق و سباق میں غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ مقصود اثبات وجود و توحید صانع ہے۔ اسی لئے جابجا تکوینیات کا ذکر کر کے ارشاد ہوا ہے کہ ان میں عقلاء کے لئے آیات ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ۔ (یعنی بلاشبہ آسمانوں اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے میں اور جہازوں میں جو کہ سمندروں میں چلتے ہیں آدمیوں کے نفع کی چیزیں لے کر اور (بارش کے) پانی میں جس کو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے برسایا پھر اس سے زمین کو تر و تازہ کیا اس کے خشک ہونے کے پیچھے اور ہر قسم کے حیوانات اس میں پھیلائے اور ہواؤں (سمتیں اور کیفیتیں بدلنے میں اور ابر (کے وجود) میں جو زمین و آسمان کے درمیان مقید (اور معلق) رہتا ہے دلائل (توحید کے) موجود ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل (سلیم) رکھتے ہیں اور ان آیات سے توحید صانع کا ثابت کرنا مقصود ہے۔

آسمان اور زمین کی تخلیق کا مقصد

چنانچہ اس آیت سے اوپر یہ ارشاد ہے وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ اور تمہارا معبود صرف ایک اللہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں بہت

مہربان نہایت رحم والا ہے) یہ تو سباق ہے جس میں توحید کا دعویٰ ہے اور اس کے آگے ارشاد ہے وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ (یعنی اور ایک آدمی وہ بھی ہیں جو علاوہ خدا تعالیٰ کے اوروں کو بھی شریک خدائی قرار دیتے ہیں ان سے ایسی ہی محبت رکھتے ہیں جیسی اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنا ضروری ہے اور جو مومن ہیں ان کو ضرور اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہایت قوی محبت ہے) یہ سیاق ہے جس میں ابطال شرک ہے اور اگر کسی کو سیاق و سباق میں تامل کرنا کافی نہ ہو تو ایک آیت میں خود ساتھ ساتھ ہی اس مضمون کے ذکر کی حکمت کو بیان فرما دیا ہے ارشاد فرماتے ہیں۔ إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (یعنی بلاشبہ آسمانوں اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے جانے میں (توحید کے) دلائل موجود ہیں اہل عقل کے لئے جن کی یہ حالت ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے ہیں کھڑے بھی بیٹھے بھی اور آسمانوں اور زمین کے پیدا ہونے میں غور کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار آپ نے اس مخلوق کو لایعنی نہیں پیدا کیا ہم آپ کو پاک سمجھتے ہیں سو ہم کو عذاب دوزخ سے بچا لیجئے) اس میں صاف تعلیم ہے کہ خلق سموات والارض میں اس غرض سے تفکر کرنا چاہئے کہ خدا تعالیٰ کی حکمت کی قدرت کا علم ہو کہ یہ فضول پیدا نہیں کئے گئے۔ پھر اس سے امکان وقوع معاد پر استدلال کر کے جنت کی طلب اور جہنم سے استعاذہ کرنا چاہئے۔ پس ثابت ہو گیا کہ تکوینیات کا ذکر قرآن میں بطور آیات و دلائل کے ہے اور آیات سے مراد اگر استدلال علی الصانع و اثبات معاد کے سوا کچھ اور لیا جائے تو سیاق و سباق آیات کا اس سے آبی ہے اور اگر سیاق و سباق میں تامل نہ کیا جائے تو بعض آیات میں خود یہی نتیجہ صراحۃ" مذکور ہے رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَٰذَا بَاطِلًا تو اگر تکوینیات کا ذکر قرآن میں ہے بھی جس کو آج کل سائنس کہا جاتا ہے تو

مقصود بالذات ہو کر نہیں بلکہ دین کے تابع ہو کر ہے مجھے تو سائنس کا لفظ بولنے سے بھی شرم آتی ہے گو آج کل ان الفاظ کا استعمال کرنا فخر شمار ہوتا ہے مگر ہم کو اس فخر سے عار آتی ہے بقول۔ ع

آنچہ فخر تست آں ننگ من ست

(جس پر تجھ کو فخر ہے وہ ہمارے لئے باعث شرم و عار ہے)

دور حاضر کے طلباء

مگر افسوس اب زمانہ ایسا آگیا ہے کہ مخاطبین ان الفاظ کے بغیر مطلب ہی سمجھتے نہیں اس لئے بعض دفعہ ہمیں اپنی زبان بگاڑ کر ان الفاظ کو استعمال کرنا پڑتا ہے۔ جیسے ایک وکیل انگریز میرٹھ میں ایک دیہاتی سے کہہ رہا تھا کہ مطبل بھی سمجھ گیا ایسے ہی ہمیں ان الفاظ کو بعض دفعہ مخاطبین کی ضرورت سے بولنا پڑتا ہے مگر ہم ان کو اپنے لئے عار سمجھتے ہیں کیونکہ ہمارے سلف کی یہ زبان نہیں تھی۔ مگر افسوس آج کل طلبہ تک میں یہ مرض پیدا ہو گیا ہے کہ ان الفاظ کے استعمال کو فخر سمجھتے ہیں اور قصداً" اپنی تقریر کو ان الفاظ سے بھرتے ہیں تاکہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ مقرر کوئی ملا ہے بلکہ تو تعلیم یافتہ طبقہ کے مقرر سمجھے جائیں طلبہ آج کل اپنا مولوی ہونا چھپاتے ہیں اور قصداً" ان الفاظ کی مشق کرتے ہیں جیسے کانپور میں بعض طالب علموں کو دیکھا کہ بوٹ اور ترکی ٹوپی پہن کر عینک لگا کر بازار میں نکلتے تھے تاکہ لوگ ان کو جنٹلمین سمجھیں مولوی نہ سمجھیں مگر حالت یہ تھی کہ جس طرف سے بھی نکلتے دکاندار پکارتے کہ مولوی صاحب یہاں آئیے۔ میں نے کہا کہ ڈوب مرو کہ تم تو اپنی مولویت کو چھپانا چاہتے ہو مگر وہ چھپ نہیں سکتی صورت کی قدرتی ہیئت کو دیکھ کر لوگ پہچان لیتے ہیں کہ یہ مولوی ہیں اب تم اپنی اس قدرتی ہیئت کو بھی بدلو تو ہم جانیں اور یہ واقعہ ہے کہ طالب علم چاہے کیسا ہی لباس پہن لے اس کی صورت سے طالب علمی ظاہر ہو جاتی ہے خواہ اس کا منشاء نور حق ہو جو علم دین کا خاصہ ہے جس کو مولانا فرماتے ہیں۔

نور حق ظاہر بود اندر ولی
نیک بیں باشی اگر اہل دلی

(اللہ والوں میں حق کا نور ظاہر ہوتا ہے اگر تو اہل دل ہے تو اچھی نظر سے دیکھ)

اور ایک اردو کا شعر گویا اسی کا ترجمہ ہے گو مولانا کے شعر کے سامنے اس کے پڑھنے کو جی نہیں چاہتا مگر مخاطبین کی رعایت سے پڑھتا ہوں کہ وہ اس کو جلدی سمجھ جائیں گے۔

مرد حقانی کی پیشانی کا نور
کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور

نور ولایت کی بے قدری

خواہ آج کل کے محاورہ میں یہ کہو کہ ان کی صورت پر نحوست برستی ہے جیسا کہ ڈپٹی نذیر احمد نے ایک جگہ لکھا ہے کہ عربی طلبہ کی صورت پر ایسی نحوست و نکبت برستی ہے کہ وہ ہر جگہ پہچان لئے جاتے ہیں خواہ کسی لباس میں ہوں کیسی ہی حالت میں ہوں۔ افسوس یہ لوگ کیا حقیقت سمجھے اس نور کی۔ اگر اس امتیاز کا منشاء نحوست و نکبت ہے تو یہ نحوست تو ہر مسلمان میں ہے کیونکہ ہر مسلمان کو کافر سے صورت میں امتیاز ہوتا ہے۔ مسلمان چاہے کیسی ہی وضع اختیار کرلے۔ اگر اس کے دل میں ایمان ہے تو ہزار کافروں کے اندر اس کی صورت ممتاز ہوگی۔ چنانچہ اگر کوئی اصلی مسلمان لوگوں سے چندہ وصول کرنے کے واسطے اپنے کو نو مسلم ظاہر کرے تو تاڑنے والے تاڑ جاتے ہیں کہ یہ نومسلم نہیں بلکہ اصلی مسلم ہے۔ اگر یہ نحوست ہے تو ڈپٹی صاحب بھی اس نحوست سے خالی نہیں تھے۔ اس پر کوئی یہ کہے کہ اگر طلبہ کے اندر یہ امتیاز بوجہ نورانیت کے ہے تو وہ تمہارے نزدیک ولی ہوئے پھر ولی مان کر ان کی مذمت کیوں کرتے ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ میں اس لئے مذمت کرتا ہوں کہ وہ اس نور ولایت کی بے قدری کرتے ہیں اور اس کو مٹانا چاہتے ہیں جیسے کسی شخص کے پاس بڑا قیمتی جوہر ہو اور وہ اس کی

قدر نہ کرتا ہو بلکہ اسے ضائع کرنا چاہتا ہو تو ہر شخص اس کو احمق کہے گا۔

ولایت کی دو قسمیں

دوسرے ولایت کی دو قسمیں ہیں ایک ولایت عامہ دوسرے ولایت خاصہ سو طلبہ میں ولایت عامہ کا تحقق ہے اور ولایت عامہ کا اجتماع مذمت کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے کیونکہ ولایت عامہ تو ہر مسلمان میں ہے گو وہ کیسا ہی فاسق ہو اور ظاہر ہے کہ مسلم فاسق باوجود اس ولایت کے محل مذمت و زجر بھی ہے۔ غرض آج کل طلبہ اس طبقہ سے یعنی مولویوں کے زمرہ سے نکلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ پھر دوسرا راستہ موجود ہے وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ (اور ہم نے ان کو دونوں راستے بتلا دیئے) تم کو اگر مولویت سے عار ہے تو دوسرے طبقہ میں چلے جاؤ اور پوری طرح جنٹلمین ہی بن جاؤ مولویت کے ساتھ جنٹلمینی کو کیوں جمع کرتے ہو۔ اس سے تو دونوں فرقوں میں قدر نہیں ہوتی ایسا شخص دونوں جگہ ذلیل ہوتا ہے اور اگر کوئی ایک طبقہ میں کامل طور سے داخل ہو تو کم از کم اس طبقہ میں تو اس کی تعظیم ہو گی اور عالم کی تو اہل دنیا میں بھی تعظیم ہوتی ہے بشرطیکہ اس میں طمع نہ ہو جو مانع عظمت ہے جو عالم طمع سے خالی ہو اس کی علماء بھی تعظیم کرتے ہیں اور دنیا دار بھی چاہے اس کا کیسا ہی خستہ حال ہو اور اہل دنیا نہ بھی تعظیم کریں تو علماء تو ضرور اس کی وقعت کریں گے۔

علم کا خاصہ

چنانچہ کانپور میں ایک شخص میرے پاس درس میں آئے جو لباس اور صورت سے بہت ہی خستہ حال تھے طلبہ نے اس کی طرف التفات بھی نہ کیا یہ سمجھے کہ کوئی معمولی شخص ہے اور یہ علوم غامضہ کا درس کیا خاک سمجھے گا مگر اثناء درس میں اس نے ایک سوال کیا تو سب کی آنکھیں کھل گئیں اور طلبہ کے دل میں اس کی وقعت پیدا ہو گئی کیونکہ

تا مرد سخن نگفتہ باشد
عیب و ہنرش نہفتہ باشد
ہر بیشہ گماں مبر کہ خالی است
شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

(جب تک آدمی گویا نہ ہو اس کا عیب و ہنر پوشیدہ رہتا ہے ہر جنگل کو خالی مت سمجھو ممکن ہے کہ اس میں شیر سویا ہوا ہو)

واقعی علم ایسی چیز ہے کہ ایک بات میں اس کا پتہ چل جاتا ہے۔ ہاں تصوف کی قلعی کسی طرح نہیں کھلتی کیونکہ خاموش رہیں تو چپ شاہ کہلائیں۔ بولنے لگیں اور ڈھنگ کی بات کہیں تو محقق و عارف کہلائیں اور بے ڈھنگی ہانکیں تو صاحب رموز مجذوب سمجھے جائیں مگر علم کی قلعی تو ایک ہی بات میں کھل جاتی ہے یہ چھپ نہیں سکتا۔

علی حزیں شاعر کے پاس ایک شخص آیا لباس سے شان و شوکت ٹپکتی تھی علی حزیں سمجھا کہ شاید کوئی تعلیم یافتہ مہذب شخص ہے یہ پاؤں پھیلائے ہوئے بیٹھا تھا اس کی خاطر سے پاؤں سمیٹ لئے جب بات چیت شروع ہوئی تو علی حزیں نے اس سے نام پوچھا کہا ایسف (بجائے یوسف) علی حزیں نے یہ سنتے ہی پاؤں پھیلا دیئے اور کہا بابا اگر تو ایسف ہستی من پائے خود چرا کشم کہ اگر تم ایسف ہو تو میں اپنے پیر کیوں سمیٹوں۔ غرض وہ ایک ہی لفظ سے سمجھ گیا کہ مخاطب محض جاہل ہے اور اسی وقت سے تعظیم قطع کر دی کیونکہ تعظیم تو کمال کی ہوتی ہے لباس کی تعظیم نہیں ہوا کرتی اور اہل دنیا کی جو تعظیم لباس کی وجہ سے کی جاتی ہے اس کا منشا عظمت نہیں بلکہ خوف ہے جیسے سانپ کو دیکھ کر لوگ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ جب کسی تھانہ دار کو جیل خانہ کی سزا ہو جاتی ہے وہاں جا کر دیکھئے کہ اس کی کیا گت بنتی ہے۔ چونکہ قانوناً" جیل خانہ کے بعد وہ دوبارہ حکومت کے عہدہ پر نہیں جا سکتا اس لئے جیل خانہ والے اس کی طرف سے بالکل مطمئن ہو جاتے ہیں تو اگر

ان میں سے کسی پر زمانِ حکومت میں اس نے ظلم کیا ہو تو اب وہ خوب اس سے بدلہ لیتے ہیں مارتے ہیں منہ پر تھوکتے ہیں اور بری گت بناتے ہیں۔

جیل میں اہل کمال کا حال

میں نے تو ایک مرتبہ جیل خانہ کا معائنہ کیا ہے مجھے تو معائنہ ہی سے بیحد وحشت ہوئی اللہ سب کو اس سے بچائے البتہ اہل کمال جیل خانہ میں پہنچ کر بھی ایسے ہوتے ہیں جیسے شیر کٹہرے میں بند ہوتا ہے اگر کسی نے جیل خانہ میں جانے سے پہلے ان کی عظمت کی ہوگی وہ اب بھی ان کی عظمت کرے گا ان کے ساتھ اہل دنیا کا سا برتاؤ کوئی نہیں کرتا۔ کٹہرے میں بند شدہ شیر کا قصہ مجھ سے ایک عزیز نے بیان کیا ہے کہ شیر کٹہرے میں بند تھا ایک شخص لکڑی دکھلا کر اسے دھمکا رہا تھا اور وہ کٹہرے میں ٹہل رہا تھا ایک دفعہ جو اسے غصہ آیا اور اس نے آنکھیں نکال کر اس کی طرف دیکھا اور غرایا چنگھاڑ ماری تو میاں کھڑے ہی کھڑے گر پڑے بڑی دیر کے بعد ہوش آیا اور لوگوں کو اس حماقت پر ہنسی آئی کہ یہ خواہ مخواہ ہی ڈرا وہ تو لوہے کی سلاخوں میں بند تھا مگر اس کی وہ ادا ایسی ہیبت ناک تھی جس سے سب مقدمات ذہن سے رخصت ہو گئے۔ عوام کی عادت ہے کہ شیر کے متعلق اس قسم کی بات کو سن کر کہا کرتے ہیں صاحب کیوں نہ ہو آخر شیر ہی جو تھا؟ نہ معلوم اس دلیل کا کیا مطلب ہے اور اس کو شیر کہنا اس کی عظمت و ہیبت کی دلیل کیونکر ہو گئی۔ شاید اس لفظ میں وضعاً کچھ عظمت پر دلالت ہوگی۔ سو اسی طرح اہل کمال جیل خانہ میں بھی باعظمت ہوتے ہیں۔ شکستہ لباس میں بھی ان کا رعب و جلال ظاہر ہوتا ہے۔

شانِ رسول اکرم ﷺ

ہمارے حضور ﷺ کی شان دیکھئے کہ آپ لباس ہمیشہ موٹا پہنتے تھے اور کمبل اوڑھا کرتے تھے مگر اس کمبل ہی میں رعب و جلال کی یہ حالت تھی کہ سفراء

دول آپ سے کانپتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی بادشاہ کا سفیر حضور ﷺ کے سامنے آیا تو صورت دیکھ کر تھر تھر کانپنے لگا۔ اس کی یہ حالت تھی اور حضور ﷺ کی یہ حالت کہ آپ اپنے رعب کو کم کرنا چاہتے تھے کوئی دنیا کا بادشاہ ہوتا تو اس حالت سے خوش ہوتا کہ مجھے دیکھ کر سفراء دول کانپتے ہیں مگر حضور ﷺ تو دین کے بادشاہ تھے آپ خود اس کی خواہش کیوں کرتے چنانچہ سفیر کی یہ حالت دیکھ کر حضور ﷺ نے اس کو تسلی دی اور فرمایا کہ بھائی مجھ سے کیوں ڈرتے ہو میں تو ایسی عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت کھایا کرتی تھی۔ یعنی غریب تھی جو گوشت کو سکھا کر دوسرے اوقات کے لئے رکھتی تھی۔ حضور ﷺ نے اس وقت اپنی تواضع کو ظاہر فرمایا شاید کوئی کہے کہ گو لباس حضور ﷺ کا سادہ تھا مگر شاید کوئی اور ہیئت رعب کی ہو گی تو سنئے حدیث میں آتا ہے کہ حضور ﷺ مجلس میں اس طرح بیٹھا کرتے تھے کہ نووارد کو یہ بھی خبر نہ ہوتی تھی کہ ان میں سردار کون ہیں اور خادم کون ہیں۔ کوئی صورت امتیازی نہ تھی اسی لئے نووارد کو پوچھنا پڑتا تھا **من محمد فیکم** تم میں محمدؐ کون ہیں صحابہ فرماتے **ہذا الابیض المتکئ** یہ گورے چٹے جو سہارا لگائے بیٹھے ہیں یہ تو نشست و برخاست کی سادگی تھی اور گفتگو کی سادگی یہ تھی کہ دیہات والے حضور ﷺ سے یا محمد ابن عبدالمطلب کہہ کر گفتگو کرتے تھے صاف نام لیا کرتے تھے القاب و آداب کچھ نہ استعمال کرتے تھے اس میں کچھ تو ان کے دیہاتی ہونے کا اثر تھا اور کچھ عرب میں سادگی ہے بھئی سنا ہے کہ اب تک بھی ان کی یہی معاشرت ہے کہ وہ اپنے امراء و سلاطین کو نام لے کر خطاب کرتے ہیں شیوخ عرب شریف مکہ کو یا حسین یا حسین کہہ کر خطاب کرتے ہیں اور آج کل ابن مسعود کے متعلق بھی سنا گیا ہے کہ ان کے بعض آدمی یا ابن مسعود کہہ کر ان سے خطاب کرتے ہیں اور چلنے میں حضور ﷺ کی یہ سادگی تھی کہ آپ اکثر صحابہ کے پیچھے چلتے تھے اور کبھی درمیان میں ہو جاتے تھے۔ غرض میمنہ میسرہ اور مقدمہ ساقہ کی کوئی ترتیب نہ تھی بلکہ کبھی کوئی حضور ﷺ سے آگے ہو جاتا کبھی حضور ﷺ آگے ہو جاتے اور

بھی سب سے پیچھے ہو جاتے۔ شاید کوئی کہے کہ حضور ﷺ کا حسن ایسا تھا جس سے دیکھنے والے پر رعب پڑتا ہوگا کیونکہ حسن کا بھی رعب ہوتا ہے تو سنئے حسن کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو اول نظر میں دیکھنے والے کو مغلوب کر دے مگر بار بار دیکھنے سے رعب کم ہو جائے دوسرے وہ جو اول نظر میں مرعوب نہ کرے اور جوں جوں نظر کرتا جائے دل میں کھبتا چلا جائے۔

یزیدک وجهه حسنا" اذا مازدته نظرا"

(جبکہ اس کو تم جس قدر زیادہ دیکھو گے اس کے چہرہ میں حسن زیادہ نظر آئے گا)

حسن محبوب دو عالم ﷺ

اور حضور ﷺ کا حسن دوسری قسم کا تھا کہ اول نظر میں مرعوب نہ کرتا تھا ہاں جتنا زیادہ قریب ہوتا اتنا ہی دل میں گھر کرتا چلا جاتا تھا اور یہ جو حدیث میں آیا ہے من راہ بداہۃ ہابہ (جو شخص آپ کو بداہتہ" دیکھتا اس پر ہیبت طاری ہو جاتی تھی) وہ ہیبت محض حسن کی نہ تھی بلکہ کمالات نبوت کی تھی۔

طلباء کو نصیحت

چنانچہ یہی شان حضور ﷺ کے واسطہ سے اہل اللہ کو عطا ہوتی ہے کہ وہ جیل خانہ میں بھی اور شکستہ حالت میں بھی باعظمت ہوتے ہیں چنانچہ اس شخص نے جس کا اوپر ذکر ہوا تھا کہ شکستہ حالت میں درس میں آ بیٹھا تھا جب درس میں سوال کیا اور اس کا کمال ظاہر ہوا تو سب اس کی عظمت کرنے لگے۔ بس میں طلبہ سے کہتا ہوں کہ تمہارا فخر یہی ہے کہ جس جماعت میں تمہارا شمار ہے تم اسی کی اصطلاح اور وضع اور طرز اختیار کرو تمہاری اسی میں عزت و عظمت ہے اور اگر مخلوق میں اس سے عزت نہ ہوئی تو کیا پروا ہے خالق کے یہاں تو ضرور عزت ہوگی پھر تم اپنی وضع کیوں بدلتے ہو عارف اسی کو فرماتے ہیں۔

یا مکش بر چہرہ نیل عاشقی

یا فروشو جامہ تقویٰ بہ نیل

(یا تو نشان محبت چہرہ پر مت کھنچواؤ یا جامہ تقویٰ کو دریائے نیل کے پانی سے دھو ڈالو)

اے جامہ دعویٰ تقویٰ

یا مکن باپیل بانان دوستی
یا بنا کن خانہ بر انداز پیل

(یا تو ہاتھی والوں سے دوستی مت کرو یا گھر کو ہاتھی کے اندازہ کے مطابق بناؤ)

اگر مولویوں میں آئے ہو تو مولویوں کی سی حالت بناؤ اس وضع سے ننگ و نام کا اندیشہ ہو تو اس کا جواب دوسری غزل میں اس طرح دیا ہے۔

گرچہ بد نامیست نزد عاقلاں
مانمی خواہیم ننگ و نام را

(اگرچہ عقل مندوں کے نزدیک بدنامی ہے لیکن ہم ننگ و ناموس کے خواہاں نہیں ہیں)

تم کو ایسی تواضع اور پستی اختیار کرنا چاہئے کہ تمام دنیا پستی و تواضع میں تمہاری شاگرد ہو جائے اور تم اس شعر کے مصداق ہو جاؤ اور ببانگ دہل یوں کہو۔

افروختن و سوختن و جامہ دریدن
پروانہ زمن شمع زمن گل زمن آموخت

(جلنا بھنا کپڑے پھاڑنا پروانہ شمع اور گل نے مجھ سے ہی سیکھا ہے)

اسی مضمون کو مولانا اس طرح فرماتے ہیں۔

آتش عشق ست کاندرمے فتاد
شورش عشق ست کاندرنے فتاد

(آتش عشق ہے کہ شراب میں پڑی ہے اور شورش عشق ہے جو بانسری میں واقع ہے)

غرض تم ایسے متواضع ہو جاؤ کہ ہر چیز میں تمہاری ہی تواضع کا اثر ظاہر ہو تم کو ظاہری اسباب عزت کی کچھ ضرورت نہیں انسان تو وہ ہے جو کمالات میں بادشاہ ہو گو ظاہر میں فقیر ہو عارف فرماتے ہیں۔

مبیں حقیر گدایان عشق راکاین قوم
شہان بے کمر و خسروان بے کلہ اند

(گدایان عشق کو حقیر مت سمجھو یہ لوگ تخت و تاج کے بادشاہ ہیں)

اور ایک جگہ اپنی گدائی پر فخر کرتے ہوئے فرماتے ہیں

گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی بیں
کہ ناز برفلک و حکم برستارہ کنم

(میں گدائے میکدہ ہوں کہ مستی کے وقت دیکھو کہ فلک پر ناز اور ستارہ پر حکم کرتا ہوں)

لباس معیار لیاقت نہیں

لباس اور وضع سے یا اہل دنیا کے طرز گفتگو سے عزت کا طلب کرنا انسان کا کام نہیں اور یہ تو نہایت ہی بھدا پن ہے کہ لباس سے کسی کی قدر و قیمت پر استدلال کیا جائے۔ یہ بات ہمیں شملہ میں پیش آئی ہے جبکہ ہم وہاں وفد بن کر گئے تھے۔ گو آج کل کے وفود میں شرکت کرنا مجھے پسند نہیں ہے کیونکہ وہ بالا خر وقود ہو جاتے ہیں مگر وہ وفد دیوبند کے حضرات کا تھا آج کل کے وفود جیسا نہ تھا جب وہاں پہنچے تو مختلف اوقات میں متعدد حضرات کے بیانات ہوئے جمعہ کے دن میرا بیان ٹھہرا تھا چنانچہ میں جمعہ کی نماز کے بعد بیان کو کھڑا ہوا اس دن غریب مسلمان بھی دوسرے دنوں سے اچھے کپڑے پہنتے تھے اور میں تو زیادہ غریب بھی نہیں الحمدللہ متوسط حالت ہے تو میرے کپڑے اپنے نزدیک خاصے تھے مگر ایک جنٹلمین صاحب کی نظر میں وہ بھی حقیر معلوم ہوئے چنانچہ وہ صاحب ہمارے بیانات کے اعلان کرنے والے سے جو ایک ریاست کے کرنل تھے کہنے لگے کہ آپ کے مولویوں کا

کیسا لباس ہے جیسے پائخانہ سے نکل کر آئے ہوں شاید کرنل صاحب نے دانش مندی کا جواب دیا کہ میں ابھی کچھ نہیں کہتا بیان کے بعد جواب دوں گا۔ چنانچہ بیان ہوا اور وہ معترض بھی بہت محظوظ و حیرت زدہ ہوئے۔ اب کچھ نہیں بولتے مگر کرنل صاحب نے خود پوچھا کہ ہاں اب کہئے آپ کیا فرماتے تھے تو وہ معترض بڑے چپ ہوئے اور کہا اب کیا کہوں میں اپنی حماقت پر خود شرمندہ ہوں۔ میں تو اب تک لباس سے لیاقت پر استدلال کرتا تھا اب معلوم ہوا کہ میرا خیال غلط ہے افسوس یہ تو تعلیم یافتہ لوگ اپنی عقل پر اپنے کو عاقل سمجھتے ہیں جن کے نزدیک لباس معیار لیاقت ہے لباس کو تو معیار لیاقت کوئی احمق بھی نہیں کہہ سکتا مگر وہ شملہ کی چوٹی پر رہ کر بھی جو ان لوگوں کی گویا معراج ہے اس حماقت میں مبتلا تھے۔ اس کے بعد میرا بیان پھر ہوا اور اس وقت یہ حکایت میرے کان میں پڑ چکی تھی تو میں نے ان لوگوں کے کان کھولنا چاہے میں نے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ ہمارے بعض خیر خواہان کا یہ خیال ہے کہ علماء کو لباس عمدہ پہننا چاہئے اور غالباً" ان کا یہ خیال خیر خواہی اور دلسوزی ہی کی وجہ سے ہے کیونکہ وہ چاہتے ہیں کہ علماء کی عزت ہو کسی کی نظر میں ذلت نہ ہو اس سے ان کے بیان کی بھی وقعت بڑھے گی تو ہم اس خیر خواہی کا شکریہ ادا کرتے ہیں (میں نے انہی کے محاورات استعمال کئے جیسے میرٹھ میں ایک انگریز وکیل ایک دیہاتی سے کہہ رہا تھا کہ مطلب بھی سمجھ گیا) مگر دیکھنا یہ ہے کہ علماء قیمتی لباس کہاں سے پہنیں ان کی آمدنی کی تو حالت یہ ہے کہ کوئی بیس روپیہ کا مدرس ہے کوئی پندرہ روپیہ کا کسی مطبع میں مصحح ہے اور جس کے اسی روپے یا سو روپیہ ماہوار ہوں وہ تو مولویوں میں صاحب معراج ہے اب بتلایئے وہ عمدہ عمدہ اور قیمتی لباس جو آپ کی نظر میں بھی عمدہ اور قیمتی ہو کس طرح پہنیں۔ سو اس کے دو ذریعے ہیں جن میں سے ایک تو ہمارے نزدیک بھی اور آپ کے نزدیک بھی حرام ہے۔ گو آپ کے نزدیک عقلاً" حرام ہے اور ہمارے نزدیک شرعاً" حرام ہے اور ایک صرف ہمارے نزدیک حرام ہے۔ دوسری صورت

تو یہ ہے کہ مولوی بھی آپ کی طرح ڈپٹی کلکٹری اور ججی وغیرہ کے منصب حاصل کریں یہ تو ہمارے نزدیک حرام ہے اور پہلی یہ صورت ہے کہ وعظ کے بعد سوال کیا کریں کہ صاحبو! ہمیں جھانسی کے ٹکٹ کی ضرورت ہے یہ سب کے نزدیک حرام ہے ہمارے یہاں نقلاً" اور آپ کے یہاں عقلاً" تو مولوی تو اس حالت میں عمدہ اور قیمتی لباس بنانے سے معذور ہے۔ ہاں ایک صورت اور ہے وہ یہ کہ جن خیر خواہوں کی یہ رائے ہے وہ خود یا اپنے چند احباب سے چندہ کر کے ہمارے قیمتی جوڑے اپنی پسند کے موافق بنا دیں۔ ہم جب تک شملہ میں رہیں گے ان جوڑوں کو پہن کر وعظ کہا کریں گے اور ہم وعدہ کرتے ہیں کہ شملہ سے جاتے ہوئے وہ جوڑے آپ کے حوالہ کر دیں گے ہم اپنے ساتھ نہ لے جائیں گے پھر آپ ان جوڑوں کو بہتر یہ ہے کہ یہاں کی انجمن میں وقف کر دیں اور جب کوئی مولوی ہمارے جیسا خراب و خستہ لباس والا آوے اس کو وعظ کہنے کے لئے دے دیا کریں کہ تم اس جوڑے کو پہن کر وعظ کہو تاکہ مخاطبین پر اثر ہو۔ بس وہ جوڑے اسی کام کے واسطے رکھے رہیں اس سے آپ کا مقصود بھی حاصل ہو جائے گا اور علماء پر بھی قیمتی کپڑے بنانے کا بار نہ پڑے گا اور چونکہ آپ لوگ علماء سے زیادہ صاحب ثروت ہیں آپ کو یہ کام کچھ گراں بھی نہ ہو گا۔ خصوصاً" جب کہ آپ کی ہی پیش کردہ رائے ہے۔ رہا یہ سوال کہ یہاں سے جا کر تم نے کسی اور جگہ اپنے کپڑوں میں وعظ کہا تو وہاں ذلت ہو گی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم اور جگہ کے مسلمانوں سے بھی اگر انہوں نے ہمارے لباس کو حقیر سمجھا یہی کہیں گے جو آپ سے کہہ رہے ہیں۔ دوسرے آپ کو دوسروں سے کیا لینا آپ کو تو اپنے یہاں کا انتظام کرنا چاہئے۔ پس اب میں منتظر ہوں اور دیکھتا ہوں کہ کون کون صاحب ہمارے لئے جوڑے تیار کر کے لاتے ہیں مگر صدائے برنخاست۔

آج کل قوم کی حالت

بس آج کل قوم کی یہ حالت ہے کہ سارا الزام مولویوں پر رکھتی ہے اور

جب ان کے کام کا وقت آتا ہے تو خاموش ہو کر کان دبا لیتے ہیں بلا تشبیہ آج کل مولویوں کی وہ حالت ہو رہی ہے جو بھٹیاری کے لڑکے کی حالت تھی۔ حکایت تو فحش ہے مگر مطابق حال ہے۔ قصہ یہ ہے کہ ایک سپاہی سرائے میں پہنچا اور بھٹیاری کو آٹا دال وغیرہ کھانا پکانے کی غرض سے دیا اور سپاہی خود بھی چولہے کے پاس ہی پلنگ بچھا کر بیٹھ گیا تاکہ بھٹیاری چوری نہ کر سکے جب اس نے دیکھا کہ یہ تو سر ہی پر سوار ہے تو کھانا پکا کر سپاہی کے سامنے رکھا اور اپنے لڑکے سے کہا کہ تو بھی بیٹھ جا چنانچہ وہ بھی سپاہی کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھ کر کھانے لگا اور بھٹیاری نے اس طرح چوری کی مکافات کی سپاہی نے دسترخوان پر سے لڑکے کو اٹھانا خلاف شرافت سمجھا خاموش ہو گیا اور بھٹیاری خوشامد میں پنکھا لے کر جھلنے لگی اتفاق سے بھٹیاری کی ریح زور سے صادر ہوئی کہ سپاہی نے بھی آواز سن لی اس نے شرم اتارنے کو فورا" اپنے لڑکے کے ایک چپت مارا کہ در (یعنی دھر) ہوئے یہ کیا کرتا ہے سپاہی سمجھ گیا کہ اس نے شرم اتارنے کے لئے لڑکے پر الزام رکھا ہے تو اس نے شرارت کی کہ قصدا" زور سے ریح صادر کی اور لڑکے کے ایک دھول رسید کیا اور کہا سرے کرے گا کوئی مگر پٹے گا تو ہی بس وہی حال آج کل مولویوں کا ہے کہ سارا الزام انہی پر ہے آریہ تو مسلموں کو مرتد کریں تو علماء پر الزام کہ انہوں نے تبلیغ میں کوتاہی کی۔

قادیانی فرقہ مسلمانوں کو کافر بنائے تو مولویوں پر الزام ترکوں کو جنگ میں شکست ہو تو مولویوں پر الزام اور اگر ان سے کہا جائے کہ بھائی مولوی اپنی جان سے تبلیغ وغیرہ کے لئے موجود ہیں مگر ان کے اہل وعیال کے لئے بھی تو کھانے پینے کا انتظام کیا جائے اور دورہ کے لئے کرایہ کا بندوبست کیا جائے اس کے لئے روپے کی ضرورت ہے اس کا سامان تم کرو تو اس کا کچھ جواب نہیں گویا ان کے ذمہ دین کی خدمت بالکل ضروری نہیں۔ ہاں بس ان کے ذمہ تو یہ ضروری ہے کہ مولویوں کو الزام دیا کریں تو ہم اس میں بھی راضی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے عاشق صادق بننے کی ضرورت

اور میں طلبہ سے کہتا ہوں کہ تم کسی کی تحقیر کی پروا نہ کرو اگر کوئی تمہارے طرز میں عیب نکالے نکالنے دو تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی رضا کافی ہے تم ان کو راضی کرنے کی فکر کرو اور یاد رکھو کہ عشق میں تو ملامت ہوا ہی کرتی ہے تم خدا تعالیٰ کے عاشق بننا چاہتے ہو تو ملامت سننے کے لئے تیار رہو۔

نسازد عشق را کنج سلامت
خوشا رسوائی کوئے ملامت

(عشق کے لئے گوشہ سلامتی لائق نہیں اس میں تو رسوائی کے کوچہ کی ملامت بہت اچھی ہے)

اور اگر کوئی تم کو نحوست و نکبت سے مطعون کرے یا کوئی دیوانہ کہے تو تم اس کو یہ جواب دو۔

ما اگر قلاش۔ وگر دیوانہ ایم
مست آں ساقی وآں پیمانہ ایم

(ہم اگر قلاش ہیں یا دیوانہ ہیں تو کیا غم ہے یہی دولت کیا کم ہے کہ اس ساقی و محبوب حقیقی اور اس کی شراب محبت سے مست ہیں)

عارف شیرازی سلامت کو مٹانے اور ملامت کو گوارا کرنے کے حق میں فرماتے ہیں۔

ایں خرقہ کہ من دارم دررہن شراب اولی
ویں دفتر بے معنی غرق مے ناب اولی

(یہ لباس جو کہ میں پہنے ہوئے ہوں شراب خانہ میں رکھنا بہتر ہے اور میرے دفتر فضولیات کو شراب کے مٹکے میں ڈبونا بہتر ہے۔

من حال دل اے زاہد باخلق نخواہم گفت
کایں نغمہ اگر گویم باچنگ و رباب اولی

(زاہد اپنے دل کے حال کو دنیا سے کہنا نہیں چاہتا اگر میں اس نغمہ کو گاؤں تو کوچہ ملامت ہی زیادہ بہتر ہے)

ایک بزرگ نے چنگ و رباب کی تفسیر ملامت سے کی ہے کہ ملامت کے وقت میں یہ نغمہ عشق ظاہر کروں گا کیونکہ محبوب کے لئے ملامت اور دھول دھپ میں بھی لذت ہوتی ہے اور یہ حالت عشاق مجازی تک پر طاری ہوتی ہے وہ بھی اپنے اشعار میں اس ذلت کو ظاہر کرتے ہیں۔

بجرم عشق توام می کشند و غوغائیست
تو نیز برسر بام آکہ خوش تماشائیست

(تیرے عشق کے جرم میں مجھے کھینچے لئے جاتے ہیں اور بھیڑ لگی ہوئی ہے تو بھی تو کوٹھے پر آکر دیکھ لے کہ کتنا اچھا تماشہ ہو رہا ہے)

جو کلام موثر ہو سمجھ لو کہ حال سے نکلا ہے خواہ عشق حقیقی کا حال ہو یا مجازی کا ہو حالات دونوں کو قریب قریب ہی پیش آتے ہیں۔

ایک عاشق مجازی کی حکایت

ابن عطاء اسکندری نے ایک عاشق مجازی کی حکایت اسی مضمون پر لکھی ہے کہ لوگوں نے تہمت عشق پر اس کے سو کوڑے مارے تو ننانوے پر اس نے آہ بھی نہ کی سویں کوڑے پر آہ کی کسی نے پوچھا کہ ننانوے کوڑے کا تو تحمل کر لیا اور اخیر کے ایک کوڑے کا تحمل نہ ہوا اس کی کیا وجہ ہے۔ کہا ننانوے تک تو محبوب میرے سامنے تھا اور وہ کھڑا ہوا تماشا دیکھ رہا تھا کہ میری محبت میں اس کو یہ مصیبت پیش آئی اس لذت میں مجھے الم ضرب کا احساس نہ ہوا ننانوے کے بعد وہ چلا گیا تو مجھے الم کا احساس ہوا اس لئے آہ نکل گئی تو اے صاحبو! یہ اس کا محبوب تھا جو غائب ہو گیا اور آپ کا محبوب تو ہر دم آپ کے ساتھ ہے ہر حالت میں آپ کو دیکھ رہا ہے جس کی شان یہ ہے کہ **لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ** (نہ اس کو اونگھ آتی ہے نہ نیند) پھر آپ کو ملامت اغیار میں زیادہ لذت آنا چاہئے۔

راضی بہ رضاالٰہی رہنے کی ضرورت

غرض طلبہ نے یہ نیا طرز سیکھا ہے کہ لباس و گفتگو میں تکلف و تصنع برتنے لگے۔ ایسے ہی تکلف کے واسطے ایک بزرگ فرماتے ہیں۔

جملہ اوراق و کتب درنار کن
سینہ را از نور حق گلزار کن

(تمام ورقوں اور کتابوں کو آگ میں ڈال اور اپنے سینہ کو نور حق سے گلستان بنا)

اس کا یہ مطلب نہیں کہ جنٹلمینوں کی وضع چھوڑ کر بزرگ کی وضع بنانے لگو بلکہ مطلب یہ ہے کہ اپنے لئے کوئی خاص وضع نہ بناؤ جو محبوب دے وہ پہنو شال دے شال اوڑھو کمبل دے کمبل اوڑھو اور ہر حال میں خوش رہو مگر حدود شرعیہ سے باہر نہ جاؤ ایک شادی میں دو شخص جمع تھے جو باہم عزیز تھے مگر ایک نے درویشی اختیار کرلی تھی وہ کمل اوڑھے ہوئے تھے اور دوسرے رئیس تھے وہ شال اوڑھے ہوئے تھے اور یہ رشتہ میں بڑے تھے جب دونوں ایک مجلس میں مجتمع ہوئے تو رئیس نے کہا یہ کمبل اتارو کیا خرافات لباس ہے ہمیں برا لگتا ہے درویش نے شال کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ تم اس کو اتار دو مجھے یہ بری لگتی ہے۔ اس حکایت سے میرا مقصود یہ ہے کہ وہ اپنے کمبل ہی میں خوش تھا ایسا ہی تم کو ہونا چاہئے کہ خدا تعالیٰ جس حالت میں رکھیں اسی میں خوش رہو اور کسی کی طعن کی پرواہ نہ کرو اور دوسرے وقت اگر اللہ تعالیٰ تم کو شال اڑھادیں تو اس وقت شال اوڑھ لو اب کمبل کے پابند نہ ہو کیونکہ انسان کے لئے اللہ تعالیٰ نے کوئی خاص حالت عبادت کی مقرر نہیں کی بلکہ اس کی ہر حالت جو حدود کے اندر ہو عبادت ہے۔

کمال عبدیت انسان میں نمایاں ہے

ہمارے حاجی صاحب نے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (میں نے

انسانوں اور جنوں کو بجز عبادت کے اور کسی لئے پیدا نہیں کیا) کی تقریر میں یہ نکتہ ظاہر فرمایا تھا جس سے اس اشکال کا جواب دیا تھا کہ عبادت تو اشجار و احجار و جبال و سموات و ملائکہ سب کرتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ (کیا نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے سجدہ کرتے ہیں وہ جو آسمانوں میں ہیں اور وہ جو زمین میں ہیں) پھر انسان و جن کی تخصیص آیت میں کیوں کی گئی۔ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اور مخلوق کی عبادت مثل مزدور یا نوکر کی خدمت کے ہے جو معین ہوتی ہے اور انسان کی عبادت غلام کی خدمت کے مثل ہے جس کے لئے کوئی صورت معین نہیں۔ غلام ایک وقت میں آقا کا پاخانہ بھی اٹھاتا ہے اور دوسرے وقت میں آقا کی وردی پہن کر اس کی جگہ جلسوں میں جاتا ہے تو غلامی جو حقیقت ہے عبدیت کی اس کی پوری شان انسان ہی میں نمایاں ہے کہ اس کے لئے کوئی خدمت معین نہیں ایک وقت میں تاج کرمنا (ہم نے مکرم کیا) اس کے سر پر ہے طوق فضلنا (ہم نے فضیلت دی) اس کی گردن میں ہے خلافت الٰہی کی مسند پر بیٹھا ہوا ہے اس وقت تمام عالم اس کا مسخر ہے چنانچہ روح کی تجلی ہوتی ہے تو تمام عالم اس کے سامنے سربسجود ہو جاتا ہے اور اس وقت بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے گویا خدا تعالیٰ کی تجلی ہے چنانچہ اس مقام پر بہت سے پھسل گئے ہیں کہ تجلی روح کو تجلی الٰہی سمجھ کر برسوں اس کی عبادت کرتے رہے اور ایک وقت میں حضرت انسان پاخانہ میں تشریف فرما ہوتے ہیں اس وقت اس کا ہگنا موتنا بھی عبادت میں داخل ہے یہ بات کسی مخلوق کو حاصل نہیں یہ حضرت انسان ہی ہیں جو ہر حالت میں عابد ہیں سوتے ہوئے بھی روتے ہوئے بھی' ہنستے ہوئے بھی' ہگتے ہوئے بھی۔ پس میں علماء کو کہتا ہوں کہ تم اپنی حالت کو سرکاری وردی سمجھو نہ ذلت کی پرواکرو' نہ عزت کی غرض مخلوق پر نظر ہی نہ کرو سب سے نظر ہٹالو۔

اخفاء عبادت میں ریا

عام صوفیہ کا مشہور قول ہے کہ اظہار عبادت مخلوق پر ریا ہے اور محققین

حضرات کا ارشاد ہے کہ اخفاء عبادت خلق سے ریا ہے کیونکہ مخلوق پر نظر ہی کیوں گئی جو اس سے اخفا کا اہتمام کیا اگر تم مخلوق کو ایسا سمجھتے جیسی مسجد کی صفیں تو ان سے اخفا نہ کرتے۔ کوئی مسجد کی صفوں سے بھی اخفاء کا اہتمام کیا کرتا ہے بس تم مخلوق کو کالعدم اور لاشئے محض سمجھو کسی پر نظر نہ کرو صرف ایک ذات پر نظر رکھو۔

دلا رامے کہ داری دل درو بند
دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

(جس دل آرام۔ یعنی محبوب سے تم نے دل لگا رکھا ہے تو پھر تمام دنیا سے آنکھیں بند کر لو)

یہی تو وحدۃ الوجود ہے جو کسی کی زبان سے کسی طرح نکل گیا وہ کافر کہلائے گا کیونکہ اس نے زبان عشق میں اس کو ظاہر کیا اور عاشق کی زبان کافی نہیں ہوتی۔ توضیح مراد کے لئے عاقل کی زبان کافی ہوتی ہے چنانچہ محققین اسی وحدۃ الوجود کو زبان عقل سے ظاہر کرتے ہیں ان پر کوئی فتوئی نہیں لگا سکتا مگر جن پر فتوئی لگایا گیا ہے ان کو اس کی بھی پروا نہیں وہ اپنے کلام میں تاویل بھی نہیں کرتے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ایمان و کفر مخلوق کے ہاتھ میں نہیں ہے اور تاویل وہ کرے جو مخلوق پر کچھ بھی نظر کرتا ہو اور جس کی نظر مخلوق پر بالکل نہ ہو اس کو اس کی بھی ضرورت نہیں۔

خود کو مٹانے کی کوشش کرو

پھر جس کی نظر مخلوق سے اس قدر اٹھی ہوئی ہو اور جس کا یہ مذاق ہو کہ اخفاء اطاعت خلق سے بھی ریا ہے وہ بھلا بڑا بننے کی تو کوشش کیوں کرے گا کیونکہ بڑا بننے میں تو اپنے اوپر بھی نظر ہوتی ہے اور مخلوق پر بھی اور فانی کی نظر کسی پر نہیں ہے اور میں تو یہ کہتا ہوں کہ بڑا بننے کی تدبیر بھی یہ نہیں ہے جو متکبرین نے اختیار کی ہے کہ بڑا بننے کے سامان کرتے ہیں بلکہ اس کی تدبیر بھی یہی ہے کہ اپنے

کو مٹا دو۔ افسوس بعض شعراء نے اس کو سمجھ لیا اور آج کل علماء نے بھی اس کو نہ سمجھا ایک شاعر کہتا ہے۔

اگر شہرت ہوس داری اسیر دام عزت شو
کہ در پرواز دارد گوشہ گیری نام عنقارا

(یعنی اگر تم کو شہرت کی تمنا ہے تو گوشہ تنہائی کے دام میں اسیر ہو جاؤ کیونکہ گوشہ گیری کی وجہ سے عنقا تمام دنیا میں مشہور ہو گیا)

عنقا نے اپنے کو مٹا دیا تو اس کا نام اس قدر مشہور ہوا کہ مخلوق کی زبان زد ہے۔ اسی طرح تم اپنے کو مٹا دو گمنام کر دو سب سے الگ ہو جاؤ تو پھر تمہاری مجبوبیت کی شان یہ ہو گی کہ تم چپ ہو گے تو لوگ تمہارے بولنے کے شیدا ہوں گے۔ حجرہ میں بیٹھو گے تو مخلوق تمہارے خروج کی متمنی ہو گی اور یوں کہے گی۔

بنمائے رخ کہ خلقے والہ شوندو حیراں
بکشائے لب کہ فریاد از مرد و زن برآید

مخلوق کو چہرہ انور دکھلا دیجئے کہ وہ دیدار کے لئے بے تاب و حیران ہیں لب مبارک کھولئے کہ تمام مرد و زن آپ کا کلام سننے کی التجا کر رہے ہیں مگر اس نیت سے اپنے کو نہ مٹانا کیونکہ اس نیت کے ساتھ تم مٹنے ہی کے نہیں اس حالت میں ڈلے پتھر کے سوا کچھ نہ ملے گا۔

فنا بغرض شہرت کبر ہے

فناء بغرض شہرت کبر ہے اسی طرح تفویض بغرض راحت تجویز ہے بعض لوگ اس غرض سے تفویض کرتے ہیں کہ اس میں راحت بہت ہے تم اس کا قصد کر کے تارک تفویض نہ بنو بلکہ فنا کا اس لئے قصد کرو کہ تم واقع میں فنا ہی کے مستحق ہو۔

وجودک ذنب لایقاس بہ ذنب

(تیرا وجود ہی گناہ ہے کسی گناہ کو اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا)

اور تفویض اس نیت سے کرو کہ یہ محبوب کا حق ہے کہ سب کام اسی کے سپرد کر دیا جاوے:

سپردم بتو مایہ خویش را
تو دانی حساب کم و بیش را

(میں نے اپنا سرمایہ تیرے حوالے کر دیا حساب کی کمی بیشی کو تو ہی جانے)

اگر کہو یہ بڑی دور کی بات ہے تو میں کہتا ہوں کہ دنیوی مقاصد کون سے قریب ہیں وہ بھی تو دور ہی ہیں کھانا کھاتے ہو بتلاؤ وہ کتنی دور سے حاصل ہوتا ہے کسی نے بویا کسی نے کاٹا کسی نے پیسا پھر گوندھا اور توے پر ڈالا اور کھانے بیٹھے پھر بھی اول لقمہ سے سیری نہیں ہوتی بلکہ لقمہ اخیر سے شبع ہوتا ہے بتلاؤ کتنی لمبی مسافت ہے اسی طرح پانی پیتے ہو تو جرعہ اخیر سے سیرابی ہوتی ہے وہ بھی تو دور ہی ہے اور تفویض تو اس سے زیادہ قریب ہے چنانچہ حضرت بایزید نے خواب میں حق تعالیٰ سے پوچھا دلنی علی اقرب الطرق الیک کہ مجھے اپنے پاس پہنچنے کا نزدیک تر راستہ بتلا دیجئے ارشاد ہوا دع نفسک و تعال کہ اپنے آپ کو چھوڑ دو اور آ جاؤ بتلائیے اس میں کون سا بعد ہے اپنے کو چھوڑ دو بس وہ قریب ہیں۔

میان عاشق و معشوق ہیچ حائل نیست
تو خود حجاب خودی حافظ ازمیاں برخیز

(جب محبوب اور محب کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں ہے اے حافظ تو اس حجاب خودی کو درمیان سے اتار پھینک)

تکوین مقصود قرآن نہیں

یہ مضمون تو بہت طویل ہے گھنٹوں میں بھی ختم نہ ہو گا۔ اب میں مقصود کی طرف رجوع کرتا ہوں میں یہ کہہ رہا تھا کہ طلبہ کو تکلف و تصنع سے احتراز کرنا چاہئے اسی کے ضمن میں یہ بات بیان کی تھی کہ طلبہ آج کل انگریزی الفاظ کے استعمال کو فخر سمجھتے ہیں یہ بہت برا ہے اور یہ گفتگو اس پر چلی تھی کہ میں نے تکوین

کا ترجمہ تفہیم مخاطبین کے لئے سائنس سے کیا تھا غرض تکوین مقصود قرآن نہیں ہے بلکہ اصل مقصود دین کا بیان ہے تکوین کا ذکر بھی قرآن میں دین ہی کے لئے ہے مقصوداً" نہیں ہے۔

چند معقولی حضرات کی حکایات

تو اس آیت سے اوپر جس کی میں نے تلاوت کی ہے کچھ مضامین دینیہ مذکور ہیں حق تعالیٰ ان کو بیان فرما کر ارشاد فرماتے ہیں فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّهٖ سَبِیْلًا" اب جس کا جی چاہے اپنے رب تک پہنچنے کا راستہ اختیار کر لے۔ یہاں فمن شاء (اب جس کا جی چاہے) سے تخییر مطلوب نہیں بلکہ ترغیب و تحریض مقصود ہے۔ یہ میں نے اس لئے کہہ دیا تاکہ کوئی معقولی اس کو تخییر پر محمول نہ کرے کیونکہ جن پر معقول کا غلبہ ہوتا ہے ان کو ذوق لسان نہیں رہتا تو معقولی صاحب تو یہاں فمن شاء دیکھ کر یہ کہیں گے کہ اللہ میاں اختیار دے رہے ہیں کہ جس کا جی چاہے راستہ اختیار کرے اور ایسے واقعات بدفہمی کے معقولیوں سے وقوع میں آ چکے ہیں۔ چنانچہ ایک معقولی طالب علم حضرت مولانا گنگوہی کے یہاں درس حدیث میں شریک تھے مگر حدیث النفس میں بھی مشغول تھے جب ترمذی کی اول حدیث آئی لَا یَقْبَلُ اللّٰهُ صَلٰوةً بِغَیْرِ طَهُوْرٍ (اللہ تعالیٰ بغیر پاکی کے کوئی نماز قبول نہیں کرتے) اور اس سے اشتراط وضو پر استدلال کیا گیا تو معقولی صاحب بولے کہ اس سے شرط صحت ہونا تو معلوم نہ ہوا صرف شرط قبول ہونا معلوم ہوا جو اس طرح بھی متحقق ہو سکتا ہے کہ نماز کی صحت تو بدون وضو کے بھی ہو جائے گی مگر مقبول نہ ہو پھر بعد نماز کے وضو کر لے جس سے اب نماز قبول ہو جائے۔ بس اس کا جواب بدون اس کے اور کیا ہے کہ معقول کی وجہ سے ان کا ذوق لسان مسخ ہو گیا۔ جس کو ذرا بھی زبان کا ذوق ہو گا وہ لَا یَقْبَلُ اللّٰهُ صَلٰوةً بِغَیْرِ طَهُوْرٍ (اللہ تعالیٰ بغیر پاکی کے کوئی نماز قبول نہیں فرماتے) سے تقدم طہور کی ضرورت کو معاً" سمجھ لے گا۔ اسی طرح حضرت مولانا گنگوہی کے پاس ایک شخص آیا اور مسئلہ پوچھا کہ آدھا چوہا کٹ کر

کنوئیں میں گر پڑا کتنے ڈول نکالے جائیں تو ایک معقولی صاحب جلدی سے بولے کہ تیرہ ڈول نکال دو- مولانا نے فرمایا کہ یہ تو احمق ہے سارا پانی نکال دو- کنواں ناپاک ہوگیا بعد میں معقولی صاحب نے حضرت سے پوچھا پورا چوہا گر پڑے اور مر جائے تو بیں سے تیس ڈول تک کا حکم ہے اور آدھی دم گرنے پر آپ نے سارا پانی نکالنا واجب کر دیا اس کی کیا دلیل ہے حضرت نے فرمایا کہ تم نے تیرہ ڈول کس دلیل سے بتلائے کہا میں نے بیں اور تیس کا اوسط پچیس نکال لیا تھا پھر جب پورا چوہا گرتا تو پچیس ڈول ہوتے اب آدھا گرا ہے تو پچیس کا آدھا ساڑھے بارہ ہوتے تھے میں نے کسر کو پورا کر کے تیرہ ڈول بتلا دیئے اور پورا نکالنا واجب ہو تو الکل اعظم من الجزء کے خلاف لازم آتا ہے اور اپنی حماقت سے یہ نہ سمجھا کہ کٹ کر گرا ہے تو کنوئیں میں دم مسفوح گرا اور دم مسفوح کا ایک قطرہ بھی سارے کنویں کو ناپاک کرنے کے لئے کافی ہے اگر معقولی صاحب کو اس کا ہوش ہوتا تو سمجھتے کہ واقعی میرا حساب غلط تھا ایک واقعہ معقولی کے ساتھ خود مجھے پیش آیا ہے- میں کانپور میں حدیث پڑھا رہا تھا ایک معقولی صاحب بھی درس میں آ بیٹھے تھے یہ حدیث آئی من انتمی الی غیر ابویه لم یرح ریح الجنة جو شخص اپنے خاندان کو چھوڑ کر دوسرے خاندان کی طرف اپنی نسبت کرے گا وہ جنت کی خوشبو نہ پائے گا- آج کل شہروں میں یہ مرض بہت شائع ہوگیا ہے شہر میں جا کر جولاہے بھی سید ہو جاتے ہیں چنانچہ کابل سے ایک جولاہا ہندوستان آیا اور یہاں آ کر پٹھان بن گیا کچھ دنوں کے بعد ایک پٹھان آیا اس نے جو دیکھا کہ جولاہے نے اپنے کو پٹھان بتا رکھا ہے تو وہ سید بن گئے اس کے بعد ایک سید صاحب آئے انہوں نے دیکھا کہ یہاں پٹھان نے اپنے کو سید بنا رکھا ہے تو آپ نے یہ کہنا شروع کیا کہ میں خدا کا بیٹا ہوں (نعوذ باللہ منہ) لوگوں نے اس پر ہنسنا شروع کیا تو سید نے کہا کہ جس ملک میں جولاہا پٹھان اور پٹھان سید بن جاتا ہے وہاں سید اگر خدا کا بیٹا بن جائے تو کیا تعجب ہے اس نے سب کی قلعی کھول دی تو میں نے اس حدیث کی شرح میں کہا کہ یہ بہت سخت وعید

ہے کہ ایسے شخص کو جنت کی خوشبو بھی نہ آئے گی تو جنت میں کیا جاتا تو معقولی صاحب بولے کہ اس سے دخول جنت کی نفی تو لازم نہیں آتی ممکن ہے کہ وہ جنت میں داخل ہو کر بھی خوشبو نہ سونگھے میں نے کہا یہ کیونکر کہنے لگے اس طرح کہ وہ مزکوم ہو جائے۔ میں نے کہا سبحان اللہ جنت میں بھی زکام ہوا تو جنت کیا ہوئی۔ غرض یہ معقولی محض الفاظ کے چکر میں رہتے ہیں اور امکانات بعیدہ ہی نکالتے رہتے ہیں۔ چنانچہ ایک معقولی صاحب ایک تیلی کی دکان پر تیل لینے گئے وہاں دیکھا کہ بیل کی گردن میں گھنٹی پڑی ہوئی ہے پوچھا بھائی اس گھنٹی میں کیا حکمت ہے تیلی نے کہا کہ ہم لوگ غریب آدمی ہیں سارے کام اپنے ہاتھ سے کرنے پڑتے ہیں ہر وقت بیل کے ساتھ نہیں رہ سکتے یہ گھنٹی اس کے گلے میں اس لئے ڈال دی ہے تاکہ اس کے بجنے سے معلوم ہوتا رہے کہ بیل چل رہا ہے اگر گھنٹی بند ہوتی ہے تو ہم آ کر بیل کو پھر چلا دیتے ہیں اور چلا کر اپنے کام میں لگ جاتے ہیں معقولی صاحب بولے کہ گھنٹی کا بجنا بیل کے چلنے کی دلیل تو نہیں ہو سکتی ممکن ہے کہ وہ کھڑا کھڑا سر ہلاتا رہے تیلی نے کہا مولوی صاحب میرے بیل نے منطق نہیں پڑھی آپ جلدی یہاں سے تشریف لے جایئے کہیں وہ منطق نہ سیکھ لے پھر ہماری تو مصیبت آ جائے گی۔

معقولیوں کا وہم

یہ غلو فی المعقول کا نتیجہ ہے کہ ان کو مشاہدات و واقعات میں بھی توہمات پیدا ہوتے ہیں۔ پھر کمال یہ کہ محض توہمات ہی پر ورق کے ورق سیاہ کرتے چلے جاتے ہیں چنانچہ ایک مسئلہ ان کے یہاں مشہور ہے کہ قضیہ موجبہ میں وجود موضوع شرط ہے نہ معلوم اس دعوے کی دلیل کیا ہے محض توہم ہے اور کچھ بھی نہیں مگر اس مسئلہ کو مان کر پھر جو اشکالات وارد کرنے اور ان کے جواب دینے شروع کئے ہیں تو بڑی لمبی بحث ہو گئی ہے۔ اللہ بھلا کرے حمد اللہ کا اس نے اس کو رد کیا ہے اور کہا کہ قضیہ موجبہ کے لئے وجود موضوع کی ضرورت نہیں صرف ربط

موضوع بالمحول کافی ہے اور بہت سے مسائل معقولیہ اسی شان کے ہیں تو میں نے ایسے ہی معقولیوں کا وہم رفع کرنے کے لئے کہا ہے کہ یہاں تخییر پر رو نہیں اور اگر فمن شاء (اب جس کا جی چاہے) سے تخییر ہی مراد ہوا کرے تو ایک مقام پر ارشاد ہے فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ اب جس کا جی چاہے ایمان لائے جس کا جی چاہے کفر اختیار کرے) کیا اس کو بھی تخییر پر محمول کیا جائے گا ہرگز نہیں بلکہ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا (اب چاہے اپنے رب تک پہنچنے کا راستہ اختیار کرلے) میں ترغیب و تسہیل مراد ہے مطلب یہ ہے کہ یہ مضامین تذکرہ ہیں جن سے خدا کا راستہ آسان ہوگیا اس لئے ہم اعلان عام کرتے ہیں کہ جس کا دل چاہے خدا کے راستہ پر چلے اب کچھ دشواری نہیں یہ تو آیت کی تفسیر تھی اس سے میرا مقصود یہ ہے کہ اس آیت میں گو اِنَّ هٰذِهٖ کا مشارالیہ ظاہراً" صرف سورہ دہر کے مضامین ہیں لیکن یہ شان تمام ہی قرآن کی ہے کیونکہ قرآن میں جابجا قرآن کو تذکرہ اور ذکر اور ذکری کہا گیا ہے جس سے خاص مضامین پر اشارہ نہیں ہے بلکہ سارے قرآن کے مضامین پر اشارہ ہے چنانچہ ایک مقام پر ہے۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ (یعنی اس میں خیر خواہی ہے اس شخص کے لئے جس کے پاس قلب سلیم ہے) اور یہاں یقیناً ذالک سے پورا قرآن مراد ہے اور سورہ عبس میں ہے كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَاءَ ذَكَرَهٗ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ (ہرگز ایسا نہ کیجئے قرآن نصیحت کی چیز ہے سو جس کا دل چاہے اس کو قبول کرلے وہ ایسے صحیفوں میں ہے جو مکرم ہیں رفیع ارکان ہیں مقدس ہیں جو ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہے کہ وہ مکرم اور نیک ہیں) یہاں تو یقیناً اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ سے تمام قرآن ہی مراد ہے تو حاصل اس جملہ کا یہ ہوا کہ قرآن (بلکہ تمام شریعت کیونکہ قرآن ساری شریعت کی اصل ہے باقی سب اس کی شرح ہے۔ اسی واسطے بعض حدیث میں قرآن سے مراد مطلق شریعت بھی وارد ہے چنانچہ اِقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللّٰهِ (ہمارے لئے کتاب اللہ سے فیصلہ کردیجئے) کہنے پر فیصلہ فرمایا گیا جو کہ

قرآن میں نہیں ہے غرض قرآن پاک بلکہ سب دین) تذکرہ ہے اور یادداشت ہے کس چیز کی؟ سبیل رب کی کیونکہ آگے اختیار سبیل رب کو اسی صفت تذکرہ پر مرتب کیا گیا ہے رب سبیل سمجھئے سبیل کہتے ہیں لغت میں راستہ کو اور راستے کی دو قسمیں ہیں ایک لمبا راستہ جس کو سفر کہتے ہیں اور ایک مختصر اور قصیر راستہ اب غور کیجئے کہ حق تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ قصیر ہے یا طویل؟ ظاہر ہے کہ طویل ہے۔ یہ راستہ قصیر تو ان کے نزدیک ہوگا جو عید بقر کے نمازی ہوں ورنہ یہ تو ساری عمر کا قصہ ہے کسی دن بھی اس کے طے کرنے سے بس نہیں کر سکتے۔ اگر ہزار سال کی بھی عمر ہو جب بھی نماز فرض رہے گی روزہ فرض رہے گا زکوٰۃ فرض رہے گی غرض کسی وقت فرائض سے سبکدوشی نہیں ہو سکتی گویا عمر بھر اسی راستہ کو طے کرتے رہتے ہیں۔

جنم روگ

جیسے ہمارے حضرت حافظ ضامن صاحبؒ نے اس شخص سے پوچھا تھا کہ آپ کا لڑکا کیا پڑھتا ہے کہا قرآن حفظ کرتا ہے فرمایا ارے اس بیچارے کو کیوں جنم روگ لگایا۔ حافظ صاحب میں مزاح بہت تھا اس لئے گفتگو کے عنوان ایسے ہی ہوا کرتے تھے مگر حقیقت اس کی یہ تھی کہ حفظ قرآن ایک دن کا کام نہیں عمر بھر کا کام ہے ساری عمر اسی میں لگا رہے تب تو محفوظ رہتا ہے ورنہ بہت جلد حفظ سے نکل جاتا ہے چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ رجب کا مہینہ آتے ہی حفاظ کو قرآن یاد کرنے کی فکر ہوگی دور شروع ہو جائے گا۔ پانی پت میں ایک رئیس ہیں وہ سبعہ قرات کے حافظ ہیں اور کمال یہ ہے کہ ہر سال ایک قاری کی روایت میں تراویح سناتے ہیں مگر کیا مجال کہ دوسری قرات اس میں اختلاط ہو جائے اگر قالون کی روایت شروع کریں گے تو اخیر تک قالون ہی کی روایت رہے گی ورش کی روایت کا اس میں خلط نہ ہوگا بڑا اچھا حافظ ہے مگر یہ اس کی بدولت ہے کہ ہر سال رجب سے جو وہ قرآن میں مشغول ہوتے ہیں پھر کسی کام کو نہیں دیکھتے۔

کلابی تقویٰ

اسی طرح ساری شریعت ہے کہ یہ عمر بھر کا کام ہے ایک دو دن کا کام نہیں نوافل و مستحبات کو تو آدمی ترک کر سکتا ہے مگر فرائض وواجبات اور تلاوت قرآن کی پابندی کرنے سے کچھ نام بھی نہیں ہوتا مستحباب و نوافل کی پابندی میں نام اور امتیاز زیادہ ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ طالبان دنیا وظائف کو ناغہ نہیں کرتے مگر نماز قرآن کو ناغہ کرتے رہتے ہیں فرائض و واجبات کو ضائع کرتے رہتے ہیں۔ کیونکہ ان کو نام مقصود ہے راستہ کا طے کرنا مقصود نہیں ورنہ اہم واقدم کا زیادہ اہتمام کرتے ہیں (میرٹھ میں ایک رشوت خوار تھے وہ وظیفہ کے تو اتنے پابند تھے کہ اشراق تک وظیفہ پڑھتے اور درمیان میں کسی سے بات نہ کرتے مگر اسی وقت میں اشارات سے رشوت کا معاملہ بھی طے ہوتا رہتا تھا۔ مقدمہ والا اشارہ سے ایک کہتا یہ انگلی کے اشارہ سے دو کہتے پھر اشارات ہی میں معاملہ طے ہو جاتا سو یہ تقویٰ کلابی کہلاتا ہے کہ وظیفہ میں بات کرنے سے تو اتنا پرہیز اور رشوت سے پرہیز نہیں کتے کی بھی یہی حالت ہے کہ ٹانگ کی تو اتنی احتیاط کرتا ہے کہ اس کو اٹھا کر موتتا ہے تاکہ پیشاب کی چھینٹ نہ پڑ جائے اور منہ کو گوہ میں بھی ڈال دیتا ہے جیسے ایک تیلن سے کسی نے پوچھا کہ تیرا میاں کہاں ہے وہ چونکہ نئی نئی دلہن تھی جس کے لئے منہ سے بولنا عیب ہے اس نے زبان سے تو کچھ جواب نہ دیا مگر لہنگا اٹھا کر پیشاب کیا اور پیشاب کے اوپر کو پھاند گئی مطلب یہ تھا کہ دریا پار گیا ہے۔ یہی حالت اہل دنیا کے وظائف کی ہے۔

ہم ہروقت سفر آخرت میں ہیں

بہرحال خدا کا راستہ قصیر نہیں بلکہ طویل ہے کہ عمردراز میں بھی طے نہیں ہو سکتا مگر جن کو توفیق دی گئی ہے ان کے لئے قصیر ہو جاتا ہے گو واقع میں طویل ہے جیسے قیامت کے بارہ میں ارشاد ہے فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَۃٍ کہ وہ

دن پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا۔ مگر حدیث میں آیا ہے کہ مومن کو اتنا چھوٹا معلوم ہوگا جیسے ایک نماز کے شروع سے اس کے ختم کرنے تک فاصلہ ہوتا ہے اور اوپر جو حضرت بایزید کے قصہ میں طریق دین کا قصیر ہونا بیان کیا گیا ہے مراد اس قصر سے سہولت ہے بمقابلہ مشاق دنیا کے۔ اب سمجھئے اور اسی بات کا سمجھانا اس بیان سے مقصود ہے کہ جب خدا کا راستہ طویل ہے اور ہم اس پر چل رہے ہیں تو ہم ہر وقت سفر میں ہوئے اور قرآن اس سفر کی یادداشت ہے جو اس راستہ سے منازل و مقامات سے ہم کو آگاہ کرتا ہے۔ جب ہم سفر میں ہوئے تو بتلایئے کیا سفر میں بھی چین ہوا کرتا ہے مگر افسوس ہم کیسے بے فکر و مطمئن ہیں گویا وطن میں بیٹھے ہوئے ہیں اے صاحب جس کو ہر وقت سفر درپیش ہو وہ کیونکر مطمئن ہو کر بیٹھ سکتا ہے اور جس کے سامنے اتنا لمبا سفر ہو وہ کیونکر دل کھول کے ہنس سکتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حال

اسی لئے حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اسی باب میں اس طرح بیان کی گئی ہے **کان دائم الفکرۃ متواصل الاحزان** کہ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ فکر و سوچ میں اور رنج و غم میں رہتے تھے اور اس فکر و غم ہی کا یہ اثر تھا کہ آپؐ کبھی کھل کر ہنستے نہ تھے حدیث میں ہے **کان جل ضحکہ التبسم** کہ حضور ﷺ کا بڑا ہنسنا یہ ہوتا کہ تبسم فرما لیتے تھے اور یہ بھی حضور ﷺ ہی کا حوصلہ تھا کہ ہماری خاطر سے تبسم بھی فرما لیتے تھے ورنہ جس کے سامنے وہ احوال شدیدہ ہوں جو حضور ﷺ پر منکشف تھے اس کو تو تبسم بھی نہیں ہو سکتا۔ شاید کوئی اس پر یہ شبہ کرے کہ حضور ﷺ کو کیا خوف تھا آپ سے تو سب ذنوب کے بخش دیئے جانے کا وعدہ ہو چکا تھا۔ میں کہتا ہوں کہ بس آپ کے نزدیک جہنم ہی تو ایک خوف کا سبب ہے صاحب اس سے بڑھ کر عظمت حق کا انکشاف خوف کا سبب ہے جس پر عظمت حق کا انکشاف ہو گیا ہے وہ جہنم کو تو تصور میں بھی نہیں لاتا پھر اس سے آگے ایک اور مقام ہے جس میں باوجود مغفرت ذنوب کے بھی جہنم سے اطمینان نہیں وہو

انکشاف قدرۃ الحق(وہ قدرت حق کا منکشف ہوتا ہے) اسی لئے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں لو علمتم ما اعلم لضحکتم قلیلا" ولبکیتم کثیرا" یعنی اگر تم وہ باتیں جانتے جو مجھے معلوم ہیں تو بہت کم ہنستے اور زیادہ رویا کرتے۔ اس جگہ کم ہنسنے کے معنی یہ ہیں کہ بالکل نہ ہنستے مگر یہ محاورہ ایسا ہے جیسا اردو میں آپ کہا کرتے ہیں کہ میں ایسا روگ کم پاتا ہوں یعنی نہیں پاتا اور محاورات اکثر تمام زبانوں میں مشترک ہوتے ہیں۔ قرآن میں اور جگہ بھی یہ استعمال آیا ہے جہاں قلت کے معنی ہو ہی نہیں سکتے عدم ہی کے معنی ہو سکتے ہیں یعنی فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ(سو وہ ایمان نہیں لاتے ہیں)

قرآن کا محاورہ

اس جگہ عام واعظوں کی ایک غلطی یاد آئی وہ یہ کہ قرآن مجید میں ہے۔ فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا" وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا" پس چاہئے کہ کم ہنسیں اور زیادہ روئیں) واعظین اس کو امر سمجھتے ہیں اور مسلمانوں کو ملامت کرتے ہیں کہ تم واجب کو ترک کرتے ہو۔ قرآن میں تو کثرت بکاء کا امر ہے اور تم بالکل نہیں روتے۔ مگر یہ ان واعظین کی غلطی ہے یہاں معنی امر مراد نہیں بلکہ امر بمعنی خبر ہے جس میں کفار کی سزا اور عذاب کا ذکر ہے جس کی دلیل سیاق و سباق ہے۔ چنانچہ اس سے پہلے ارشاد ہے وَقَالُوا لَا تَنفِرُوا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا لَّوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ (اور کہنے لگے کہ تم گرمی میں مت نکلو آپ کہہ دیجئے کہ جہنم کی آگ زیادہ گرم ہے کیا خوب ہوتا اگر وہ سمجھتے) اور اس کے بعد ارشاد ہے جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ(یہ ان کے اعمال کا بدلہ ہے) اور درمیان میں ہے فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا" وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا" (پس چاہئے کہ کم ہنسیں اور زیادہ روئیں) جس سے صاف معلوم ہوا کہ یہ بکاء سزاء ہے اور ظاہر ہے کہ سزا وہ چیز ہو سکتی ہے جو سزا پانے والے کے اختیار میں نہ ہو بلکہ سزا دینے والے کے اختیار میں ہو اور اگر یہاں معنی انشاء مراد ہوں گے تو ضحک و بکاء مخاطب کے اختیار میں ہو گا اور وہ جزاء نہیں ہو سکتا۔ پس ثابت ہو گیا

کہ یہاں معنی انشاء مراد نہیں بلکہ خبر دینا مقصود ہے کہ ان مشرکین کی سزا یہ ہے کہ وہ تھوڑے دنوں میں ہنس کھیل لیں اور اس کے بعد زیادہ روئیں گے اپنے اعمال کی سزا میں۔ اور خبر کو انشاء کی صورت میں استعمال کرنا ایسا ہے جیسا کہ ہمارے محاورہ میں بھی کہا کرتے ہیں کہ اب سر پکڑ کر روؤ تمہاری یہی سزا ہے۔ یعنی اب روؤ گے اور اپنے کیئے کی سزا بھگتو گے پس اسی طرح قرآن کا یہ محاورہ ہے جس سے معنی امر مقصود نہیں اور اگر بفرض محال امر ہی مقصود ہوتا تو سیاق و سباق کی وجہ سے مخاطب کفار ہی ہوتے مسلمانوں کو پھر بھی خطاب نہ ہوتا اس لئے واعظین کا اس سے مسلمانوں کے لئے کثرت بکاء کا مامور بہ ہونا ثابت کرنا غلط ہے۔ یہ بیچ میں استطراداً ایک فائدہ تفسیریہ بیان کر دیا گیا۔

خاصہ بشریہ

میں یہ کہہ رہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے پیش نظر جو امور عظام و احوال شدیدہ تھے ان کے ہوتے ہوئے کسی کو ہنسنے کی تاب نہیں ہو سکتی تھی۔ یہ حضور ﷺ کا حوصلہ تھا کہ آپ اس کے باوجود بھی تبسم فرما لیتے تھے اس پر اگر یہ سوال ہو کہ پھر حضور ﷺ تبسم بھی کیوں فرماتے تھے اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ ہماری خاطر سے تاکہ لوگوں کا کلیجہ نہ پھٹ جائے اور وہ یوں نہ کہیں کہ جب حضور ﷺ ہر وقت غمگیں رہتے ہیں تو ہمارا تو پھر کہاں ٹھکانا ہے لوگ اس سے مایوس ہو جاتے اس لئے حضور ﷺ گاہ گاہ تبسم فرما لیا کرتے دوسرے یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ضحک و تبسم خاصہ بشریہ ہے کہ ہنسی کی بات پر ہنسی آ ہی جاتی ہے چاہے اندر سے دل پر کیسا ہی غم کا پہاڑ ہو مشہور ہے کہ نیند تو سولی پر بھی آجاتی ہے کیونکہ خاصہ بشریہ ہے۔ تو صاحبو! جب حضور ﷺ کی یہ بھی حالت تھی کہ آپ ہمیشہ فکر مند اور اندوہگیں رہتے تھے تو ہم آخر کس بات پر بے فکر ہیں۔ اور ہم دنیا سے خوش اور مطمئن کیونکر ہو گئے حالانکہ یہ بے فکری بہت سخت حالت ہے حق تعالیٰ ایک مقام پر کفار کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں وَرَضُوا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا کہ وہ دنیا سے

خوش اور مطمئن ہوگئے اس سے معلوم ہوا کہ رضا بالدنیا مطلقاً" مذموم نہیں بلکہ اس وقت مذموم ہے جبکہ اس کے ساتھ اور بے فکری بھی ہو ورنہ **واطمانوابھا** (اور اس سے مطمئن ہوگئے) نہ بڑھایا جاتا پس معلوم ہوا کہ مذمت میں اس اطمینان کو بھی دخل ہے گویہ اطمینان بالدنیا کفر سے کم ہی ہے مگر ایسا کم ہے جیسا آسمان عرش سے کم ہے مگر فی نفسہ تو بہت بڑا ہے مولانا فرماتے ہیں۔

آسماں نسبت بعرش آمد فرود
لیک بس عالی ست پیش خاک تود

آسمان عرش کے مقابلہ میں بیشک نیچا ہے لیکن مٹی کے ٹیلے سے تو کہیں اونچا ہے۔

اطمینان بالدنیا بڑا مرض ہے

اسی طرح اطمینان بالدنیا بہت سخت چیز ہے جبھی تو اس کو کفار کی مذمت میں بیان کیا گیا گو کفر سے کم ہو اس جگہ۔ جملہ معترضہ کے طور پر ایک تحقیق لغت کی بھی بیان کردوں کہ آسمان لفظ مفرد نہیں ہے بلکہ مرکب ہے آس اور مان سے آس بمعنی آسیا چکی کو کہتے ہیں اور مان بمعنی مانند ہے تو یہ لفظ اصل میں آسیا مان تھا کثرت استعمال سے تخفیف کر کے آسیا کو آس بنا لیا گیا آسمان ہوگیا۔ گو ہمیں فارسی دانی کا دعویٰ نہیں مگر جو لوگ اس کے مدعی ہیں وہ اس نئی تحقیق کو سن لیں غالباً" ان کے بھی خیال میں یہ بات نہ آئی ہوگی۔ پس آسمان کو آسمان اس لئے کہتے ہیں کہ ان اہل لغت کے نزدیک چکی کی طرح اس میں بھی حرکت دوریہ ہے۔ غرض رضا بالدنیا و اطمینان بہاء (دنیا سے خوش ہونا اور اس سے مطمئن ہونا) گو بمقابلہ کفر کے کم ہے مگر فی نفسہ بہت بڑا مرض ہے اس کا علاج کرنا چاہئے جس کی ایک صورت یہ ہے جو اس وقت بیان کر رہا ہوں کہ انسان یہ تصور پیش نظر رکھے کہ میں ہر وقت سفر میں ہوں۔ چنانچہ قرآن کی اس آیت سے بطور دلالت التزام کے یہ بات ثابت ہے کہ انسان سفر میں ہے اور اس کے لوازم سے ہے بے چینی اور عدم

اطمینان کیونکہ مسافر کو منزل پر پہنچنے سے پہلے اطمینان نہیں ہوا کرتا بلکہ مسافر کے لئے غیر منزل کے ساتھ تو اطمینان اور رضا خود موانع سفر سے ہے جو مسافر غیر منزل سے دل لگا لے گا اور اسی میں قیام کر کے بے فکر ہو جائے گا یقیناً منزل پر نہ پہنچ سکے گا۔ ان سب باتوں کو بھی قرآن نے ہتلا دیا ہے کہ دنیا سے رضا اور اطمینان نہ ہونا چاہئے۔ پس قرآن سے بدلالت مطابقی ہمارا مسافر ہونا بھی ثابت ہے اور بدلالت التزامی سفر کے لوازم بھی ثابت ہیں اور اس کے موانع بھی بتلا دیئے گئے ہیں۔

منتہائے سفر

اب اس مضمون میں کیا شبہ ہے۔ اور سنئے لوازم سفر سے طریق کا مبداؑ منتہا بھی ہے سو مبداء کے بیان کی تو اس لئے ضرورت نہیں کہ وہ تو چلنے والے کے سامنے ہے اور منتہا کا ذکر قرآن میں جابجا آیا ہے چنانچہ بار بار فرماتے ہیں وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ (اللہ ہی کی طرف تمام امور لوٹتے ہیں) وَاِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى (تیرے رب ہی کی طرف لوٹنا ہے) وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے) اور ایک مقام پر صاف ارشاد ہے وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ کہ سیدھا راستہ ہی خدا تک پہنچتا ہے اور بعض ٹیڑھے راستے بھی ہیں (اور سیدھے راستہ کی توفیق تو اس کو ہوتی ہے جو طالب حق ہو) وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو تم سب کو سیدھے راستہ کی طرف جبراً" ہدایت کر دیتے (مگر چونکہ یہ دار الابتلاء ہے اس لئے نہیں کیا جاتا لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (دین میں جبر نہیں ہے تحقیق ظاہر ہو گئی رشد گمراہی سے) مشہور تفسیر تو یہ ہے وَعَلَى اللّٰهِ بیان قصد السبیل و منها جائر (سیدھا راستہ ان میں بعض ٹیڑھے بھی ہیں) مگر اس میں مضاف کا حذف ہے جو بلا ضرورت خلاف اصل ہے اس لئے میرے نزدیک یہاں علی بمعنی الی ہے جو قرآن میں جابجا آیا ہے چنانچہ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا بمعنی بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا (اور اس کتاب پر جو ہماری طرف نازل کی گئی ہے) آیا ہے اور بھی اس کی نظائر

تلاش سے ملیں گی اس صورت میں حذف کی ضرورت نہ ہوگی تو منتہائے سفر بھی قرآن میں مذکور ہے۔

علامات سفر

پھر لوازم سفر سے علامات بھی ہیں ہر راستہ کی کچھ علامات ہوتی ہیں۔ تو یہاں بھی کچھ علامات ہونا چاہئیں بلکہ یہاں ضرورت زیادہ ہے کیونکہ یہ سبیل محسوس نہیں بلکہ معنوی ہے سو قرآن میں اس راستہ کی علامات بھی مذکور ہیں فرماتے ہیں وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ (اور جو شخص دین خداوندی کے ان یادگاروں کا پورا لحاظ رکھے گا تو ان کا یہ لحاظ رکھنا دل کے ساتھ ڈرنے سے ہوتا ہے) شعائر اللہ وہی علامات ہیں جو خدا کی طرف چلنے کی دلیل ہیں یعنی نماز و روزہ اور حج اور تمام عبادات یہ سب اس راستہ کی علامات ہیں جن پر کسی کو چلتا ہوا دیکھو تو سمجھ لو کہ وہ خدا کی طرف چل رہا ہے۔

لوازم سفر

پھر لوازم سفر سے ضیاء (روشنی) بھی ہے کیونکہ راستہ میں تاریکی ہو تو چلنا دشوار ہے۔ سیر فی الطریق (راستہ میں چلنا) رؤیت طریق (راستہ دیکھنے) پر موقوف ہے اور رؤیت بدون ضیاء کے نہیں ہو سکتی۔ تو قرآن میں اس راستہ کے لئے بھی ضیاء بھی ثابت ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ هٰذَا بَصَائِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۔ (یعنی یہ قرآن عام لوگوں کے لئے دانشمندیوں کا سبب اور ہدایت کا ذریعہ ہے اور یقین لانے والوں کے لئے بڑی رحمت ہے) اس میں لفظ بصائر سے ضیاء پر دلالت ہے ایک دفعہ مجھے اس آیت میں یہ سوال پیدا ہوا تھا کہ اس جگہ تین چیزیں کیوں بیان کی گئیں بصائر وھدی ورحمۃ پھر سمجھ میں آیا کہ راستہ چلنے میں ایک تو رہبر کی ضرورت ہے وہ تو ھدیٰ" ہے پھر رہبر کی عنایت و شفقت کی ضرورت کہ مختصر اور سہل راستہ سے لے جائے وہ رحمت ہے پھر اس کی بھی

ضرورت ہے کہ چلنے والا سوانکھا ہو اگر راستہ حسی ہے تو بصر کی ضرورت ہے اور معنوی ہے تو بصیرت کی ضرورت ہے اس کا ذکر بصائر میں ہے مگر بصائر سے مراد اسباب بصیرت ہیں یعنی ضیاء کیونکہ قرآن کو جو بصیرت فرمایا ہے ظاہر ہے کہ وہ اسباب بصیرت میں سے ہے پس قرآن میں ضیاء معنوی موجود ہے جس میں تامل کرنے سے بصیرت کام کرنے لگتی ہے۔ اور اس کو راستہ نظر آنے لگتا ہے پس اس آیت سے ضیاء بھی ثابت ہوئی اور دوسری آیات میں تو صاف طور پر لفظ نور وارد ہے لَقَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ یعنی تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک روشن چیز آئی ہے اور ایک کتاب واضح کہ اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں کو جو رضائے حق کے طالب ہوں سلامتی کی راہیں بتلاتے ہیں اور ان کو اپنی توفیق سے تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے آتے ہیں) غرض قرآن سے سفر اور لوازم سفر سب ثابت ہیں۔

سلوک عمل بالشریعت کا نام ہے

پھر حضرات صوفیہ کے کلام کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کو ان سے زیادہ کوئی نہیں سمجھتا ان کے کلام میں یہ حقیقت نمایاں طور پر مذکور ہے۔ چنانچہ انہوں نے عمل بالشریعۃ کا نام سلوک رکھا ہے جو سفر کے معنی میں ہے اور شریعت پر چلنے والے کو سالک کہتے ہیں اور اعمال کا نام مقامات رکھا جو منازل کے معنی میں ہے۔ شاید کوئی کہے کہ تم کو صوفیہ سے محبت ہے اس لئے خوش اعتقادی کی وجہ سے یوں سمجھ لیا کہ صوفیہ نے قرآن سے اس مضمون کو سمجھ کر یہ نام رکھے ہیں۔ تو میں کہتا ہوں بہت اچھا اگر انہوں نے قصداً" قرآن سے سمجھ کر یہ نام نہیں رکھے تو یہ ماننا پڑے گا کہ ان کی طبیعت میں سلامتی ایسی تھی کہ ان کی زبان سے وہی بات نکلی جو خدا تعالیٰ نے قرآن میں بتلائی ہے۔ مگر جب صوفیہ کے کلام میں مضمون جابجا پوری صراحت سے مذکور ہے تو ہم کیوں نہ کہیں کہ انہوں نے حقیقت کو قرآن

سے سمجھ کر یہ نام رکھے ہیں۔ چنانچہ عارف فرماتے ہیں۔

مرا در منزل جاناں چہ امن و عیش چوں ہر دم
جرس فریاد می دارد کہ بربندید محملہا

(منزل محبوب میں امن و سکون کہاں ہے جبکہ ہروقت کوچ کی گھنٹی بجتی ہے کہ سامان سفر باندھو)

اسباب سفر

اس میں تو صاف سفر کے معنیٰ پر دلالت ہے کہ مجھ کو محبوب کا راستہ طے کرنے میں کسی منزل پر چین کیونکر آئے جبکہ ہر مقام پر جرس یہ کہتا ہے کہ اسباب باندھو اور آگے چلو جرس سے مراد شیوخ کا ارشاد ہے کہ وہ کسی مقام پر توقف کی اجازت نہیں دیتے بلکہ ہر مقام سے آگے بڑھنے کی تاکید کرتے ہیں۔

اے برادر بے نہایت درگہیست
ہرچہ بروئے میرسی بروے مایست

بھائی لا انتہا درگاہ ہے جس مقام پر پہنچو وہاں مت ٹھہرو اس سے آگے بڑھو) گو بعض دفعہ توقف کی بھی اجازت ہے جس کی حقیقت آگے بیان کروں گا اگر یاد رہا اور خدا کرے یاد رہے۔ یا شوق قلب مراد ہے کہ کسی مقام پر شوق کو سکون نہیں کیونکہ منزل مقصود اس سے بھی آگے ہے شوق کو سکون تو وصال تام کے بعد ہوگا جو جنت میں حاصل ہوگا اور یہاں تو ہر منزل پر وصال ناقص ہے گو پہلی منزل کے اعتبار سے کامل ہے غرض شوق کو یا ارشاد شیوخ کو جرس سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ لشکر کے کوچ کے وقت پہلے گھنٹی بجا کرتی تھی اب بھی اسٹیشن پر بجا کرتی ہے اور آج کل لشکر کے کوچ کے وقت بگل بجایا جاتا ہے مگر بعا" جرس سے بہ نسبت بگل کے ایک گونہ الفت سی معلوم ہوتی ہے۔ شاید کوئی کہے کہ یہ مولویت کا غلبہ ہے سوالحمد للہ تم نے فضیلت کا خود اقرار کر لیا **والفضل ماشھدت بہ الاعداء** (بزرگی وہی ہے جس کی دشمن بھی گواہی دیں) ہم تو اس پر خدا کا شکر کرتے ہیں کہ ہم کو

پرانی چیزوں سے الفت ہے جن سے سلف کو الفت تھی اور نئی چیزوں سے وحشت ہے چنانچہ چراغ کی روشنی سے مجھے زیادہ فرحت ہوتی ہے۔ خصوصاً" شمع کی روشنی تو بہت ہی دلفریب ہے اور برقی روشنی سے تو نگاہ کو خیرگی دل کو تیرگی ہوتی ہے یہ محض قافیہ نہیں بلکہ واقعہ ہے غرض عارف نے اس جگہ سلوک کو بالکل سفر کی شکل میں بیان فرمایا ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں۔

کس ندانست کہ منزل گہ آں یار کجاست
ایں قدرہست کہ بانگ جرسے می آید

(کسی شخص نے نہ جانا کہ محبوب کا ٹھکانہ کہاں ہے بس اتنا ہی ہے کوچ کے گھنٹہ کی آواز ہوتی ہے)

یہاں بھی اس کو سفر کی صورت میں بیان فرماتے ہیں منزل گہ سفر ہی کے مناسب ہے اور جرس کا سفر کے مناسب ہونا پہلے معلوم ہو چکا۔ بعض لوگوں نے جرس سے بنا بر غلو شغل انحد کی صورت مراد لی ہے جو کبھی بشکل جرس مسموع ہوتی ہے اور اس کو ملکوتی آواز سمجھتے ہیں مگر یہ غلط ہے کیونکہ شغل انحد کی آواز کوئی غیبی آواز نہیں بلکہ محض ہوا متموج فی الصماخ کی صورت ہے کان کے پردہ میں جو ہوا ہے جب کان بند کر لئے جاتے ہیں تو اس میں تموج پیدا ہو کر قسم قسم کی آوازیں پیدا ہو جاتی ہیں اور یہ شغل سلف میں نہ تھا بلکہ صوفیہ نے ہندوستان کے اہل ریاضت سے اس کو لیا ہے۔ اس شغل کو یکسوئی پیدا کرنے میں بہت اچھا دخل ہے اور طریق میں یکسوئی کی حاجت ہوتی ہے اس لئے متاخرین نے یہ شغل اختیار کر لیا ہے اس لئے حافظ کے کلام میں جرس سے یہ صوت مراد ہرگز نہیں اس وقت یہ معروف نہ تھا بلکہ مراد وہی شوق قلب ہے یا ارشاد و شیوخ مطلب یہ ہے کہ کسی کو محبوب کا اصلی مقام معلوم نہیں بس اتنی بات ہے کہ شوق یوں کہتا رہتا ہے کہ اور آگے چلو اور آگے چلو یا شیوخ ہر مقام پر یوں فرماتے ہیں کہ محبوب آگے ہے بڑھے چلو۔ اس میں بھی سفر کے معنی ظاہر ہیں اور مولانا فرماتے ہیں۔

گرچہ رخنہ نیست عالم را پدید
خیرہ یوسف وار می باید دوید

کہ گو عالم میں کوئی رخنہ نہیں معلوم ہوتا جس سے منزل محبوب کا پتہ لگے بلکہ راستے سب بند نظر آتے ہیں مگر تم کو یوسف علیہ السلام کی طرح دوڑنے کی کوشش کرنا چاہئے تم دوڑنا شروع کرو راستہ خود بخود نکلتا چلا آئے گا اس کی نظیر ایسی ہے جیسے کسی سڑک پر دو طرفہ درخت کثرت سے ہوں تو دور سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آگے راستہ بند ہے دونوں طرف کے درخت ملے ہوئے نظر آتے ہیں ناواقف یوں کہتا ہے کہ آگے راستہ نہیں مگر محقق کہتا ہے کہ تم چلے چلو راستہ ہے۔ یہ درخت دور ہی سے ملے جلے نظر آتے ہیں تم اگے چلو راستہ خود بخود نکلتا آئے گا۔ اب اگر یہ ناواقف مقلد ہے تو یوں کہے گا۔

دریں دریائے بے پایاں دریں طوفان موج افزاء
دل افگندیم بسم اللہ مجریہا و مرسہا

(اس دریائے ناپیدہ کنار اور طلاطم اٹھانے والے طوفان میں کشتی دل ہم نے ڈال دی ہے اب اللہ ہی کے نام پر ہے اس کا چلنا اور ٹھہرنا)

اور اگر غیر مقلد ہے تو اپنی نظر قاصر پر اعتماد کر کے رک جائے گا اور مقصود سے رہ جائے گا مگر یہ اس کی حماقت ہے وہ محقق کے قول پر کیوں نہیں چلتا جو یوں کہتا ہے۔

گرچہ رخنہ نیست عالم راپدید
خیرہ یوسف وار می باید دوید

(اگرچہ عالم میں رخنہ نظر نہیں آتا۔ لیکن یوسف کی طرح دوڑنے کی کوشش ضرور کرنی چاہئے)

اگر وہ یہ کہے صاحب مجھے تو آگے درخت ملے ہوئے نظر آرہے ہیں اگر دوڑوں گا تو اندیشہ ہے کہ درختوں سے ٹکرا کر سر پھوٹ جائے گا تو میں کہتا ہوں

پھر کیا مضائقہ ہے۔ محبوب کے راستہ میں ایک سر کیا ہزار سر بھی پھوٹ جائیں تو تھوڑے ہیں اور اگر جان بھی جاتی رہے تو عین سعادت ہے۔ ایک طالب سے شیخ نے اس کی ناکامی کی شکایت پر تنگ ہو کر فرمایا تھا کہ پھر میں کیا کروں جا اپنا سر پھوڑ لے اس نے سچ مچ اپنا سر پھوڑ لیا۔ عاشق کی یہی شان ہوتی ہے مگر حق تعالی عاشق نواز ہیں فوراً شیخ پر بذریعہ الہام کے عتاب فرمایا کہ کیا حرکت ہے تم ہمارے طالبوں کے سر پھوڑواتے ہو۔ پس اب تو سر پھوٹنے کا بھی خوف نہ کرو جب وہ دوسروں سے بھی سر پھڑوانا گوارا نہیں کرتے تو خود تمہارا سر کیوں پھوڑیں گے تم دوڑنا تو شروع کرو ان شاء اللہ راستہ کھلتا چلا جائے گا۔ بہر حال مولانا نے بھی اسی شعر میں سلوک کو سفر ہی بتلایا ہے۔

مقامات و منازل سلوک

عارف شیرازی ایک اور مقام پر فرماتے ہیں۔

تو دستگیر شوائے خضر بے خجستہ کہ من
پیادہ می روم و ہمرہاں سوار انند

(اے خضر راہ تو ہی میرا ہاتھ پکڑ کہ میں پیدل ہوں میرے ہمراہی سوار ہیں)

مرشد سے کہتے ہیں کہ آپ دستگیری کیجئے کیونکہ میں تو مقامات و منازل کو پیادہ طے کر رہا ہوں اور ہمراہی سوار ہو کر طے کر رہے ہیں اندیشہ ہے کہ میں پیچھے نہ رہ جاؤں۔ اس میں بھی بالکل سفر ہی کا نقشہ بیان فرمایا ہے سوار اور پیادہ سفر ہی کے لوازم سے ہیں تو صوفیہ کے کلام سے بالکل صاف ظاہر ہے کہ انسان ہر وقت سفر میں ہے کسی وقت اس کو توقف نہیں روزانہ کسی مقام کو طے کرنے میں مشغول ہے مگر مقامات سے مراد اعمال باطنیہ ہیں یعنی خوف و رجا محبت و انس توکل و رضا شکر و صبر تواضع وغیرہ۔ اور لاہوت و ملکوت و ناسوت یہ مقامات سلوک نہیں ہیں اور بعضوں نے ایک اور قافیہ نکالا ہے ہاہوت نہ معلوم یہ لغت بھی ہے یا نہیں بہت ان کو مقامات سلوک سمجھتے ہیں یہ غلط ہے بلکہ مراتب موجود ہیں ان کو اختیار

سے کون طے کرتا ہے کوئی نہیں ہاہوت درجہ ذات حق ہے اگر یہ لغت صحیح ہو۔ اور لاہوت اجمال صفات ہے۔ اور جبروت مرتبہ تفصیل صفات ہے اور ملکوت عالم ملائکہ ہے اور ناسوت عالم انسان ہے تو ہاہوت۔ ولاہوت۔ وجبروت کا طے کرنا تو انسان سے محال ہے ذات وصفات حق کے مراتب کو کون طے کر سکتا ہے کہ امکان کا انقلاب وجوب کی طرف لازم آتا ہے اور ناسوت کے طے کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ اس میں تو آپ موجود ہی ہیں اور ملکوت میں پہنچنا ممکن تو ہے مگر اختیاری نہیں بعد موت کے خود بخود ہر شخص وہاں پہنچ جائے گا حتی کہ کافر بھی پہنچ جائے گا جہاں اس کی مارکوٹ ہوگی وہ تو ملکوت سے پناہ مانگے گا۔ تو یہ مقامات سلوک نہیں ہیں بلکہ مقامات سلوک وہی اعمال باطنیہ ہیں جن کی تحصیل کا شریعت نے امر کیا ہے اور ہر مسلمان خصوصاً" سالک ہمیشہ ان کے طے کرنے میں مشغول ہے کسی وقت توقف نہیں ہوتا یہ دنیا کا سفر نہیں کہ ایک حد پر ختم ہو جائے بلکہ اس سفر کی کہیں انتہا نہیں۔ ہر دن جو عمل آپ کرتے ہیں اس سے نیا راستہ طے ہوتا ہے آج جو آپ نے نماز پڑھی ہے اس سے بھی کچھ راستہ طے ہوا ہے اور اس کے بعد جو نماز پڑھو گے اس سے بھی راستہ طے ہوگا اور جتنی دفعہ ذکر اللہ کرتے ہو ہر دفعہ میں کچھ راستہ طے ہوتا رہتا ہے۔ اسی طرح روزانہ ہر ساعت میں آپ اس راستہ کو قطع کر رہے ہیں۔ ہاں ان مقامات میں بعض دفعہ کچھ توقف بھی ہوتا ہے جیسا کہ میں نے اوپر کہا تھا اب میں اس کی حقیقت بتلاتا ہوں سو سمجھ لیجئے کہ اس طریق میں ایسا توقف تو کبھی نہیں ہوتا جیسا سفر دنیا میں اسٹیشن یا منزل پر سفر دنیا میں ہوتا ہے کہ تھوڑی دیر کے لئے سیر بالکل منقطع ہو جاتی ہے۔ یہاں ایسا نہیں ہے بلکہ یہاں ہر دم سیر ہی سیر ہے کبھی سیری نہیں ہوتی۔ البتہ بعض دفعہ اگلے مقامات کے اعتبار سے کسی مقام پر ظناً توقف معلوم ہوتا ہے کہ سالک اپنے کو متوقف سمجھنے لگتا ہے حالانکہ واقع میں وہ سائر ہے اور اس کی نظیر سفر دنیا میں امریکہ کا ایک واقعہ سنا گیا ہے ایک دوست نے بیان کیا ہے کہ امریکہ میں اسٹیشن پر ریل

ٹھہرتی نہیں کیونکہ اس توقف کو وہ لوگ اضاعت وقت سمجھتے ہیں کہ خواہ مخواہ ہر اسٹیشن پر ۱۵ منٹ یا آدھ گھنٹہ ضائع ہوتا ہے وہاں یہ صورت ہے کہ ہر اسٹیشن پر ایک لکڑی کا اسٹیشن متحرک بنا ہوا ہے اس میں پہئے بھی لگے ہوئے ہیں جب ریل کے آنے کا وقت ہوتا ہے سب لوگ اس لکڑی کے اسٹیشن پر آجاتے ہیں اور جس وقت ریل آتی ہے یہ لکڑی کا اسٹیشن کسی حلقہ کے ذریعہ سے ریل کے ساتھ مرتبط ہو جاتا اور اس کے ساتھ ساتھ اپنی جدا لائن پر چلتا رہتا ہے۔ جب مسافر سوار ہو جاتے ہیں اس وقت ریل کے حلقہ سے اس کا حلقہ الگ کر دیا جاتا ہے ریل آگے چلی جاتی ہے اور یہ اسٹیشن پیچھے رہ جاتا ہے پھر اسٹیشن کے ملازم اس کو بدستور اپنی جگہ پر لے آتے ہیں تو جس وقت ریل سامنے سے آتی ہے اور یہ لکڑی کا اسٹیشن اس کے ساتھ مرتبط ہوتا ہے ریل کے بیٹھنے والے اس وقت یہ سمجھتے ہیں کہ ریل ٹھہر گئی جیسا کہ یہاں جب دو ریلیں ایک رفتار سے ایک سمت کو ساتھ ساتھ چلتی ہیں تو ہر ایک کے مسافر یہ سمجھتے ہیں کہ گاڑی ٹھہری ہوئی ہے حالانکہ دونوں چل رہی ہیں مگر راکب کو اس وقت توقف کا وہم ہوتا ہے۔

غلطی کا منشاء

اسی طرح طریق باطن میں سالک کو کبھی توقف کا وہم ہوتا ہے مگر وہ توقف نہیں ہوتا واقع میں یہ چل رہا ہے لیکن اس کو اپنی سیر کا احساس نہیں ہے اور غلطی کا منشاء یہ ہوتا ہے کہ ترقی کے کچھ آثار غیر لازمہ ہیں سالک ناواقفی سے ان کو آثار لازمہ سمجھ کر ان کے انتفاء سے ترقی کے انتفاء پر استدلال کرتا ہے پس حقیقی توقف اس سفر میں کبھی نہیں ہوتا اور کسی کو نہیں ہوتا سب برابر مشغول سیر ہیں البتہ اتنا فرق ہے کہ۔

سیر زاہد ہر مہے یکسالہ راہ
سیر عارف ہر دمے تاتخت شاہ

زاہد ایک مہینہ میں ایک سال کی راہ طے کرتا ہے اور عارف ذرا سی دیر

میں تخت شاہ تک پہنچ جاتا ہے اور تخت شاہ پر پہنچ کر بھی سیر ختم نہیں ہوتی اور حصول نسبت جس کو اصطلاح میں تکمیل کہتے ہیں اس کو تکمیل کہنا ایسا ہے جیسے طلبہ کی دستار بندی کو تکمیل کہتے ہیں کیا دستار بندی کے بعد سیر علمی ختم ہو جاتی ہے ہرگز نہیں بلکہ اب تو پہلے سے زیادہ سیر شروع ہوتی ہے یوں کہنا چاہئے کہ راستہ تو ابھی کھلا ہے اور صحیح سیر تو اب ہوگی۔ اے نو آموز طالب علمو! یہ مت سمجھنا کہ دستار بندی اور سند ملنے کے بعد بس کام ختم ہوگیا بلکہ اصلی کام کا وقت تو اس کے بعد آئے گا۔

آپ کمسن ہیں ابھی آپ نے دیکھا کیا ہے

مگر جتنی محنت اس وقت کرلو گے اتنی ہی سرعت سیر بعد تکمیل کے نصیب ہوگی۔ پس سمجھ کر کتابیں پڑھو اور ان کو انسان بن کر اپنے اوپر لادو کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا (مثل گدھے کے کہ لادتا ہے کتابوں کو) کا مصداق نہ بنو۔ اسی طرح تخت شاہ پر سالک کا پہنچنا اصطلاحی تکمیل ہے حقیقی تکمیل نہیں بلکہ اب تو اصلی سلوک شروع ہوتا ہے اور سیر کا راستہ اسی وقت کھلتا ہے یہاں حقیقی تکمیل کہاں کیونکہ اس راستہ کی انتہا ہی نہیں جو کسی حد پر حقیقی تکمیل ہو جائے۔

نگردد قطع ہرگز جادہ عشق از دویدنہا

کہ میبالد بخود ایں راہ چوں تاک از بریدنہا

(محض دوڑنے سے طریق عشق ہرگز طے نہیں ہوتا اس لئے کہ مثل انگور کے کاٹنے سے خود بخود بڑھتا ہے)

اور مولانا فرماتے ہیں۔

اے برادر بے نہایت درگہیست

ہرچہ بروے می رسی بروے مایست

(بھائی! محبوب کی درگاہ کی انتہا نہیں ہے۔ جس مقام پر پہنچو مت ٹھہرو آگے چلو)

عارف کو فنائے تام حاصل ہو جاتا ہے

اور یہاں سے ایک شبہ حل ہو گیا وہ یہ کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ نے اپنے مکتوبات میں جا بجا قسم کھا کر یہ فرمایا ہے کہ واللہ میں کچھ نہیں ہوں واللہ مجھے کچھ نہیں آتا محض احباب کا حسن ظن ہے جو میرے ساتھ ہے۔ اس کلام سے ایک مطلب تو معاندین نے نکالا وہ کہنے لگے کہ وہ واقعی ہم بھی مولانا کو ایسا ہی سمجھتے ہیں جب وہ خود قسم کھا کر اپنی ناقابلیت کا اظہار کرتے ہیں تو ہم ان کی قسم کو سچا کیسے نہ مانیں وہ جھوٹی قسم تھوڑا ہی کھا سکتے ہیں واہ رے کوڑ مغز بلکہ کوڑ مغز کا بچہ اور یہ بچہ کہنا ایسا ہے جیسے محاورہ میں کہا کرتے ہیں سور کا بچہ سور نہیں کہتے بلکہ سور کا بچہ کہتے ہیں یہ اس سے ابلغ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تیرا سور ہونا ایسا کامل صفت ہے کہ نسلاً" بعد نسل چلی آ رہی ہے۔ اس سے باپ کو گالی دینا مقصود نہیں ہوتا بلکہ مخاطب کی صفت اس کا کمال بیان کرنا چاہتے ہیں کہ تو پورا سور ہے ایسے ہی میں نے کوڑ مغز کا بچہ کہنے سے کمال وصف کا قصد کیا ہے۔

چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زوند

(جب حقیقت کا پتہ نہ چلا بے تکی ہانکنے لگا) اور حقیقی مطلب نے بعض خواص کو بھی چکر میں ڈال دیا۔ کہ وہ بھی اصل مراد تک نہ پہنچے۔ چنانچہ ایک شیخ بھی مولانا کے اس کلام کی وجہ سے تردد و خلجان میں مبتلا تھے مجھ سے کہنے لگے کہ حضرت نے یہ بات قسم کھا کر کیسے فرمائی۔ حالانکہ ہمارے نزدیک تو حضرت میں ہزار ہا کمالات اعلیٰ درجہ کے تھے۔ اب ہم اپنے اعتقاد کی تغلیط کریں تو مشاہدہ کی تغلیط ہے اور اس کی تصدیق کریں تو حضرت کی قسم جھوٹی ہوئی جاتی ہے۔ میں نے کہا کہ نہ آپ اپنے مشاہدہ اور علم کی تکذیب کیجئے اور نہ حضرت کی قسم پر شبہ کیجئے بات یہ ہے کہ جن کمالات کی بناء پر آپ حضرت کے معتقد ہیں حضرت کی نظر ان کمالات پر نہیں ہے بلکہ ان سے آگے ہے وہ کمالات مستقبلہ متوقعہ کے اعتبار سے قسم کھا کر فرما رہے ہیں کہ میں کچھ نہیں ہوں اور جن کمالات کو مولانا میں ہم اور آپ

دیکھ رہے ہیں یعنی کمالات واقعہ مولانا ان کی نفی نہیں فرما رہے (اور نہ ان کا اثبات فرماتے ہیں بلکہ ان پر حضرت کی نظر ہے ہی نہیں کیونکہ عارف کی نظر اپنے کمالات پر نہیں ہوا کرتی اور اگر کبھی ہوتی بھی ہے تو محض ان کو عطائے حق سمجھ کر ہوتی ہے اس وقت بھی مولانا کی قسم کچی ہے۔ کہ واللہ میں کچھ نہیں ہوں کسی قابل نہیں ہوں یعنی جو کچھ میرے پاس ہو سب عطاء و فضل حق ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جب عارف کو فناء تام حاصل ہو جاتا ہے اس وقت اپنے کمالات پر تو نظر کیا ہوتی اپنے وجود پر بھی نظر نہیں رہتی بلکہ وہ تو یوں کہتا ہے **وجودک ذنب لا یقاس به ذنب** (تیرا وجود ہی گناہ ہے اس پر کسی گناہ کو قیاس نہ کیا جائے گا) اب جو شخص اپنے وجود کو بھی ذنب سمجھے وہ کمالات کو اپنے لئے کیونکر ثابت کرے گا وہ تو بجز محبوب کے سب کی نفی کرے گا اپنی بھی اور اپنے کمالات کی بھی اور اس کا قسم کھا کر یہ کہنا کہ میں کسی قابل نہیں کچھ نہیں ایسا ہو گا جیسے ذرہ آفتاب کو دیکھ کر یہ کہے کہ واللہ میں کچھ نہیں یا **قُلْ هُوَ اللّٰهُ** کا حافظ سبعہ قرآن کے حافظ کے سامنے یہ کہے کہ واللہ میں حافظ نہیں ہوں پس حضرت کا قسم کھا کر یہ کہنا غلط نہیں کیونکہ ان پر جس درجہ انکشاف وجود حق و کمالات حق ہے اس درجہ میں ہر شخص یونہی قسم کھا کر اپنے کمالات کی نفی کرنے پر مجبور ہوتا ہے (مگر جاننے والا جانتا ہے کہ یہی خود بہت بڑا کمال ہے کہ وہ اس مقام پر پہنچ گئے واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ جامع)

تحدث بالنعمت

یہ تو ایک عارف کا کلام تھا جس کی میں نے یہ شرح کی اور الحمد للہ مجھے سب اہل اللہ کے کلام کا فہم عطا ہوا ہے میں مجذوبوں کے کلام کو سمجھ لیتا ہوں چنانچہ ایک مجذوب وحشی کہتا ہے۔

بیزارم ازیں کہنہ خدائے کہ تو داری
هر روز مرا تازہ خدائے دگرے ہست

(اس کہنہ خدا سے جو تو کہتا ہے میں بیزار ہوں ہر روز میرا تازہ خدا اور

ہے) کچھ ان کو بھی گالیاں کھانے ہی کا شوق ہے۔ ظاہر میں یہ کلام سخت وحشت ناک ہے مگر مطلب سننے کے بعد وحشت نہ رہے گی بات یہ ہے حق تعالیٰ کی کنہ کا علم تو محال ہے اسی لئے تصور بالکنہ کسی کو نہیں ہو سکتا جس کو بھی ہوتا ہے تصور بالوجہ ہوتا ہے اور تصور بالوجہ سے چارہ نہیں کیونکہ غائب کے ساتھ ارتباط قلب بدون کسی واسطہ اور وجہ کے نہیں ہو سکتا مگر جتنے وجوہ سے بھی تصور ہوتا ہے وہ وجہ ذات حق نہیں اللہ تعالیٰ اس سے منزہ اور وراء الوراء ہیں اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

اے بروں از وہم وقال و قیل من
خاک بر فرق من و تمثیل من

(اے اللہ آپ میرے وہم و خیال اور قیل و قال سے پاک ہیں میرے سر و تمثیل پر خاک پڑے) اس میں تو اللہ تعالیٰ کا تمام تمثیلات سے منزہ ہونا بیان کیا ہے اس کے بعد تمثیلات بیان کرنے کا عذر ظاہر کرتے ہیں۔

بندہ نشکیبد ز تصویر خوشت
ہر دمت گوید کہ جانم مفرشت

کہ عاشق کو بدون کسی تصور کے چین نہیں آتا اس لئے وہ آپ کے واسطے اچھی سے اچھی تمثیل بیان کر کے اپنی تسلی کرتا ہے اور اس میں بعض دفعہ وہ حد سے بھی بہت آگے نکل جاتا ہے چنانچہ۔

گہ ترا گوید ز مستی بوالحسن
یا صغیر السن یا رطب البدن

(کبھی تجھ کو مستی سے بوالحسن یا کمسن یا رطب البدن سے تشبیہ دیتا ہے) مستی کی قید بڑھا کر بتلا دیا کہ ایسی مثال بیان کرنا اور حق تعالیٰ کو صغیر السن وغیرہ کہنا جو بعض مجذوبوں کے کلام میں ہے محض مستی کا اثر ہے ورنہ واقع میں محبوب اس سے منزہ ہے اور بعض صوفیہ کے کلام میں دریا اور ہوا کی تشبیہ وارد ہے وہ بھی

محض تسلی اور تفہیم کے لئے ہے ورنہ ذات حق اس سے بھی منزہ ہے بہرحال یہ تو معلوم ہوگیا کہ جس کو بھی تصور حق ہوتا ہے بالکنہ نہیں ہوتا بلکہ وجہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ لیکن عارفین اور غیر عارفین میں اتنا فرق ہے کہ غیر عارفین کو تو عمر بھر ایک ہی وجہ سے تصور ہوتا ہے اور عارفین کو ہر دن نئے طریقہ سے نئی وجہ سے تصور ہوتا ہے کیونکہ ان پر تجلیات کا ورود ہے ہر دن نئی تجلی ہوتی ہے۔ بس اس شعر میں اس مضمون کو ظاہر کیا گیا ہے کہ اے زاہد تجھ کو جس وجہ سے تصور حق ہوتا ہے وہ وجہ کہنہ ہے میں اس سے بیزار ہوں مجھ کو تو حق تعالیٰ کا تصور ہر دن نئی وجہ سے ہوتا ہے یعنی میں روزانہ ترقی میں ہوں اور تو ایک ہی وجہ پر ٹھہرا ہوا ہے مگر کلام میں توحش اس لئے ہوگیا کہ اس نے وجہ تصور کو خدا سے تعبیر کیا ہے زاہد کی وجہ کو کہنہ خدا کہہ دیا اور اپنی وجوہ متجددہ کو تازہ خدا کہہ دیا مگر مطلب معلوم ہو جانے کے بعد کچھ اشکال نہیں کیونکہ مجاز کا استعمال منکر نہیں۔ یہ گفتگو درمیان میں آگئی میں یہ کہہ رہا تھا کہ اس راستہ کی انتہا چونکہ نہیں ہے اس لئے کسی حد پر تکمیل حقیقی نہیں ہو سکتی اور جس کو تکمیل کہا جاتا ہے اس سے تو سیر کا فتح باب ہوتا ہے کہ اب تک تو قاعدہ بغدادی پڑھ رہے تھے اس تکمیل کے بعد قائمہ بغدادی شروع ہوتا ہے یعنی پہلے تو بیٹھ بیٹھ کر چل رہے تھے اب کھڑے کھڑے چلنا ہوگا تکمیل درسی تو دو چار سال میں ہو جائے گی مگر تکمیل حقیقی تو درسی ہوگی جس کے معنی ہیں تیس سال میں اور یہ بھی حصر کے لئے نہیں بلکہ کثرت مراد ہے یعنی عمر دراز میں بھی نہ ہوگی۔ غرض نصوص سے اور اقوال صوفیہ سے ہمارا ہر وقت سفر میں ہونا وضاحت کے ساتھ ثابت ہے اس وقت ایک اور آیت یاد آئی ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ کہ میں اپنے رب کی طرف چل رہا ہوں اس میں بھی سفر کے معنی ثابت ہیں اور حدیث نے تو مطلع بالکل صاف کر دیا کُنْ فِی الدُّنْیَا كَاَنَّكَ غَرِیْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِیْلٍ کہ دنیا میں ایسے رہو جیسے مسافر سرائے میں ہوتا ہے یا راستہ چلنے والا راستہ میں ہوتا ہے۔ اب تو ہمارا ہر دم سفر میں ہونا بالکل

واضح ہوگیا کوئی بات مخفی ہی نہ رہی۔ اب حق تعالیٰ کی رحمت دیکھئے کہ یہ راستہ ہے تو سفر کا اور طویل راستہ ہے مگر حق تعالیٰ اس میں بندہ کی کیسی اعانت فرماتے اور اس کے حال پر کیسی عنایت فرماتے ہیں۔

جذب کی حقیقت

صوفیہ نے لکھا ہے کہ سلوک ایک خاص مقام تک ہوتا ہے اس کے بعد جذب ہوتا ہے (جذب کی حقیقت میں آگے بتلاؤں گا) اس کے بغیر کام نہیں چلتا۔ جو لوگ گمراہ ہوئے ہیں وہ وہی تھے جو سالک محض تھے مجذوب نہ تھے جیسے ابلیس و بلعم باعور وغیرہ جذب کے بعد کوئی گمراہ نہیں ہوتا۔ الفانی لا یرد کے یہی معنی ہیں۔ اب جذب کی حقیقت سنئے۔ جذب کے معنی ہیں لغت میں کشش کرنا کھینچنا۔ اور اصطلاح میں جذب یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو اس سے محبت ہو جائے جس کی علامت یہ ہے کہ سالک پر داعیہ اضطراریہ غالب ہو جائے اور اس سے کوئی واصل خالی نہیں ہوتا خواہ نقشبندی ہو یا چشتی۔ البتہ اکثر نقشبندیہ پر جذب کے آثار بادی النظر میں کم ظاہر ہوتے ہیں مگر اس دولت سے وہ بھی مشرف ہوتے ہیں اسی کو عارف جامی فرماتے ہیں۔

نقشبندیہ عجب قافلہ سالارانند
کہ برند از رہ پنہاں بحرم قافلہ را

(نقشبندیہ عجیب سالار قافلہ ہیں کہ مخفی راہ سے سالکین کو خدا رسیدہ بنا دیتے ہیں) اور حضرت شیفتہ ذکر خفی کی نسبت فرماتے ہیں۔

چہ خوش ست باتو بزمے بنہفتہ ساز کردن
در خانہ بند کردن سر شیشہ باز کردن

یعنی وہ اس طرح سالک کو لیجاتے ہیں کہ دوسروں کو خبر بھی نہیں ہوتی مگر جذب سے وہ بھی خالی نہیں ہوتے۔ مگر یہ مت سمجھنا کہ راہ مخفی سے لیجانا نقشبندیہ ہی کے ساتھ مختص ہے بلکہ چشتیہ بھی بعضوں کو اسی طرح پہنچاتے ہیں۔

چشتیہ اور نقشبندیہ کا فرق

یہ چشتیت اور نقشبندیت محض الوان طریق کا نام ہے کہ چشتیہ کا لون یہ ہے کہ وہ اول تخلیہ کرتے ہیں پھر تجلیہ اور نقشبندیہ کا لون یہ ہے کہ وہ اول تحلیہ کرتے ہیں پھر تجلیہ اور یہ بھی متقدمین کا مذاق تھا اب تو دونوں طریق کے محققین کا فیصلہ یہ ہے کہ تخلیہ اور تجلیہ ساتھ ساتھ کرنا چاہئے۔ اب ہر محقق چشتی بھی ہے اور نقشبندی بھی لیکن یہ فرق ضرور ہے کہ باوجود دونوں کو جمع کرنے کے چشتیہ تخلیہ کا زیادہ اہتمام کرتے ہیں اور نقشبندیہ تحلیہ کا اور اس فرق مذاق کی وجہ سے پہلے یہ قاعدہ تھا کہ جس طالب کو جس لون سے مناسبت ہوتی تھی مشائخ اس کو ایک دوسرے کے پاس بھیج دیا کرتے تھے نقشبندیہ اپنے بعض مریدوں کو چشتیہ کے یہاں بھیج دیتے اور چشتیہ بعض طالبوں کو نقشبندیہ کے یہاں بھیج دیتے لیکن آج کل تو بڑبونگ ہو رہا ہے کہ اکثر مشائخ سب کو ایک ہی کی طرف کھینچنا چاہتے ہیں باقی جو محقق ہیں وہ اب بھی طالب کو اس کی مناسبت کے موافق مشورہ دیتے ہیں مولوی محمد منیر صاحب نانوتوی نے ہمارے حضرت حاجی صاحب سے پوچھا کہ حضرت میرے لئے خاندان چشتیہ میں بیعت ہونا مناسب ہے یا نقشبندیہ میں حضرت نے فرمایا کہ پہلے تم ہمارے ایک سوال کا جواب دیدو پھر بتلائیں گے۔ ایک شخص ایسی زمین میں جس کے اندر جھاڑ جھنکاڑ کثرت سے ہیں تخم پاشی کرنا چاہتا ہے تو بتلاؤ تمہاری رائے میں اس کو پہلے جھاڑ جھنکاڑ صاف کر کے بعد میں تخم پاشی کرنا چاہیے یا اول تخم پاشی کر دے پھر رفتہ رفتہ جھاڑوں کو بھی صاف کرتا رہے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ میرے نزدیک تو اسے اول تخم پاشی کر دینا چاہیے تاکہ کچھ تو ثمرہ حاصل ہو جائے ایسا نہ ہو کہ جھاڑوں کے صاف کرنے ہی میں عمر ختم ہو جائے حضرت نے فرمایا کہ بس تم نقشبندیہ سلسلہ میں بیعت ہو جاؤ تم کو انہی کے مذاق سے مناسبت ہے۔ سبحان اللہ حضرت نے دقیق مذاق کو کتنی سہل مثال سے حل فرمایا پھر طالب کے مذاق کی کیسی رعایت فرمائی کہ صاف کہہ دیا کہ تم نقشبندیہ سے بیعت ہو جاؤ یہ

نہیں کہ سب کو اپنے ہی یہاں بھرتی کرنے کی فکر کریں جیسا آج کل اکثر ہو رہا ہے۔ غرض چشتیت اور نقشبندیت کی حقیقت یہ ہے کہ تخلیہ اور تحلیہ کے بارہ میں ان کا مذاق مختلف ہے یہ فرق نہیں جیسا کہ آج کل بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ چشتیہ کے یہاں ذکر جہر ہے اور نقشبندیہ کے یہاں ذکر خفی۔ یہ تو ہر شیخ طالب کی طبیعت کے مناسب تجویز کرتا ہے خواہ چشتی ہو یا نقشبندی ہو۔ بہرحال جذب سے نقشبندیہ بھی خالی نہیں ہیں اور چشتیہ کا جذب تو مشہور ہے۔ حاصل یہ کہ بدون جذب کے وصول نہیں ہو سکتا اور بدون وصول کے رجعت سے اطمینان نہیں ہو سکتا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ مجذوب خود بھی مطمئن ہو جائے نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ واقع میں اس پر رجعت کا خطرہ نہیں رہتا مگر خود کوئی مطمئن نہیں نہ سالک نہ مجذوب بلکہ ہر شخص لرزاں و ترساں ہے۔ مجذوب اس واسطے مطمئن نہیں ہو سکتا کہ جذب کا اس کو یقین نہیں ہو سکتا کیونکہ بعض دفعہ سلوک بصورت جذب نہیں ہوتا ہے جیسا کہ بعض جذب بصورت سلوک ہوتا ہے۔ نقشبندیہ کا جذب اکثر بصورت سلوک ہی ہوتا ہے اسی واسطے ناواقف اس کے جذب کو نہیں پہچانتا اور ان کو اس سے خالی سمجھتا ہے کیونکہ ان پر اس کے آثار ظاہر نہیں ہوتے لیکن وطن ان کا معمولی ہے فرماتے ہیں۔

تو اے افسردہ دل زاہد یکے دربزم رنداں شو
کہ بینی خندہ برلب ہاؤ آتش پارہ دردل ہا

(اے افسردہ دل زاہد ایک دن رندوں کی مجلس میں جا کر دیکھ۔ کہ دل میں آگ لگی ہوتی ہے اور لب پر ہنسی چھا رہی ہے) اور چشتیہ کا سلوک اکثر بصورت جذب ہوتا ہے جس سے ناواقف ان کو ابتدا ہی سے مجذوب سمجھنے لگتا ہے یہ بھی غلطی ہے تو معلوم ہوا کہ حقیقی جذب کی پہچان دشوار ہے ظاہری علامات اس کے ادراک کے لئے کافی نہیں ہیں۔ جذب کبھی شورش کے ساتھ ہوتا ہے اور کبھی سکون کے ساتھ لطیف ہوتا ہے مولانا فرماتے ہیں۔

عشق معشوقان نہان ست وتیز
عشق عاشق بادو صد طبل و نفیر

(محبوبوں کا عشق پوشیدہ ہے عاشق کا عشق علانیہ ہوتا ہے)

لیک عشق عاشقاں تن زہ کند
عشق معشوقاں خوش و فربہ کند

لیکن عاشقوں کا عشق ان کو دبلا و لاغر کرتا ہے۔ معشوقوں کا عشق ان کو موٹا تازہ کرتا ہے۔

عشق کی شان

جو شان عشق محبوب کی ہوتی ہے کہ اس میں شورش و اضطراب نہیں ہوتا کبھی عاشق کا عشق بھی ایسی شان کا ہوتا ہے اور کمال کے بعد تو عشاق کے عشق کی اکثر یہی کیفیت ہو جاتی ہے اسی لئے کاملین کی محبت و عشق کا لوگوں کو پتہ نہیں چلتا بعض لوگ اس کے سکون کو دیکھ کر کہتے ہیں ان کو محبت کی ہوا بھی نہیں لگی حالانکہ ان کو تو ایسی ہوا لگی ہے کہ کرہ ہوا سے پار ہو کر کرہ نار میں پہنچ کر اس سے بھی آگے نکل گئے۔ اب وہ ہنس رہے ہیں اور معترض سے کہتے ہیں

اے ترا خارے بپا نشکستہ کے دانی کہ چیست
حال شیرانے کہ شمشیر بلا برسر خورند

(تمہارے پاؤں میں کانٹا بھی نہیں لگا ہے تم ان لوگوں کا حال کیا سمجھ سکتے ہو جن کے سروں پر بلا و مصیبت کی تلوار چل رہی ہے) لوگ ان کو ہنستا ہوا دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ ان کو محبت و عشق کا چرکہ نہیں لگا مگر ان کو یہ خبر نہیں کہ وہ کتنی بلائیں اور مصیبتیں جھیل کر آج اس قابل ہوئے ہیں کہ وصال محبوب سے مسرور ہو کر ہنسیں اور آج سے پہلے ان کی بھی یہ حالت تھی کہ یوں کہہ رہے تھے۔

شب تاریک و بیم موج وگردابے چنیں ہائل

کجا دانند حال سبکساران ساحلہا

(حیرت میں ہماری حالت ایسی ہے جیسے اندھیری رات ہو اور موج کا خوف ہو اور بھنور میں کشتی آگئی ہو تو ہمارے اس حال کی ان لوگوں کو کب خبر ہو سکتی ہے جو ہلکے پھلکے کنارے پر کھڑے ہیں اور دریا میں قدم نہ رکھا ہو۔)

میں اس شرح میں کہا کرتا ہوں کہ حافظ کی مراد ساحلہا سے ادھر کا ساحل ہے یعنی خوض دریا سے قبل کا ادھر کا ساحل نہیں یعنی عبور دریا کے بعد کا۔ کیونکہ مبتلائے موج دریا کے حال سے بے خبر وہی لوگ ہیں جو ادھر کے ساحل پر کھڑے ہیں جنہوں نے دریا میں قدم بھی نہیں ڈالا اور جو لوگ ادھر کے ساحل پر کھڑے ہیں گو ظاہر میں وہ بھی دوسرے ساحل والوں کی طرح چین میں ہیں اور ہنس رہے ہیں مگر وہ مبتلائے موج کے حال سے بے خبر نہیں ہیں وہ اس خطرہ سے بھی واقف ہیں جس میں یہ مبتلا گرفتار ہے اور اس کے علاوہ دوسرے خطرات سے بھی واقف ہیں کیونکہ وہ تمام دریا کو طے کر چکے ہیں اور اس کے تمام ورطات سے خبردار ہو چکے ہیں وہ تو ایسے باخبر ہیں کہ خود بھی ان سے پار ہو کر نکل گئے اور دوسروں کو بھی نکال سکتے ہیں بلکہ نکال لیتے ہیں اسی لئے ضرورت اس کی ہے کہ شیخ ساحل رسیدہ اور گرداب طے کردہ ہو یعنی صاحب تمکین ہو اور جو شیخ خود صاحب تلوین (مراد وہ تلوین ہے جو قبل از تمکین ہو اور تمکین کے بعد بھی تلوین پیش آتی ہے مگر وہ مشیخت میں قادح نہیں) ہو اس سے الگ ہو جانا چاہئے کیونکہ وہ تو ابھی اپنے ہی بچانے کی فکر میں ہے وہ دوسروں کو کیا بچائے گا تو خود ہی گرداب میں ہے دوسروں کو کیا خاک نکالے گا۔

صاحب تمکین اور صاحب تلوین

اسی حالت کو عارف شیرازی فرماتے ہیں۔

دوش از مسجد سوئے میخانہ آمد پیرما
چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیرما

(کل ہمارے پیر مرشد پر حالت سلوک سے حالت جذب طاری ہو گئی جس میں اصلاح نہیں ہو سکتی اس کے بعد ہم یاران طریقت کو کیا تدبیر کرنا چاہئے کہ حالت سلوک واپس آئے اور ہماری اصلاح ہو)

یعنی جس شیخ پر خود ہی سکر غالب ہو وہ طالبین کی کیا تدبیر کرے گا۔ پس راہبر گرگ باران دیدہ کو بنانا چاہئے جو سرد و گرم سب چکھے ہوئے ہو اور صاحب تمکین گرگ باران دیدہ کی علامت یہ ہے کہ اس کی دو ہی باتوں سے سالک کی تسلی ہو جاتی ہے اور صاحب تکوین تو بہت بناتا ہے مگر سالک کی ان سے تسلی نہیں ہوتی اسی علامت کو مولانا فرماتے ہیں۔

وعدہا باشد حقیقی دل پذیر
وعدہا باشد مجازی تاسہ گیر

(سچے وعدے دل کو لگتے ہیں مجازی یعنی ناراست وعدے طبیعت میں تردد پیدا کرتے ہیں) مولانا کی فارسی پہلے زمانہ کی فارسی ہے تاسہ کے معنی ہیں اضطراب مطلب یہ ہے کہ شیخ جو وعدہ کیا کرتا ہے کہ یہ حالت فلاں مقام کے حصول کی علامت ہے اور یہ کیفیت فلاں چیز کا اثر ہے اور اب یہ ہو گا تو یہ وعدے اگر صاحب تمکین کی زبان سے نکلیں گے تو سالک کی معاً تسلی و طمانینت ہو جائے گی اور صاحب تکوین کے وعدوں سے خاک اطمینان حاصل نہیں ہوتا بے اطمینانی رہتی ہے۔ حدیث میں بھی یہ مضمون ہے **الصدق طمانینة والکذب ریبة** (سچائی اطمینان بخش ہے اور جھوٹ تردد پیدا کرتا ہے) پس کاملین کو ان کی تمکینی حالت دیکھ کر عشق و محبت کی کیفیات سے خالی نہ سمجھو ان کا عشق پک گیا ہے اس لئے اب وہ اندر اندر اپنا کام کر رہا ہے اور صاحب تکوین کا عشق خام ہے اس لئے دنیا جہان کو سر پر اٹھا رکھا ہے۔

کاملین کی مثال

کاملین کی ایسی مثال ہے جیسے پکی ہوئی ہنڈیا کہ آگ نے اس کے رگ و

پے میں سرایت کر کے ہر چیز کو بھون دیا ہے اور چونکہ اندر تک آگ پہنچ چکی ہے اس لئے آواز نہیں آتی مگر وہ ٹھنڈی نہیں ہے ذرا ہاتھ لگاؤ گے تو بھون دے گی۔ پس کاملین ڈرتے تو اس لئے ہیں کہ بعض دفعہ پکنے کے بعد سکون ایسا کامل ہوتا ہے کہ خود ان کو بھی اپنی مستی کی خبر نہیں ہوتی اور وہ اپنے کو جذب سے خالی سمجھنے لگتے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ فی نفسہ وصول کے بعد اب ان پر ارتداد و رجعت کا اندیشہ نہیں رہا مولانا نے اس کی مثال یوں دی ہے کہ جیسے بالغ نابالغ نہیں ہو سکتا اور پکا ہوا پھل کچا نہیں ہو سکتا گو سڑ جائے گا بس جائے گا مگر کچا کبھی نہیں ہو گا۔ واقعی مثال کے تو مولانا بادشاہ ہیں اور ان کی کوئی تخصیص نہیں عموماً" صوفیہ میں معانی کی تحقیق بلکہ اس کے ساتھ فصاحت لفظی بھی بے نظیر ہوتی ہے ان کو الفاظ بھی خوب ملتے ہیں چنانچہ ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ بالغ کسے کہتے ہیں فرمایا کہ طبی بالغ تو وہ ہے جس سے منی نکلے اور حقیقی بالغ وہ ہے جو منی سے نکل جائے (یعنی خودی اور کبر سے پہلا منی لفظ عربی ہے اور دوسرا فارسی لفظ ہے) اسی طرح ایک بزرگ دوسرے بزرگ کو جو زیادہ خرچ کرتے تھے لکھا **لا خیر فی الاسراف** (اسراف میں خیر نہیں ہے) تو دوسرے بزرگ نے ان ہی لفظوں کو الٹ کر جواب دیا **لااسراف فی الخیر** کہ نیک کاموں میں خرچ کرنا اسراف نہیں ہے۔ ایسے ہی کسی مسلمان کے جنازہ کے ساتھ ایک بزرگ جا رہے تھے راستہ میں ہوا بہت تیز چلی جس سے میت کی تاریخ وفات نکلتی تھی بزرگ نے فرمایا یوں مت کہو بلکہ یوں کہو مات بخیر (مر گیا خاتمہ بالخیر) اس میں بھی وہی تاریخ نکلتی ہے جو مٹی خراب میں نکلتی تھی انہیں حرفوں کو لوٹ پوٹ کر کیسا عمدہ مادہ بنا دیا۔ غرض صوفیہ فرماتے ہیں کہ واصل راجع نہیں ہوتا اور اس کی مثال اوپر بیان ہو چکی اور اس کی بھی صوفیہ نے تصریح کی ہے کہ وصول بدون جذب کے نہیں ہوتا تو حق تعالیٰ کی یہ کتنی بڑی عنایت ہے اور اس طویل راستہ میں انہوں نے کیسی سہولت فرما دی ہے کہ سلوک کے بعد خود ہی جذب فرما لیتے ہیں اور یہ صوفیہ کی گھڑت نہیں ہے۔

جذب و سلوک

بلکہ قرآن سے اس جذب کا ثبوت موجود ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں اَللّٰہُ یَجْتَبِیْ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَھْدِیْ اِلَیْہِ مَنْ یُّنِیْبُ (اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں اپنی طرف کشش کر لیتے ہیں اور اپنی طرف سے ہدایت کرتے ان لوگوں کو جو ان کی طرف رجوع کرتے ہیں) اس آیت میں جذب و سلوک دونوں کا ذکر ہے مگر نہ اس طرح جیسے ایک جاہل نے کہا ہے کہ قرآن سے صوفیہ کے اشغال ثابت ہیں چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں **سلطانا" نصیرا و مقاما" محمودا"** (ایک قوت مدد دینے والی محمود) اور یہ ہی اشغال کے بھی نام ہیں گویا اس جاہل کے نزدیک قرآن میں اس جگہ **سلطانا" نصیرا و مقاما" محمودا"** (ایک قوت مدد دینے والی) سے صوفیہ کی اصطلاح مراد ہے یہ بالکل غلط ہے بلکہ یہاں ان الفاظ کے معنی لغوی مراد ہیں اور صوفیہ نے اپنی اصطلاح کو قرآن کے ان الفاظ سے لیا ہے۔ قرآن میں ان کی اصطلاح مراد نہیں ایسے ہی ایک جاہل نے کہا تھا کہ مولوی خواہ مخواہ کھانے پر فاتحہ دینے کو بدعت کہتے ہیں حالانکہ قرآن سے اس کا ثبوت ہے کہ قرآن میں ایک سورت ہی فاتحہ کے واسطے نازل ہوئی ہے اور اسی واسطے اس کا نام قرآن سے لے لیا ہے کہ اس عمل میں سورہ فاتحہ کو پڑھنے لگے اور اس کا نام فاتحہ رکھ دیا یہ الٹی منطق ہے کہ قرآن میں سورہ فاتحہ کا نزول اور اس کا نام اس عمل کے لئے ہے تو میں قرآن سے جذب کا ثبوت اس طرح نہیں دیتا بلکہ الفاظ قرآنیہ کو لغوی معنی پر رکھ کر اور تفسیر سلف کو بحال خود رکھ کر ثبوت دیتا ہوں۔ ترجمہ آیت کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں اپنی طرف کشش کر لیتے ہیں اور اجتباء اور جبی کے معنی لغت میں کشش ہی کے ہیں اور جذب کے معنی بھی یہی ہیں تو اس سے صاف ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ بعض بندوں کو اپنی طرف بدایت جذب فرماتے ہیں آگے ارشاد ہے وَیَھْدِیْ اِلَیْہِ مَنْ یُّنِیْبُ اور اپنی طرف ہدایت کرتے ہیں ان لوگوں کو جو اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اس میں سلوک کا بیان ہے کیونکہ سلوک کے معنی یہی ہیں انابت الی

اللہ خدا کی طرف رجوع کرنا اور طلب میں مشغول ہونا سلوک پر فتح باب کا ترتب ہوتا ہے جس کو ہدایت فرمایا گیا ہے۔ وصول اس پر مرتب نہیں ہوتا وصول اجتباء اور جذب سے ہوتا ہے جب تک ادھر سے جذب نہ ہو وصول نہیں ہو سکتا جس درجہ کا بھی جذب ہو گا اسی درجہ کا وصول ہو گا۔ اگر جذب کامل ہے وصول کامل ہو گا اگر جذب قلیل ہے تو وصول بھی قلیل ہو گا۔ ایک بزرگ نے جذب کی حقیقت کو حسی مثال میں خوب بیان فرمایا وہ ایک بادشاہ کے بالا خانہ کے نیچے سے جا رہے تھے بادشاہ نے آواز دی کہ ذرا یہاں تشریف لایئے مجھے ایک سوال کرنا ہے۔ کہا کیوں کر آؤں تم اوپر میں نیچے۔ بادشاہ نے فورا" کمند لٹکا دی کہ اسے پکڑ لیجئے پھر بادشاہ نے کھینچ لیا فورا" اوپر پہنچ گئے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ تم خدا تک کس طرح پہنچے' بزرگ نے بیساختہ جواب دیا کہ جس طرح تم تک پہنچا۔ اگر میں ملنا چاہتا اور، تم نہ ملنا چاہتے تو قیامت تک بھی میں آپ تک نہ پہنچ سکتا۔ تم نے خود ملنا چاہا تو خود ہی کھینچ لیا اس طرح اللہ تعالیٰ تک پہنچنا دشوار تھا کیونکہ طویل راستہ کا قطع کرنا بندہ سے کہاں ممکن ہے اگر وہ ملنا نہ چاہتے تو قیامت تک وصول نہ ہوتا مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی عنایت سے خود ہی ملنا چاہا اور کھینچ لیا جیسا تم نے کمند سے کھینچ لیا۔ سبحان اللہ اہل اللہ کو ذہانت بھی کیسی عطا ہوتی ہے مگر یہ جب عطا ہوتی ہے کہ پڑھا لکھا سب بھلا دو پھر وہ خود علوم کو تمہارے دل میں نقش کرتے ہیں اور جب تک تم اپنے نقش کو نہ مٹاؤ گے اس وقت تک دوسرا نقش اس پر کیسے ہو گا مگر مٹانے کی توفیق بھی اسے ہی ہوتی ہے جس کو وہ کچھ دینا چاہتے ہیں۔ بس یوں کہو کہ جب وہ کچھ دینا چاہتے ہیں تو خود ہی پہلے نقش کو مٹا دیتے ہیں اور خود ہی دوسرا نقش قائم کر دیتے ہیں مگر خود بھی لگا رہنا ضرور ہے۔

محبت حق سبحانہ و تعالیٰ کا طریقہ

ایک بزرگ جو کہ ان پڑھ تھے محمد شیر شاہ ان کا نام تھا ملا ہوں۔ میں نے ان سے پوچھا کہ محبت حق کا طریقہ بتلایئے فرمایا ذرا اپنے دونوں ہاتھوں کو رگڑو

میں حیران ہوا کہ میرے سوال کا یہ جواب کیسا مگر تقلیداً" میں نے ہاتھوں کو رگڑا پوچھا کہو کچھ گرمی پیدا ہوئی میں نے کہا ہاں ہوئی فرمایا بس یوں ہی رگڑتے رہو ایک دن گرمی پیدا ہو کر شعلہ محبت بھڑک جائے گا۔ دیکھئے معقول کو کیسا محسوس بنا دیا اور واقعی کیسا راستہ کو سہل بنا دیا بس کام میں لگے رہو اسی طرح ایک دن کام بن جائے گا۔ اب میں اسی کام کو بتلاتا ہوں جو تمہارے کرنے کا ہے سو اس کا خلاصہ دو چیزیں ہیں انہی میں لگنے سے کام بنتا ہے اور جو بھی پہنچا ہے انہی سے پہنچا ہے۔ میں اس وقت طریقت کا بھانڈا پھوڑ رہا ہوں لوگوں نے خواہ مخواہ اندھیری کوٹھڑی میں ان کو ڈال کر مقفل کر رکھا اس کو تو بر سر منبر سنا چاہئے وہ دو باتیں یہ ہیں ذکر اور اطاعت مگر ان کا طریقہ کسی محقق سے دریافت کرو اپنی رائے سے تجویز نہ کرو حضرت فرید عطار فرماتے ہیں۔

گر ہوائے ایں سفر داری دلا
دامن رہبر بگیر و پس برآ

(اے دل اگر اس سفر محبت کے طے کرنے کی خواہش رکھتا ہے تو دامن رہبر کامل کو مضبوط تھام اور پیچھے آ) اور مولانا فرماتے ہیں۔

یار باید راہ را تنہا مرو
بے قلاوز اندریں صحرا مرو

ساتھی ضرور چاہئے تنہا راستہ مت چل خصوصاً" اس طریق میں بلا رہبر کے ہرگز قدم مت رکھے)

قلاوز کے معنی طاعنین کی اصطلاح کے اعتبار سے قل اعوذ نہیں بلکہ قلاوز ترکی لفظ ہے بمعنی رہبر گو وہ قل اعوذ یا بھی ہو مگر راستہ کا جاننے والا ہو محقق ہو اس سے طریقہ دریافت کر کے ذکر وطاعت میں مشغول ہو ان شاء اللہ واصل ہو جائے گے بس ان دونوں میں خلل نہ آئے باقی کیفیات واحوال کے درپے نہ ہو وہ سب انہی دو کی باندیاں ہیں اور جب تک محقق مل سکے اس وقت تک کتاب سے

سلوک طے نہ کرو کتابیں بھی مفید ہیں مگر وہ مریض کے لئے نہیں ہیں بلکہ طبیب کے لئے ہیں یہ طبیب کے ذمہ ہے کہ مواقع اشکال میں قرابا " دین و قانون کا مطالعہ کر کے علاج کرے۔ مریض کو ان کتابوں کا مطالعہ مفید نہیں اور ان کو مطالعہ کر کے شیخ سے معارضہ کرنا تو سم قاتل ہے وہ دامن جھاڑ کر الگ ہو جائے گا تمہاری کتاب تو انسان کامل یعنی شیخ ہے تم کو مشکل حل کرنا ہو اسی کے مطالعہ سے کرو اسی کو فرماتے ہیں۔

وانت　　الکتاب　　المبین　　الذی

باحرفه　　یظهر　　المظهر

(اور تو واضح کتاب ہے جس کے حروف سے پوشیدہ اسرار ظاہر ہو جاتے ہیں)

اور فرماتے ہیں۔

اے لقاء تو جواب ہر سوال

مشکل از تو حل شود بے قیل و قال

(آپ کی ملاقات ہی ہر سوال کا جواب ہے اور ہر مشکل کا حل ہے)

مطالعہ دینی کتب

ہاں اگر کسی کو شیخ محقق نہ ملے تو پھر کتابوں کا مطالعہ کرو مگر ان کتابوں کا جن میں علوم معاملہ کا بیان ہو اصلاح نفس کے طرق مذکور ہوں اس وقت یہ کتابیں بھی بمنزلہ شیخ کے ہوں گی عارف فرماتے ہیں۔

دریں زمانہ رفیقے کہ خالی از خلل ست

صراحی مئے ناب و سفینہ غزل ست

جو زمانہ شیخ سے خالی ہو اس میں اس کے مکتوبات اور ملفوظات سے مستفید ہو اور یہ جبھی ہے کہ شیخ محقق میسر نہ ہو ورنہ اس کے ہوتے ہوئے کتاب کی کچھ ضرورت نہیں اسی کو دوسرے مقام پر فرماتے ہیں۔

مقام امن و مئے بے غش و رفیق شفیق

گرت مدام میسر شود زہے توفیق

(مامون مقام اور اللہ تعالیٰ کی محبت کی خالص شراب اور مشفق شیخ اگر تم کو ہمیشہ میسر ہوں تو بڑی خوش نصیبی ہے) رفیق شفیق سے شیخ ہی مراد ہے۔ بہر حال سالک کو شیخ کے نہ ملنے کے وقت یا شیخ کی اجازت کے وقت ان کتابوں کا مطالعہ بھی مفید ہوتا ہے جن میں طرق اصلاح اور علوم معاملہ مذکور ہوں۔

کتب علوم مکاشفہ و اسرار کے مطالعہ کا حکم

اور جن کتابوں میں علوم مکاشفہ اور اسرار مذکور ہیں ان کو ہرگز نہ دیکھا جائے ان کے متعلق تو صوفیہ خود فرماتے ہیں **یحرم النظر فی کتبنا** ہماری کتابوں کو دیکھنا حرام ہے ان کو صرف محقق ہی دیکھ سکتا ہے اور وہی ان سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اور اوپر جو میں نے کہا ہے کہ یہ باتیں تو برسرممبر کہنا چاہئیں ان سے بھی میری مراد علوم معاملہ و طرق اصلاح نفس ہی ہیں علوم مکاشفہ و اسرار مراد نہیں ان کو برسرممبر نہ کہنا چاہئے ورنہ مخلوق گمراہ ہو جائے گی۔ تو دیکھئے اللہ تعالیٰ نے اس راستہ کو کتنا سہل بنا دیا ہے کہ کو خود جذب فرما لیتے ہیں میں اس کی مثال دیا کرتا ہوں کہ جیسے ہم کسی بچہ کو دور سے دیکھ کر ہاتھ پھیلا دیں کہ ہماری گود میں آجا اور وہ شوق میں دوڑے اور دو قدم دوڑ کر گر پڑے۔ اس وقت ہم خود دوڑ کر اس کو اٹھا لیتے ہیں اور اگر وہ چلے بھی نہیں تو ہم بھی نہیں لیتے بس یہاں بھی اسی کی ضرورت ہے کہ تم اس طویل راستہ کے طے کرنے کا قصد کر کے چلو اور گر پڑو (یعنی عجز و عبدیت کا اظہار کرو) پھر حق تعالیٰ خود تم کو اٹھا کر منزل پر پہنچا دیں گے اور اس سے زیادہ سہولت اور دیکھئے کہ حق تعالیٰ نے مبدا سفر کو حکم دیا پیچھے ہٹنے کا اور منتہائے سفر کو حکم دیا آگے بڑھنے کا یعنی جس مسافت کو ہم طے کر رہے ہیں اس میں تنہا ہم ہی متحرک نہیں ہیں بلکہ اس سفر کا مبدا اور منتہا بھی متحرک ہیں مبدا پیچھے کو ہٹ رہا ہے ہم سے دور ہو رہا ہے اور منتہا آگے کو بڑھ رہا ہے ہم سے نزدیک ہو رہا ہے اب بھلا مسافت جلدی کیوں نہ ختم ہو گی جب تین چیزیں

حرکت کر رہی ہیں کہ مسافر خود بھی منتہا کی طرف کو چل رہا ہے اور مبداء بھی بعید ہو رہا ہے اور منتہا بھی قریب ہو رہا ہے اور یہ میری گھڑت نہیں ہے حدیث میں ہے الا ان الدنیا مدبرة والاخرة مقبلة کہ دنیا پیچھے کو ہٹ رہی ہے اور آخرت قریب ہو رہی ہے یہ تو سفر اضطراری کی حالت ہے اور سیر اختیاری جس کو سلوک کہتے ہیں اس کی بھی یہی حالت ہے جو بندہ طلب میں قدم رکھتا ہے اسی وقت سے موانع پیچھے ہٹنے لگتے ہیں یعنی خود بخود مرتفع ہونے لگتے ہیں اور مقصود قریب ہونے لگتا ہے اور اس میں مبالغہ نہیں ہے جب حق تعالیٰ کی توفیق شامل حال ہوتی ہے تو دنیا خود بندہ کو چھوڑ دیتی ہے اور موانع خود بخود مرتفع ہو جاتے ہیں اور یہ جزو اول ہے دعوے کا۔

تارک دنیا ہونا بڑا مشکل ہے

ہمارے ماموں صاحب فرماتے تھے کہ میاں تارک الدنیا ہونا تو بڑا مشکل ہے مگر جب توفیق حق شامل حال ہوتی ہے تو بندہ متروک الدنیا ہو جاتا ہے کہ دنیا خود اسے چھوڑ کر الگ ہو جاتی ہے اس نے بیوی کو طلاق دیدی اور بیوی نے خلع کر لیا اور اگر دنیا خود اسے نہ چھوڑے تو یہ لاکھ طلاقیں دے وہ لپٹتی ہے اور جہل سے یہی کہتی رہتی ہے کہ تیرے طلاق دینے سے کیا ہوتا ہے میں نے تو طلاق قبول ہی نہیں کی۔ جیسے ایک جاہل عورت نے اپنے مرد کو یہی جواب دیا تھا اور دوسرا جزو دعوئی اس حدیث میں مصرح ہے من تقرب الی شبرا تقربت الیه ذراعا" الحدیث (جو شخص میری طرف ایک بالشت چل کر آتا ہے میں اس کی طرف ایک گز آتا ہوں) اور مبداء و منتہا کے پیچھے ہٹنے اور آگے بڑھنے کا ایک واقعہ بھی حدیث میں آیا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص نے ۹۹ خون کئے تھے پھر اس کو توبہ کا خیال ہوا تو ایک عالم کے پاس گیا اور اپنا قصہ بیان کر کے مسئلہ دریافت کیا کہ اسی حالت میں میری توبہ قبول ہو سکتی ہے یا نہیں وہ کوئی جلالی مولوی تھے کہا تیرے واسطے توبہ کہاں یعنی کیا ۹۹ خون ایک ساعت میں معاف ہو سکتے ہیں جا تیرے واسطے

تو جہنم کا عذاب ہے سائل کو غصہ آیا اس تلوار سے ان کا بھی خاتمہ کر دیا کہ چلو سو میں ایک ہی کی کسر کیوں رہے اس مولوی نے بھی تو اس کو قتل ہی کر دیا تھا کہ غریب کو رحمت حق سے مایوس کر دیا جس سے کفر کا اندیشہ تھا شیخ کو ایسا نہ ہونا چاہئے کہ طالبوں کو مایوس کرے۔ اسی واسطے میں کہا کرتا ہوں کہ محض نجدی ہونا کافی نہیں وجدی ہونے کی بھی ضرورت ہے وہ مولوی محض نجدی تھا یعنی زاہد خشک اس لئے اس نے طالب کو مایوس کر دیا اگر وجدی بھی ہوتا تو اس کی طلب کو دیکھ کر پگھل جاتا۔

ایک صاحب تلوین درویش کی حکایت

رامپور ریاست میں ایک صاحب تلوین درویش تھا اس کو کسی مقام پر قبض ہوا اور یہ یقین ہو گیا کہ میں مردود ہو گیا ہوں تو اس نے خودکشی کا ارادہ کیا پھر سوچا کہ لاؤ کسی دوسرے شیخ ہی سے اپنا حال کہوں شاید گرہ کھل جائے وہاں ایک مشہور شیخ تھے ان کے پاس گیا انہوں نے پوچھا کون ہو کہا حضرت میں شیطان ہوں۔ شیخ نے جواب دیا کہ اگر شیطان ہو تو **لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ** (بجز اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر کے نہ گناہوں سے پھرنا اور عبادت پر قوت ہے) اس جواب سے سائل کو اپنی مردودیت کا یقین ہو گیا اور اپنے ایک مرید سے کہا کہ میں خودکشی کرتا ہوں اگر کچھ کسر رہ جائے تو تم پورا کر دینا چنانچہ حجرہ میں جا کر اس نے گردن کاٹ لی اور مرید نے اندر جا کر دیکھا تو کچھ کھال الجھی ہوئی رہ گئی تھی اس نے اس کو بھی الگ کر دیا وہاں سے نکل ہی رہا تھا کہ لوگ آگئے اور مرید کو گرفتار کر لیا اس نے کہا مجھے گرفتار کرنے کی ضرورت نہیں جب میرا شیخ خودکشی کر کے مر گیا تو مجھے ہی جینے کی کیا تمنا ہے تم شوق سے مجھے قتل کر دو۔

احوال وجدی

پھر واقعہ کی تحقیق کی گئی تو مرید کی برات ثابت ہوئی اسے رہا کر دیا گیا یہ

واقعہ ایک طالب علم نے جو میرے ہم سبق تھے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب سے بیان کیا مولانا نے فرمایا افسوس ہم تو اس شیخ کو اب تک کامل سمجھے ہوئے تھے مگر معلوم ہوا کہ کچھ بھی نہیں یونہی شہرت ہی شہرت ہے اس کو اتنی بھی خبر نہ ہوئی کہ سائل پر کیا حالت ہے اور اس کا علاج کیونکر کرنا چاہئے اور اگر اس نے اپنے کو شیطان کہا تھا تو ان کو جواب میں یوں کہنا تھا کہ پھر کیا مضائقہ ہے شیطان بھی تو اسی کا ہے نسبت و تعلق تو اب بھی منقطع نہیں ہوا۔ اس جواب سے فوراً" قبض کھل جاتا مگر ظالم نے لاحول پڑھ کر بیچارہ کو مایوس کر دیا دیکھا اپنے وجدی ایسے ہوتے ہیں جو طالب کو کسی حال میں مایوس نہیں کرتے بلکہ اس کے شریک غم ہو جاتے ہیں اور اس کے غم کو بٹا کر کچھ اپنے اوپر بھی لے لیتے ہیں یعنی اس کی حالت پر غصہ نہیں کرتے بلکہ اس کی حالت پر غمگین ہو کر ورطہ سے نکالنے کی کوشش کرتے ہیں پھر جب ان کی شرکت سے دو دل یک شود بکشند کوہ را۔ ہمارے حاجی صاحب رات کو تہجد میں اکثر سورہ یٰسٓ پڑھا کرتے تھے اور اس کی حکمت میں یہ شعر پڑھتے تھے کہ جب دو دل مل جائیں تو یہ پہاڑ کو بھی توڑ دیتے ہیں اور یہاں تین دل ایک ہو جاتے ہیں اس طرح سے کہ ایک مصلّی کا دل دوسرا قلب اللیل تیسرا قلب القرآن یعنی یٰسٓ جس کو حدیث میں قلب القرآن فرمایا ہے تو تین دل مجتمع ہو کر شیطان کو کیسے نہ بھگا دیں گے۔ خوب لطیفہ ہے غرض اس مولوی نے نجدیت سے کام لیا وجدی نہ تھا اس لئے طالب کو مایوس کر دیا۔

رحمت حق

پھر وہ ایک دوسرے عالم کے پاس گیا وہ یا تو محقق تھے یا پہلے واقعہ کو سن کر ان پر خوف طاری ہو گیا تھا ان سے مسئلہ پوچھا تو جواب دیا کہ توبہ تو ہر مسلمان کے لئے ہے خواہ کیسا ہی گنہگار ہو تمہاری توبہ کیوں نہ قبول ہو گی ضرور قبول ہو گی مگر تکمیل توبہ کے لئے ایک شرط ہے وہ یہ کہ جس بستی میں تم رہتے ہو اس کو چھوڑ دو یہاں کی صحبت اچھی نہیں تم فلاں بستی میں جا کر رہو وہاں کے آدمی اچھے ہیں یہ

شرط لگانا بتلاتا ہے کہ یہ عالم محض خائف ہی نہ تھا بلکہ متقی تھا۔ یہ جواب سن کر سائل نے توبہ کی اور چونکہ طلب کی شان پیدا ہو چکی تھی اس لئے تکمیل توبہ کے لئے وطن سے ہجرت بھی کی اور اس بستی کی طرف چلا جہاں کے لئے عالم نے وصیت کی تھی کچھ ہی دور چلا تھا کہ موت کا وقت آ گیا۔

قسمت تو دیکھئے کہ کہاں ٹوٹی جا کمند

دو چار ہاتھ جب کہ لب بام رہ گیا

مگر اس نے اپنے کرنے کا کام اس وقت بھی کیا کہ عین نزع کی حالت میں بھی اس بستی کی طرف اس نے اپنا سینہ ابھار دیا اور کام تمام ہو گیا۔ اب رحمت حق کا کام دیکھئے چونکہ طالب اپنا کام کر چکا تھا اور وصول اس کے اختیار سے باہر تھا تو اب محبوب نے وصول کا خود انتظام کر دیا۔ جس بستی سے اس نے چلنا شروع کیا تھا اس کو حکم ہوا تباعدی کہ تو دور ہو جا پیچھے ہٹ جا اور جس بستی کی طرف یہ جا رہا تھا اسے حکم ہوا تقاربی کہ تو قریب ہو جا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

اجتہاد ملائکہ

اب ملائکہ رحمت و ملائکہ عذاب دونوں آ پہنچے اور ہر جماعت نے اس پر قبضہ کرنا چاہا ملائکہ رحمت نے کہا کہ اس کے مستحق ہم ہیں کیونکہ یہ توبہ کر کے اور گناہوں سے پاک ہو کے مرا ہے۔ ملائکہ عذاب نے کہا کہ نہیں یہ مستحق عذاب ہے کیونکہ تکمیل توبہ کی شرط متحقق نہیں ہوئی ابھی صلحاء کی بستی میں بھی نہیں پہنچا تو توبہ کامل نہیں ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ملائکہ بھی بعض دفعہ اجتہاد کرتے ہیں ہر کام صریح نص ہی سے نہیں کرتے۔ جب ان میں باہم اختلاف ہوا تو حق تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتہ نے آ کر یہ فیصلہ کیا زمین کو ناپ لو جون سی بستی قریب ہو اسی کے موافق حکم ہو گا۔ اگر قریہ اشرار سے قریب ہو تو اشرار میں داخل کر دو اور قریہ ابرار سے قریب ہو تو ابرار میں داخل کر دو۔ چنانچہ پیمائش کرنے سے ایک ہاتھ قریہ ابرار سے قریب نکلا پس ملائکہ رحمت کے سپرد ہوا تو

جس طرح یہاں حسا" مبدا کو بعید اور منتہا کو قریب کیا گیا اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر سالک کے لئے معنی مبدا کو بعید اور منتہا کو قریب کر دیتے ہیں اب بتلایئے یہ راستہ کتنا آسان ہو گیا کہ حق تعالیٰ بندہ کو جذب بھی فرماتے ہیں اور جب تک سلوک رہتا ہے اس وقت بھی یہ سہولت کرتے ہیں کہ مبدا کو بعید ہونے کا اور منتہا کو قریب ہونے کا حکم دیتے ہیں بس اب اس سفر کے طویل ہونے سے گھبرانا نہ چاہئے۔

خلاصہ بیان

خلاصہ بیان کا یہ ہے کہ آپ ہر وقت سفر میں ہیں تو آپ کو مسافر کی طرح فکر مند اور بے چین رہنا چاہئے بے فکر نہ ہوں برابر عمل میں لگے رہئے اور اپنی طرف سے راستہ قطع کرنے کی برابر ہمت کیجئے پھر اللہ تعالیٰ کی عنایات و اعانات کا لطف دیکھئے کہ وہ کیونکر طویل مسافت کو قصیر اور دشوار گزار طریق کو پھولوں جیسا ہلکا بنا دیتے ہیں اگر کبھی سستی ہو جائے تو پھر از سر نو تجدید فکر کیجئے اگر گناہ ہو جائے فوراً" توبہ کر لیجئے اس سے پھر بندہ رستہ ہی پر آ جاتا ہے اب آیت کا ترجمہ کر کے میں بیان ختم ہی کرنے والا ہوں اور سچ یہ ہے کہ ختم اس واسطے بھی کر رہا ہوں کہ اب مضامین ہی ذہن میں نہیں ہیں ترجمہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں ان ہذہ تذکرۃ کہ یہ قرآن اور یہ شریعت یادداشت ہے اس لفظ میں بھی ایک نکتہ ہے وہ یہ کہ لغت میں تذکرہ اسی شے کو کہتے ہیں جو شے معلوم کی یاددہانی کرے تو اس میں اس طرح اشارہ ہے کہ یہ سفر ایسا ہے جو تم کو پہلے سے معلوم ہے مگر بھول گئے ہو تو یہ قرآن اس کی یاددہانی کرتا ہے باقی یہ کہ اس راستہ کے معلوم ہونے کی کیا دلیل ہے اس کو مولانا بیان فرماتے ہیں۔

بشنو از نے چوں حکایت می کند
وز جدائیہا شکایت می کند

(بانسری روح انسانی کی باتیں سنو کہ جدائی سے کیسی حکایت شکایت کر رہی ہے)

کز نیستاں تا مرا ببریدہ اند
از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند

مجھ کو نیستاں (عالم ارواح) سے جدا کر دیا گیا ہے تو اس درجہ شور شیون میں مبتلا ہوں کہ سننے دیکھنے والوں کا کلیجہ پھٹ جاتا ہے۔

سینہ خواہم شرحہ شرحہ از فراق
تا بگویم شرح درد اشتیاق

(میں ایسا سینہ چاہتی ہوں جو خود کسی کے فراق سے پارہ پارہ ہو تاکہ اپنا درد اشتیاق کھولوں تب اس کی سمجھ میں آوے)

ہر کسے کو دور ماند از اصل خویش
باز جوید روزگار وصل خویش

(ہر شخص کا قاعدہ ہے جب اپنی اصل سے جدا ہوتا ہے تو اس زمانہ وصول کو ڈھونڈتا ہے) صاحب ذرا تنہائی میں بیٹھ کر اپنے دل سے اپنے ضمیر سے اپنی روح سے باتیں کیجئے وہ اس کا جواب دے گی کہ آپ کس سفر کو بھولے ہوئے ہیں اس سے آپ کو مشاہدہ ہو جاوے گا۔ قرآن بتلا رہا ہے کہ بے شک یہ آپ کو بھولا ہوا سفر یاد دلا رہا ہے اور بتلا رہا ہے کہ تمہارا اصلی وطن یہ نہیں جہاں اب ہو بلکہ اور ہے جس کی طرف جا رہے ہو۔ اے صاحبو! اپنے وطن کو جا رہے ہو اور اتنی سست رفتار کہ بیٹھ بیٹھ کر چل رہے ہو اصل مکان کی طرف تو جانور بھی تیزی سے چلا کرتے ہیں۔ بیلوں کو دیکھئے کہ وطن کی طرف کس شوق سے قدم اٹھا کر چلتے ہیں حیرت ہے کہ آپ انسان ہو کر بھی اپنے اصلی وطن کی طرف تیزی کے ساتھ قدم نہیں اٹھاتے۔ صاحبو! سستی نہ کرو تیزی کے ساتھ چلو تمہارا اصلی وطن اصلی مستقر آگے ہے۔ تم دنیا میں کہاں پھنسے رہ گئے اس کے ساتھ کیوں دل لگا لیا۔ اس کے بعد ارشاد ہے وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ (تم نہیں چاہ سکتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہیں اس میں اس کی تعلیم ہے کہ اگر کسی کو اپنے فہم یا عمل پر ناز ہو اور یوں سمجھنے لگے

کہ میں نے راستہ کو بہت جلد طے کیا اور مجھے اس کی معرفت کامل ہے اور میری سیر دوسروں سے کامل ہے تو وہ اس مضمون سے اپنے ناز کا علاج کرلے کہ تمہاری مشیت حق تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہے ان کے چاہنے سے کام بنتا ہے اگر وہ نہ چاہتے تو کچھ بھی نہ ہوتا اس پر اگر یہ سوال ہو کہ پھر اس کی کیا وجہ کہ حق تعالیٰ نے کسی کے لئے تو وصول چاہا اور کسی کے لئے نہیں چاہا سب کو واصل کردیتے تو اچھا تھا۔ اس کا جواب آگے ہے اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا (بے شک اللہ تعالیٰ علم والے حکمت والے ہیں) کہ سب کے واصل نہ بنانے میں بھی حکمتیں ہیں اور کسی کے ساتھ تعلق مشیت ہونا کسی کے ساتھ نہ ہونا حکمت کا مقتضی ہے تم اس میں دخل نہ دو اللہ تعالیٰ خود سب باتوں کو جانتے ہیں اور جو کام کرتے ہیں حکمت سے کرتے ہیں۔

وجود کفر میں حکمت

ایک دفعہ میرے دل میں یہ خطرہ آیا تھا کہ تھانہ بھون شاہ ولایت صاحب کے مزار پر جو خرافات ہوتی ہیں اگر یہ نہ ہوتیں تو اچھا تھا چونکہ اس خطرہ میں تقدیر سے منازعت تھی اللہ تعالیٰ نے دستگیری فرمائی رات کو خواب میں دیکھا کہ کوئی یوں کہہ رہا ہے۔

در کارخانہ عشق از کفر ناگزیر ست
آتش کرابسوزد گر بولہب نباشد

عشق کے کارخانہ میں کفر کا ہونا ضروری ہے۔ دوزخ میں کون جلتا اگر ابولہب نہ ہوتا) فورا" میرا خطرہ رفع ہوگیا اور عالم میں خیر و شر ایمان و کفر سب کا مطابق ہونا منکشف ہوگیا۔

اسماء الٰہیہ کی قسمیں

محققین نے اس حکمت کو اس سے زیادہ واضح بیان فرمایا ہے کہ صفات

ائیہ جمیل ہیں اور جمال مقتضی ظہور کو ہے بس اسماء بھی مقتضی ہوں گے ظہور کو اور اسماء کی دو قسمیں ہیں جمالیہ جلالیہ پس بعض کائنات مظہر ہیں جمال کے بعض جلال کے اس لئے عالم میں خیر و شر کا ہونا ضروری ہے لیکن اقتضاء سے مراد معنی لغوی نہیں ہے تاکہ اضطرار کا شبہ کیا جائے بلکہ اصطلاحی معنی مراد ہیں وہ اپنی اصطلاح میں مطلق ترتب کو بھی اقتضاء سے تعبیر کر دیتے ہیں گو ترتب درجہ لزوم و وجوب میں نہ ہو اسی لئے تو ان کتب کے مطالعہ کی ہر شخص کو اجازت نہیں دی جاتی کہ لوگ ان اصطلاحات و رموز سے ناواقف ہیں۔ بس اب ختم کرتا ہوں دعا کیجئے حق تعالیٰ فہم سلیم عطا فرمائیں اور عمل کی توفیق دیں اور ہم سب کو اپنے راستہ میں سہولت و جذب عطا فرمائیں۔ آمین

سبیل السعید
نیکی کا راستہ

عوام پر علماء کا اتباع ضروری ہونے کے بارے میں مسجد خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں ۳ ربیع الثانی ۱۳۴۰ ہجری ڈیڑھ گھنٹہ کرسی پر بیٹھ کر ارشاد فرمایا۔ جسے مولانا ظفر احمد صاحب نے قلمبند فرمایا سامعین کی تعداد تقریباً ایک سو تھی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نومن بہ ونتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و نشھدان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ و نشھد ان سیدنا و مولانا محمداعبدہ و رسولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ و علی الہ واصحابہ وبارک وسلم۔

اما بعد فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَاَنَّ ھٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْماً فَاتَّبِعُوْہُ ،

ترجمہ :- اور یہ کہ یہ دین میرا راستہ ہے جو کہ سیدھا ہے پس اس راہ پر چلو ۱۲ منہ پارہ ۸ رکوع ۶

تمام دین کا خلاصہ

یہ ایک لمبی آیت کا ٹکڑا ہے جس میں حق تعالٰی نے تمام دین کا خلاصہ ارشاد فرمایا ہے۔ تمام دین اس کی تفسیر ہے پھر اللہ تعالٰی نے اس کو ایسے خاص عنوان سے بیان فرمایا ہے جس کا اثر یہ ہے کہ اس کو سن کر عمل کی رغبت ہوتی ہے۔ اور یہ حق تعالٰی کی حکمت ہے کہ وہ احکام جو فی نفسہ آسان ہیں مگر مخالفت نفس اور منازعت نفس کے عارض سے دشوار ہوگئے ہیں ان کو نہایت سہل عنوان سے بلکہ شوق دلانے والے عنوان سے بیان فرمایا ہے تاکہ یہ عارضی دشواری شوق کی حرکت سے مغلوب ہو جائے۔ اور یہ دلیل ہے حق تعالٰی کے شفیق ہونے کی حق تعالٰی نے ہمارے ساتھ ضابطہ کا تعلق نہیں رکھا ہے اور جتنے ضوابط و قواعد حق تعالٰی نے مقرر فرمائے ہیں ان میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب بندوں

کی مصلحت کے لئے ہیں۔ وہ ضابطہ محض نہیں بلکہ عین شفقت ہے اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی بچہ کنوئیں میں گرنے لگے تو اس کو گرنے سے اس طرح روکتے ہیں کہ ہاتھ پکڑ لیتے ہیں اور دو چار طمانچہ لگا کر وہاں سے ہٹا دیتے ہیں شفقت کا ہٹانا یہی ہے نہ یہ کہ اہل حکومت کی طرح ضابطہ سنا دیا جائے جیسے حکام و سلاطین اور ان کے نواب کا طریقہ ہے کہ منادی کرنے والا ایک طرف سے منادی کرتا چلا گیا چاہے کوئی سنے یا نہ سنے سمجھے یا نہ سمجھے اور رغبت ہو یا نہ ہو سو یہ ضوابط ہیں اور حق تعالیٰ کے احکام میں ایسے ضوابط نہیں ہیں ہاں صورت ضوابط کی ہے سو اس کی ایسی مثال ہے جیسے حکیم دوا کی مقدار معین کرتا ہے وقت مقرر کرتا ہے پرہیز متعین کرتا ہے تو ظاہر میں یہ ضوابط ہیں مگر حقیقت میں یہ محض ضوابط نہیں ہیں کیونکہ اگر یہ ضوابط مرتفع ہو جائیں حقیقت میں ہلاک ہوگا۔ طبیب یہ قیدیں صرف مریض کی مصلحت سے لگاتا ہے۔ اپنی مصلحت کے لئے نہیں لگاتا۔ اسی طرح حق تعالیٰ شانہ نے اپنی شان حکومت کے لحاظ سے ضوابط مقرر نہیں فرمائے بلکہ بندوں کی مصالح اور منافع کے لئے متعین فرمائے ہیں اگر اللہ تعالیٰ ایسا نہ کرتے تو بندوں ہی کا ضرر تھا۔ پس احکام میں بظاہر جو کچھ قواعد و ضوابط ہیں ان کا مبنیٰ شفقت ہے اور اسی شفقت کا یہ اثر ہے کہ اللہ تعالیٰ احکام کو ایسے عنوان سے بیان فرماتا ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ بندوں کو ان کے اختیار کرنے کی رغبت پیدا ہوئی اور شوق پیدا ہو جاتا ہے جیسے باپ بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے اس کی رعایت کرتا ہے کہ بیٹا سمجھ لے اور اس کی سمجھ میں بات آجائے۔ چنانچہ اس آیت میں بھی اس طرز شفقت کی پوری رعایت سے فرماتے ہیں۔ **وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ** کہ واقعی یہ میرا راستہ ہے هذا کا اشارہ اوپر کے احکام کی طرف ہے جو اُمہات احکام ہیں جو تمام دین کا خلاصہ ہیں مگر وہ تو اجمال بصورت تفصیل تھی اور یہ یعنی آیت **اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا**" اجمال بعد تفصیل ہے قبل ازیں کہ میں اس آیت کے عنوان میں طرز شفقت کو واضح کروں ایک اشکال کو رفع کر دینا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ شاید

کسی ذہین کے دل میں یہ سوال پیدا ہوا ہو کہ اللہ تعالیٰ تو اس پر بھی قادر ہے کہ ہم کو بدون ابتلاء سے محفوظ رکھ کر ہم کو نجات عطا فرماتے ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک حق تعالیٰ اس پر قادر ہیں کہ بدون ابتلاء و امتحان کے سب کچھ عطاء فرما دیتے مگر وہ ایسا نہیں کرتے بلکہ انسان کو ابتلاء و تکلیف کے بعد ہی دولت قرب عطا فرما دیتے ہیں۔ (اور قرب ہی کا نام نجات ہے اور ہلاکت فراق وبعد کا نام ہے)

شنیدہ ام سخن خوش کہ پیر کنعاں گفت
فراق یار نہ آن می کند کہ بتواں گفت
حدیث ہول قیامت کہ گفت واعظ شہر
کنایتیست کہ از روزگار ہجراں گفت

ابتلاء میں حکمت

چنانچہ ایک مقام پر ارشاد ہے **اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ** رہا یہ کہ اس کی وجہ کیا ہے سو اس کے بارہ میں ہمارے بزرگوں کا مسلک یہ ہے کہ حکم کی تفصیل میں گفتگو نہیں فرماتے ان کا طریقہ یہ ہے۔ **ابھموا ماابھم اللہ** کہ جس چیز کو خدا تعالیٰ نے مبہم رکھا ہے۔ تم بھی اس کو مبہم ہی رکھو۔ پس اجمالاً" ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ ابتلاء میں حکمت ضرور ہے گو ہم کو معلوم نہ ہو اور اس باب میں ایک بات جو بے ساختہ دل میں آئی ہے وہ یہ ہے کہ اگر انسان سے طاعت بدون ابتلاء مقصود ہوتی تو اس کے لئے ملائکہ پہلے سے موجود تھے انسان کے پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ کیونکہ ملائکہ میں اطاعت بدون ابتلاء ہی ہے ان میں منازعت کا مادہ ہی موجود نہیں۔ اور انسان کے اندر مقاومت و منازعت احکام کا مادہ رکھا گیا ہے مگر وہ ایک خاص درجہ پر ہے اور وہ بھی تکمیل اجر کے لئے اس میں رکھا گیا ہے کیونکہ طاعت بلا منازعت سے طاعت بمنازعت افضل ہے بوجہ مجاہدہ کے۔ اور درجہ خاص کی قید میں نے اس لئے لگائی کہ اگر منازعت خاص درجہ پر نہ ہوتی تو الدین یسر کے خلاف ہوتا اس لئے میں نے یہ قید

لگا دی۔

کاملین کے لئے احکام الٰہیہ امور طبعیہ بن جاتے ہیں

اور یہ منازعت بھی ابتداء ہی میں ہوتی ہے بعد رسوخ کے یہ منازعت بھی باقی نہیں رہتی بلکہ احکام الٰہیہ امور طبیعہ بن جاتے ہیں حق تعالیٰ نے افعال حسیہ میں بھی یہی قاعدہ رکھا ہے چنانچہ مشی وغیرہ میں ابتداء ہی میں ارادہ کی ضرورت ہوتی ہے پھر ہر قدم پر ارادہ کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ وہی پہلا ارادہ مستمر قرار دیا جاتا ہے اور اسی کی وجہ سے اس کو فعل اختیاری کہا جاتا ہے اس پر یہ شبہ نہ ہو کہ شاید پھر ثواب کم ہو جاتا ہوگا کیونکہ طاعت بلا منازعت سے طاعت بمنازعت افضل ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ یہی ہے کہ ابتدائے منازعت کا مقابلہ کرنے کے بعد ثواب منازعت ہی کا ہمیشہ ملتا ہے کیونکہ اس نے تو اپنی طرف سے مقاومت منازعت کے دوام کا قصد کر کے عمل شروع کیا ہے چنانچہ ہر مسلمان جو نماز روزہ کا پابند ہے اس کا ارادہ یہی ہے کہ ہمیشہ نماز پڑھوں گا ہمیشہ روزہ رکھوں گا خواہ نفس کو کتنا ہی گراں ہو۔ اب یہ حق تعالیٰ کی رحمت ہے کہ وہ بعد میں منازعت کو باقی نہیں رکھتے مگر چونکہ بندہ نے ہمیشہ کے لئے اس منازعت کا مقابلہ کرنے کا ارادہ کر لیا ہے اس واسطے اس کو زوال منازعت کے بعد بھی بوجہ نیت دوام کے وہی ثواب ملتا ہے جو منازعت کے ساتھ ثواب ملتا۔ تو جیسے مشی کو فعل اختیاری اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ابتداء میں اختیار و ارادہ کی ضرورت ہے گو بعد میں ضرورت نہیں رہتی اسی طرح یہاں بھی گو بعد میں منازعت نہیں رہتی مگر چونکہ ابتد[illegible] منازعت کی مخالفت کی ضرورت تھی اس لئے انتہا تک اس مخالفت منازعت کو حکماً" مستمر قرار دیا جائے گا۔ اور یہاں سے پتہ لگتا ہے حق تعالیٰ کی رحمت کا ورنہ عقل کا مقتضا یہ ہے کہ جب منازعت ختم ہو جائے اور عبادت میں لذت و حظ پیدا ہو جائے تو اس شخص کو اجر نہ ملے کیونکہ اب طاعت مع الابتلاء نہیں ہے اس وقت عقل کہتی ہے کہ یہ شخص اجر کا مستحق نہیں مگر حق تعالیٰ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]

لو؟ ذرا اس سے آگے بھی پڑھ لو۔

مشکلے دارم زدانشمند مجلس باز پرس
توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتری کنند

محبت کا اثر

واعظین گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ وہ خود بھی خلاف ورزی احکام کی کس قدر کرتے ہیں پھر بھی اپنے بیان کے موافق محبت سے خالی ہیں اور اگر وہ خالی نہیں تو عوام بھی خالی نہیں بلکہ سب کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے

محبت کا اثر

اور چونکہ انسان کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے اس لئے اس مقام پر فرماتے ہیں وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا کہ یہ میرا راستہ ہے سیدھا جس میں اس راستہ کو اپنی طرف اس لئے منسوب فرمایا کہ سننے والوں کو حظ آئے کہ یہ محبوب کا راستہ ہے اس عنوان سے سب کو اس کی طرف حرکت ہوگی خواہ اس اضافت کا یہ مطلب ہو کہ یہ راستہ میرا ایجاد کیا ہوا میرا بتلایا ہوا ہے یا یہ مطلب ہو کہ اس پر چل کر تم مجھ تک یعنی میری رضا تک پہنچ سکتے ہو خواہ کچھ ہی مطلب ہو مگر ہر حال میں محبت کا یہی اثر ہے کہ جب عاشق کو یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں کام کرنے سے محبوب مجھ سے راضی ہو جائے گا تو اس کو اس کام میں سب مشقتیں آسان ہو جاتی ہیں بلکہ اس سے بڑھ کر اگر محبوب کی تجویز رضا کا بھی علم نہ ہو مگر اس کا علم ہو جاوے کہ وہ میری مشقتوں کو دیکھ رہا ہے تب بھی یہی اثر ہوتا ہے چنانچہ ایک عاشق رسوائی عشق کی وجہ سے پٹ رہا تھا اور ذرا اف نہ کرتا ننانوے کوڑوں کے بعد جو ایک کوڑا اور لگا تو آہ کی کسی نے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ تھی کہ ننانوے کوڑوں پر آہ نہ کی آخیر میں ایک کوڑے پر آہ کی کہا ننانوے کوڑوں تک تو محبوب میرے سامنے تھا میری حالت کو دیکھ رہا تھا کہ اس کی محبت میں مجھ پر یہ مصیبت آئی ہے تو اس وقت

تک مجھے مصیبت کا احساس ہی نہیں ہوا بلکہ میں یوں کہہ رہا تھا۔

بجرم عشق تو ام می کشند وغو غائیست
تو نیز بر سر بام آکہ خوشنما شائیست

اس کے بعد وہ وہاں سے چلا گیا تو اس وقت مجھے کلفت کا احساس ہوا۔ جب اطلاع محبوب کے علم میں یہ اثر ہے تو رضا و تجویز محبوب کے علم میں تو کیا کچھ اثر ہو گا۔ اسی بناء پر جب یہاں بندوں کو یہ بتلایا گیا کہ یہ میرا راستہ ہے یعنی میری رضا کا راستہ ہے یا میرا تجویز کیا ہوا راستہ ہے یہ سن کر اس کی محبت کو حرکت ہوئی اور اب اس راستہ میں ان کو کوئی مشقت محسوس نہ ہوئی۔ کیونکہ وہ سمجھیں گے کہ یہ کلفت محبوب کے راستہ میں ہے۔ اور محبوب کے راستہ میں تو جان بھی جاتی رہے تو کچھ زیادہ نہیں۔ تو دیکھیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عنوان سے طریق کی گرانی کو کیسا پھولوں کا ہلکا کر دیا۔ یہی وہ بات ہے جس کو میں نے ابتداء میں عرض کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی کیسی رحمت ہے کہ اول تو دین کو فی نفسہ آسان کیا پھر نفس کی کشاکشی سے جو اس میں عارضی گرانی اور مشقت آجاتی ہے نہ اس کو اس طرح دور کیا کہ اس آیت میں تمام دین کا خلاصہ ایسے عجیب عنوان سے بیان فرمایا ہے جس سے ساری مشقت دور ہو گئی کہ اس کو اپنا راستہ فرمایا۔ اپنی طرف اس کی نسبت فرمائی۔ اس کا لطف عشاق سے پوچھو کہ محبوب کے نام لگنے کی کیسی محبت ہوتی ہے۔

ایک سبق آموز حکایت

اور یہیں سے ایک حکایت کی حقیقت معلوم ہوگئی جو مولوی مظہر صاحب رام پوری نے جو میرے ساتھ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب قدس سرہ کی خدمت میں موجز میں شریک تھے۔ (میں نے موجز کو موجز ہی پڑھا ہے ورنہ معطل ہو جاتی) رام پور ریاست کا قصہ بیان کیا کہ ایک شخص صاحب قبض ایک صاحب ارشاد کے پاس گیا۔ انہوں نے پوچھا تم کون ہو۔ کہا میں شیطان ہوں فرمایا اگر شیطان ہو تو لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ یہ جواب سن کر اس کو مردودیت کا یقین ہو گیا

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

تجربہ کو اہل ظاہر نہیں جانتے شاید کسی مولوی کو یہ شبہ ہو کہ ایسے الفاظ سے تسلی کرنا تو جائز نہ تھا کہ شیطان بھی تو اسی کا ہے نسبت پھر بھی باقی ہے۔ کیونکہ اس سے کفار بھی اپنے کو صاحب نسبت سمجھنے لگیں گے اس کا جواب یہ ہے کہ بعض دفعہ فوری علاج سنکھیا سے بھی کیا جاتا ہے پھر بعد میں سنکھیا کی سنبھال کر لیتے ہیں۔ اس کو بھی اطباء جانتے ہیں۔ اور اہل اللہ کا تجربہ ہے کہ بعض دفعہ اس کی یہی ضرورت ہوتی ہے۔ دوسرے تم اس میں اضافت تشریفیہ کیوں لیتے ہو اور خواہ مخواہ اس کو خلاف شرع پر کیوں حمل کرتے ہو معنی لغوی پر کیوں محمول نہیں کرتے۔ آخر شیطان بھی اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ (یعنی ان کا پیدا کیا ہوا ہے۔ ان کا بندہ ہے ۱۲) بتلائیے اس میں کیا خرابی ہے اس قصہ سے معلوم ہو گیا ہو گا نسبت اور اضافت کا اثر اہل محبت پر کس قدر ہوتا ہے تو جب اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا کہ یہ میرا راستہ ہے اس سے محبت کو ہیجان ہو گیا۔ اور اب موانع کا ارتفاع آسان ہو گیا۔ اب یہ حال ہوتا جاتا ہے کہ۔

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو
دل شد جتلائے تو ہرچہ کنی رضائے تو

اور اب عاشق زبان حال سے اور بعض دفعہ زبان قال سے یوں کہنے لگتا ہے۔

ناخوش تو خوش بود برجان من
دل فدائے یار دل رنجان من

بعض سنیاسیوں کے ذکر و شغل کا سبب

اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا کو سن کر ایک دفعہ تو کافر کو بھی اس کی طرف حرکت ہوگی اور وہ اس راستہ پر چلنا چاہے گا۔ کیونکہ خدا سے محبت کافر کو بھی ہے چنانچہ میں دیکھتا ہوں اور آپ نے بھی دیکھا ہوگا کہ بعض سنیاسی ذکر و شغل کرتے ہیں اور لذائذ کو ترک کر دیتے ہیں اس کا منشاء وہی محبت ہے گو وہ غلط راستہ پر چل

رہے ہیں اور یہاں سے ایک بات اور بتلاتا ہوں وہ یہ کہ کفار کو ذکر الہی سے گو آخرت میں کچھ نفع نہ ہو اور یہ ذکر وہاں ان کے لئے نجات کا سبب نہ ہو مگر دنیا میں ان کو بھی کچھ مل جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے **اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ** کہ وہ کسی اچھے کام کرنے والے کے اجر کو ضائع نہیں فرماتے بلکہ اگر ذاکر طالب آخرت ہے تو اس کو آخرت میں بھی اجر عطا فرماتے ہیں اور دنیا میں بھی اور طالب دنیا ہے تو اس کو دنیا میں کیفیات نفسانیہ ذوق و شوق وغیرہ عطا ہو جاتا ہے یہ اس کا اجر ہے اسی لئے محقق حضرات نے فرمایا ہے کہ کیفیات نفسانیہ کے درپے نہ ہو۔ کیونکہ وہ تو چٹنی ہے اور چٹنی مطلوب نہیں بلکہ مطلوب غذا ہے۔ اب اگر کوئی چٹنی ہی سے پیٹ بھرلے تو اس کا معدہ خراب ہو جائے گا بس چٹنی کا کام یہ ہے کہ غذا کے ساتھ تھوڑی سی کھالی جائے تاکہ غذا اچھی طرح کھائی جائے۔ میں نے اس کے متعلق ایک فیصلہ کیا ہے جو مختصر ہے گو یہ لفظ دعوے کا ہے مگر میرا مقصود دعویٰ نہیں بلکہ یہ ایسا ہے جیسے کہ ہم یوں کہتے ہیں کہ میں نے نماز پڑھی اور روزہ رکھا۔ اور دعویٰ تو جب ہو کہ یہ فیصلہ میں نے اپنے آپ کیا ہو نہیں نہیں بلکہ یہ ان حضرات کا طفیل ہے جن کی جوتیاں سیدھی کی ہیں اور طوطا اگر کچھ پڑھنے لگے تو یہ اس کا کمال نہیں بلکہ پڑھانے والے کا کمال ہے تو وہ فیصلہ اس کے بارہ میں یہ ہے کہ یہ کیفیات محمود تو ہیں مگر مقصود نہیں اور غیر مقصود بالذات کو مقصود بالذات بنا لینا عصیان باطنی اور بدعت باطنیہ ہے۔ اس لئے ان کے درپے نہ ہو۔ ان کی تمنا نہ کرو ہاں دعا کا مضائقہ نہیں کیونکہ دعا میں خاصیت یہ ہے کہ دعا کے قبول نہ ہونے سے شکایت و قلق پیدا نہیں ہوتا اور تمنا کے پورا نہ ہونے سے شکایت و قلق ہوتا ہے۔ حق تعالی نے امور اختیاریہ وغیر اختیاریہ کے متعلق یہی فیصلہ فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

تمنائے موہوب سے ممانعت

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا

اکْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اکْتَسَبْنَ وَاسْئَلُوا اللّٰہَ مِنْ فَضْلِہٖ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْماً۔ میرا ذوق یہ ہے کہ اس آیت میں مطلوب کی دو قسمیں کی گئی ہیں۔ ایک موہوب جس کو مَا فَضَّلَ اللّٰہُ بِہٖ اور وَاسْئَلُوا اللّٰہَ مِنْ فَضْلِہٖ میں فضل سے تعبیر کیا گیا ہے دوسرے مکسوب جس کو لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اکْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اکْتَسَبْنَ میں اکتساب کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے۔ اب حاصل یہ ہوا کہ موہوب کی تمنا کرنا نہ چاہئے نہیں بلکہ مکسوب کا اہتمام و فکر کرنا چاہئے مدار نجات اعمال مکسوبہ ہیں اب رہا تمنائے موہوب سے جو ممانعت ہے اس میں نہی تحریم کے لئے ہے یا کراہت تحریم کے لئے یا کراہت تنزیہ کے لئے اس سے مجھے بحث نہیں عشاق سے پوچھو کہ جب محبوب کسی کام سے منع کر دے تو کیا عاشق محبوب سے یہ سوال کر سکتا ہے کہ حضور یہ بات آپ کو کس درجہ میں ناپسند ہے کس قدر ناگوار ہے۔ اگر کوئی ایسا سوال کرے گا تو محبوب اس کو نکال باہر کرے گا کہ تو عاشق نہیں۔

ہمارے جذبات کی رعایت

اس کے بعد حق تعالیٰ ہمارے جذبات کی رعایت فرماتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ موہوب کے لئے ان کا دل للچائے گا ضرور اس لئے دعا کی اجازت دیتے ہیں۔ وَاسْئَلُوا اللّٰہَ مِنْ فَضْلِہٖ کہ دعا کر سکتے ہو آگے بعض اوقات عدم قبول دعا سے پریشان نہ ہونے کی تعلیم ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْماً کہ اگر دعا قبول ہونے میں دیر ہو اور قبول کے آثار معلوم نہ ہوں تو گھبراؤ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر بات کو اچھی طرح جانتے ہیں یعنی وہ ہر چیز کی مصلحت کو تم سے زیادہ جانتے ہیں پس اس بات کو بھی وہی خوب جانتے ہیں کہ یہ نعمت موہوبہ تمہارے لئے مناسب ہے یا نہیں اور مناسب ہے تو کس وقت اور کس حالت میں مناسب ہے۔

یہ تو کیفیات کے متعلق فیصلہ کا ذکر تھا۔ اور اس سے پہلے میں یہ کہہ رہا تھا کہ یہ کیفیات کفار کو بھی حاصل ہو جاتی ہیں تو جو چیز کافر کو بھی حاصل ہو سکے اس

کے درپے نہ ہونا چاہئے اور نہ ان کیفیات کے حصول پر اکتفا کرنا چاہئے کیونکہ نجات کا مدار اعمال مکسوبہ ہے۔ ان کیفیات سے قرب و نجات میں کچھ زیادہ ترقی نہیں ہوتی (ہاں یہ ضرور ہے کہ عادۃ عمل بروعن الکیفیۃ سے عمل مع الکیفیۃ میں خود شان اکتساب کی زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے وہ اکمل ہونے کے سبب افضل ہو گا۔ ۱۲) غرض خدا کا راستہ سن کر کفار کو بھی حرکت ہوتی ہے اور وہ بھی ایک دفعہ کو بے اختیار اس راستہ پر چلنے کو تیار ہو جاتے ہیں کیونکہ خدا تعالیٰ سے سب کو محبت ہے جس کی وجہ سے جس چیز کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف ہو جائے اس سے بھی محبت ہوتی ہے۔ آگے ارشاد ہے کہ بس لذت نسبت ہی پر کفایت نہ کرنا بلکہ آگے بڑھو اور کام کرو۔ فاتبعوہ۔ کہ اس راستہ کا اتباع کرو اس پر چلو۔ کیونکہ یہی وہ چیز ہے جو کافر سے نہیں ہو سکتی۔ کیفیات تو کفار کو بھی حاصل ہو سکتی ہیں مگر صراط خداوندی کا اتباع کافر سے بحالت کفر نہیں ہو سکتا یہ تو تمہید تھی اب میں مقصود کو عرض کرتا ہوں جو مختصر ہی ہے اور مقصود تو ہمیشہ مختصر ہے اور تمہید اس کی بہت ہی ہوتا ہے جیسے روٹی مختصر ہے اور تمہید اس کی بہت لمبی ہے یہ تو حسیات میں ہے اور طریق باطن میں بھی مقصود مختصر اور تمہید مطول ہوتی ہے۔

تمام سلوک کا خلاصہ

چنانچہ مولانا گنگوہی کا ارشاد ہے کہ سلوک کا جو حاصل پندرہ سال کے بعد معلوم ہوا ہے اگر پہلے معلوم ہوتا تو اس کے لئے ہم اتنا وقت صرف نہ کرتے میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ حاصل پندرہ برس کی محنت سے پہلے معلوم ہی کیوں ہوتا (اور یہ بھی حضرت قدس سرہ کا کمال تھا کہ ان کو پندرہ برس میں خلاصہ معلوم ہو گیا بہت سوں کو تو تیس اور چالیس سال کے بعد جا کر کہیں مقصود کا پتہ لگتا ہے ۱۲) بس یہ مختصر ایسا ہے جیسے ایک بڑے دفتر حساب کا خلاصہ میزان کل ایک سطر میں لکھا ہوتا ہے کہ کل میزان دس ہزار پانچ سو دس ہے مثلاً" یہ لفظ تو ایک سطر سے کم میں بھی آجائے گا مگر کیا آپ میزان کو بدون تمام دفتر جمع کئے معلوم کر سکتے تھے ہرگز

نہیں غرض حق تعالیٰ نے یہاں تو صراط کو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے اور ایک جگہ رسول اللہ ﷺ کی طرف اس کی اضافت فرمائی ہے۔ **قُلْ هٰذِهٖ سَبِیْلِیْۤ اَدْعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِیْرَةٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِیْ** اور ایک مقام پر انبیاء و علماء سب کی طرف اس کی اضافت ہوئی ہے **وَاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ** اور ایک مقام پر خود سالک کی طرف اضافت کی گئی ہے۔ **فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِیْلًا** گو یہ اضافت صریح نہیں مگر سالک کو اس طریق کے ساتھ تلبس ہونے پر یہ آیت ضرور دال ہے کیونکہ لفظ سبیل اس میں اتخذ مفعول بہ ہے اور فاعل سالک ہے اور متخذ و متخذ میں تلبس ضرور ہوتا ہے اور اضافت سے میری یہی مراد ہے۔ اضافت نحویہ مراد نہیں۔

اضافات متعددہ کی شان

اب ان اضافات متعددہ کے اسباب سنیئے حق تعالیٰ کی طرف تو اس طریق کی اضافت اس لئے ہے کہ وہ واضع طریق ہیں اور منتہائے طریق ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی طرف اس لئے ہے کہ آپ داعی اور مبلغ ہیں۔ اور یہی وجہ نسبت الی العلماء کی ہے۔ اور سالک کی طرف اضافت کا منشا یہ ہے کہ وہ طالب سبیل ہے اور فقہاء نے اصول میں بیان فرمایا ہے کہ جہاں ایک چیز دو کی طرف منسوب ہو وہاں ان دونوں چیزوں میں غایت تعلق ہوتا ہے۔ چنانچہ اصولیین نے حرمت مصاہرت کے مسئلے میں اس کی تقریر کی ہے اور بیان فرمایا ہے کہ ولد منسوب ہے واطی اور موطو کی طرف اس لئے کہ ان دونوں میں تعلق قوی ہوگیا پس دونوں کے اصول و فروع ایک دوسرے پر حرام ہو جائیں گے تو ایسے ہی یہاں سمجھئے کہ سبیل حق کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف بھی ہے اور رسول اللہ کی طرف بھی یہ غایت تعلق مع الرسول کی دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے حق تعالیٰ کو بہت تعلق ہے اور منشاء اضافت الی الرسول کا یہ ہے کہ آپ داعی الی طریق اللہ ہیں جس کی طرف **ادعوا الی اللہ** میں اشارہ ہے اور یہی شان علماء میں بھی موجود ہے۔

مگر بواسطہ رسول کے رسول اللہ ﷺ میں یہ شان بلاواسطہ ہے پس واسطہ اور بلا واسطہ کا فرق ہے۔ مگر نفس نسبت مشترک ہے۔ تو قاعدہ مذکورہ بالا کے موافق یہ اس کی دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو علماء سے بہت تعلق ہے اور اللہ تعالیٰ کو بھی بواسطہ رسول اللہ ﷺ کے علماء سے بہت تعلق ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جب یہ نسبت مشترک اور سالک کی طرف بھی اس کی اضافت ہے تو جو اس راستہ پر چلنا شروع کرتا ہے۔

اتباع علماء کی ضرورت

اس سے بھی اللہ تعالیٰ کو اور رسول اللہ ﷺ کو خاص تعلق ہو جاتا ہے جب یہ سمجھ گئے تو اب سنو! کہ مجھے یہاں سے ایک مسئلہ مستنبط کرنا ہے جس کا حاصل یہ شعر ہے۔

چونکہ گل رفت و گلستاں شد خراب
بوئے گل را از کہ جوئیم از گلاب
چونکہ شد خورشید و مارا کرد داغ
چارہ نبود در مقامش از چراغ

یعنی اس وقت مجھے علماء کی شان بیان کرنا اور ان کا درجہ بتلانا ہے جو اس اضافت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت جو شخص اللہ تعالیٰ تک پہنچنا چاہے اور خدا تعالیٰ کو راضی کرنا چاہے اس کے لئے بجز اتباع علماء کے کوئی صورت نہیں کیونکہ حضور ﷺ کی وفات ہو چکی ہے گو حضور ﷺ کی وفات بھی حیات ہی ہے مگر حیات صوریہ کے مقابلہ میں اس کو وفات کہنا ضرور صحیح ہے ہاں اللہ تعالیٰ حی لایموت ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ سے بجز انبیاء علیہم السلام کے بلاواسطہ کوئی مستفید نہیں ہو سکتا۔ اور ہم تو صحابہ کی طرح حضور ﷺ سے بھی بلاواسطہ مستفید نہیں ہو سکتے تو اب بجز اتباع علماء کے ہمارے لئے دین پر چلنے کی کوئی صورت نہیں رہی۔

آج کل کے حضرات مدعی اجتہاد کے احوال

مگر حالت یہ ہے کہ بہت لوگوں کو اتباع علماء سے آج کل عار ہے بلکہ بعض کو تو اتباع ائمہ سے بھی عار ہے آج کل بعض لوگوں کو مشکوۃ و بخاری کا ترجمہ پڑھ کر اجتہاد کا دعوئی ہے مگر اس اجتہاد کی حالت یہ ہے کہ ایک عامل بالحدیث تنہا نماز پڑھتے تو سکون سے پڑھتے اور امامت کرتے تو خوب ہل ہل کر نماز پڑھتے کسی نے ان کو ٹوکا کہ تم امامت کے وقت اس قدر کیوں ہلتے ہو تو کہا حدیث میں اس کا حکم آیا ہے اور مشکوۃ کا ترجمہ نکال کر لائے جس میں **من ام منکم فلیخفف** کا ترجمہ لکھا تھا کہ جو شخص امام بنے وہ ہلکی نماز پڑھے مجتہد صاحب نے ہلکی کو ہل کے پڑھا اور نماز میں ہلنے لگے صاحبو! میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آج کل دعوئی اجتہاد وہی کرتا ہے جس کو علم سے مس بھی نہیں ورنہ صاحب علم کبھی دعوئی اجتہاد نہیں کر سکتا کیونکہ جب کمال علم حاصل ہوتا ہے اس وقت معلوم ہوتا ہے کہ ہم جاہل ہیں چنانچہ مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ عمر بھر پڑھنے پڑھانے کا یہ نتیجہ نکلا کہ ہم جہل مرکب سے جہل بسیط میں آگئے۔ بھلا ایسا شخص دعوئی اجتہاد کیوں کر سکتا ہے۔ بس مدعی وہ لوگ ہیں جن کو علم کی ہوا بھی نہیں لگی۔ ان کو اجتہاد کی حقیقت بھی معلوم نہیں۔

اجتہاد امر ذوقی ہے

ایک صاحب نے ریل میں مجھ سے سوال کیا تھا کہ اجتہاد کسے کہتے ہیں؟ میں نے کہا کہ تم اس کی حقیقت اصطلاحی الفاظ میں تو کیا سمجھو گے میں ایک مثال سے اس پر تنبیہ کئے دیتا ہوں بتلاؤ اگر دو شخص سفر میں ہوں اور صبح کی نماز کا وقت آئے اور پانی موجود نہ ہو اس لئے دونوں کو تیمم کرنا پڑے مگر ایک نے تو وضو کا تیمم کیا۔ دوسرے نے بوجہ رات کو احتلام ہو جانے کے غسل کا تیمم کیا تو ان دونوں میں سے امام کون بنے اور کس کی امامت افضل ہے۔ کہا کہ اس شخص کی جس نے وضو کا تیمم کیا ہے کیونکہ طہارت تو دونوں کو برابر حاصل ہے اور حدث ایک کا اصغر ہے اور دوسرے کا اکبر اس لئے وضو کے تیمم والے کی طہارت اقویٰ

ہے میں نے کہا یہ تو تمہارا اجتہاد ہے۔ اب سنو فقہا نے تیمم غسل والے کو امامت کے لئے افضل فرمایا ہے وہ یہ بات سن کر بڑے حیران ہوئے اور وجہ پوچھنے لگے کہ فقہاء نے یہ بات کہاں سے فرمائی میں نے کہا کہ فقہاء فرماتے ہیں کہ جب پانی موجود نہ ہو تو تیمم طہارت کاملہ ہے حدث اکبر کے لئے بھی اور حدث اصغر کے لئے بھی جب تیمم طہارت کاملہ ہے۔ تو جس نے غسل کا تیمم کیا ہے وہ افضل ہے کیونکہ نائب اکمل کا اکمل ہے اس لئے غسل والے کا تیمم اکمل ہے (اسی طرح عطاء ابن ابی رباح سے سوال کیا گیا کہ عورتیں اگر باہم جماعت کریں تو امامت کے لئے ان میں کون افضل ہے فرمایا کہ جو حاملہ ہو **لکون طھرھا اکمل من طھر غیر الحامل لبرائتھا من الحیض مادامت حاملا**" یہ جواب غیر مجتہد کبھی نہیں دے سکتا) اس دلیل کو سن کر ان کی آنکھیں کھل گئیں اور کہنے لگے واقعی اجتہاد کرنا انہی حضرات کا کام تھا۔ صاحبو! تم جب چاہو امتحان کر لو کہ حدیث سے بیس احکام تم مستنبط کرو اور وجہ استنباط پیش نظر رکھو۔ پھر ان احکام کے متعلق فقہاء کا کلام اور ان کا استدلال معلوم کرو تو واللہ خود قسم کھا کر کہو گے کہ فقہاء حدیث اور قرآن کو خوب سمجھتے ہیں۔

عمل بالحدیث کا مفہوم

اہل حدیث کو فقہاء پر یہ اعتراض ہے کہ یہ احادیث کے خلاف مسائل بیان کرتے ہیں میں اس کا یہ جواب دیتا ہوں کہ عمل بالحدیث کے معنی اگر عمل بکل الحدیث ہے تو اس معنی کے تو تم بھی عامل بالحدیث نہیں کیونکہ بہت سی احادیث کو جو حنفیہ کے موافق ہیں تم چھوڑتے ہو۔ اور اگر اس کے معنی عمل ببعض الحدیث ہیں تو اس معنی کے ہم بھی عامل بالحدیث ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ تمہارے دلائل بخاری و مسلم میں ہیں۔ اور ہمارے دلائل مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف عبدالرزاق میں ہیں وہ بخاری مسلم کے بھی استاد اور استاد الاستاد ہیں گو شاگرد زیادہ مشہور ہو جائے پھر اس کی کیا وجہ کہ تم ائمہ فقہاء کو حدیث کا مخالف کہتے اور

ان پر طعن کرتے ہو اور دراصل ہم کو غیر مقلدوں سے اسی کی زیادہ شکایت ہے کہ وہ ہمارے ائمہ کو برا کہتے ہیں اگر وہ ائمہ کو برا نہ کہیں تو تقلید یا ترک تقلید سے ہم کو زیادہ بحث نہیں یہ تو ہر شخص کا خدا کے ساتھ اجتہادی معاملہ ہے خواہ تقلید سے خدا کو راضی کر لے یا ترک تقلید سے ہمارا اجتہادی خیال یہ ہے کہ ہم بدون تقلید کے دین پر عمل نہیں کر سکتے اگر کسی کا اجتہادی خیال یہ ہے کہ ترک تقلید سے بھی دین پر عمل ہو سکتا اور خدا راضی ہو سکتا ہے تو اس کو اختیار ہے ہم اس کے ساتھ نہ الجھیں گے مگر اس کی کیا وجہ کہ وہ مقلدوں سے الجھتے ہیں اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ہمارے ائمہ کو برا کہتے ہیں۔ حالانکہ ہم ان کے ائمہ کو برا نہیں کہتے بلکہ ہم تمام محدثین کو بھی اپنا امام سمجھتے اور ان کی عظمت کرتے ہیں۔ اور کسی کی تحقیر کو جائز نہیں سمجھتے۔

مدعیان عامل بالحدیث کو دو نصیحتیں

ایک دفعہ میں قنوج گیا تو غیر مقلدوں نے میری دعوت کی حنفیوں نے تو مجھے منع کیا اور کہا کہ ان لوگوں کا کیا اعتبار کہیں سنکھیا نہ دیدیں مگر میں نے دعوت قبول کی اور کھانے کے بعد یا قبل ان سے کہا کہ میں آپ کا بالقوہ یا بالفعل نمک خوار ہو گیا ہوں اس لئے میرے ذمہ آپ کی خیر خواہی لازم ہو گئی۔ اس خیر خواہی کی بناء پر میں آپ کو دو نصیحت کرتا ہوں ایک یہ کہ بدگمانی نہ کرو۔ دوسرے یہ کہ بدزبانی نہ کرو غیر مقلدوں میں یہ دو مرض زیادہ غالب ہیں۔ اسی وجہ سے وہ ائمہ کو حدیث کا مخالف سمجھتے ہیں ان کے نزدیک تاویل وقیاس کے معنی مخالفت حدیث ہیں۔ گو وہ مستند الی الدلیل ہی ہو۔

ایک عامی کا عجیب استدلال

ایک عامی نے ایک غیر مقلد عالم کو اسی بناء پر سخت الزام دیا۔ ان سے پوچھا کہ من ترک الصلوۃ متعمدا فقد کفر کے کیا معنی ہیں کہا کہ معنی کیا ہوتے۔ تاویل ہی

کی کیا ضرورت ہے بس جو نماز نہ پڑھے وہ کافر ہے عامی نے کہا کہ حنفی لوگ امام کے پیچھے فاتحہ نہیں پڑھتے اور حدیث میں ہے کہ **لاصلوۃ لمن لم یقرابام الکتاب** تو یہ لوگ آپ کے اصول پر کہ اس میں کچھ تاویل نہیں تارک صلوۃ ہوئے اور تارک صلوۃ کافر ہے تو کیا حنفی سب کافر ہیں جناب وہ عالم دم بخود ہو گئے اور ایسے خاموش ہوئے کہ کچھ جواب نہ بن پڑا کیونکہ وہ محض اس بات پر ان کی تکفیر نہیں کرتے پس نہ حنفیوں کو کافر کہہ سکے اور نہ حدیث میں تاویل کر سکے کیونکہ تاویل اور قیاس کرنا ان کے نزدیک شرک و کفر میں داخل ہے مگر عامی نے ان کو الزام دے کر بتلا دیا کہ بدون تاویل و قیاس کے چارہ نہیں اور یہ الزام دینے والا ایک عامی لوہار تھا۔ غرض مشکوۃ و بخاری کا ترجمہ دیکھ کر اجتہاد کرنا جاہلوں کا کام ہے۔ اپنے منہ میاں مٹھو بننا اور بات ہے مگر وہ کسی محقق عالم کے سامنے اپنے اجتہادات بیان کریں تو حقیقت معلوم ہو جائے وہ ان کے سب اجتہادیات کی قلعی کھول کر رکھ دے گا اور ان سے اقرار کرائے گا کہ تم اجتہاد کے ہرگز اہل نہیں اسی لئے کہا گیا ہے۔

ہمائے بصاحب نظرے گوہر خود را
عیسٰی نتواں گشت بتصدیق خرے چند

عارف فرماتے ہیں۔

شاہد آں نیست کہ موے و میانے دارد
بندہ طلعت آں باش کہ آنے دارد

اجتہاد ایک خاص آن ہے جو امر ذوقی ہے محض کتابوں کے یاد کر لینے کا نام اجتہاد نہیں۔

نہ ہر کہ چہرہ بر افروخت دلبری داند
نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند
ہزار نکتہ باریک تر ز مو اینجاست

نہ ہر کہ سر بتراشید قلندری داند

البتہ دو علموں میں اب بھی اجتہاد باقی ہے۔ ایک طب باطنی میں ایک ظاہری میں جو شخص ان میں مجتہد نہ ہو اس کو علاج کرنا جائز نہیں۔

علماء کو احکام شریعت کے دلائل و حکم بیان نہ کرنے کی ضرورت

میں یہ کہہ رہا تھا کہ آج کل عوام کو اتباع علماء سے عار ہے حتیٰ کہ بعض کو ائمہ کے اتباع سے بھی عار ہے مگر وہ یاد رکھیں کہ خدا کا راستہ بدوں اتباع علماء و اتباع ائمہ کے نہیں مل سکتا عوام اگر خدا تک پہنچنا چاہتے ہیں تو ان کے لئے طریقہ یہی ہے کہ علماء سے احکام پوچھ پوچھ کر ان کا اتباع کریں ان کو علماء سے دلائل و حکم دریافت کرنے کا حق نہیں صرف احکام دریافت کرنے کا حق ہے اور علماء کو بھی چاہئے کہ عوام کے سامنے دلائل و حکم بیان نہ کیا کریں۔ میرا یہی طرز ہے۔ چنانچہ علی گڑھ میں ایک پروفیسر نے جو عربی ادب کے بڑے ماہر تھے مجھ سے ایک حدیث کا متن پڑھ کر جس میں آیا ہے کہ زنا کی کثرت سے طاعون پھیلتا ہے سوال کیا کہ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی میں نے کہا حدیث کا مدلول سمجھ میں نہیں آیا جنایت و عقوبت میں وجہ ربط سمجھ میں نہیں آئی۔ کہا ربط سمجھ میں نہیں آیا میں نے کہا کہ ربط کے سمجھنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اس پر کوئی دین کا کام اٹکا ہوا نہیں ہے آپ بدون علم ربط ہی کے حدیث پر ایمان رکھئے کہا اس میں ایک نفع ہے میں نے کہا وہ کیا۔ کہا زیادت اطمینان کے مطلوب ہونے کی کیا دلیل؟ کہا دلیل اس کی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ارشاد **وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِىْ** میں نے کہا یہ کیا ضرور ہے کہ جو چیز حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نافع تھی وہ آپ کو بھی نافع ہو بس اس پر وہ خاموش ہو گئے علماء کو عوام کے ساتھ یہی طرز اختیار کرنا چاہئے کہ دلائل و حکم و اسرار ان کے سامنے بیان نہ کریں اس سے ان کا دماغ خراب ہوتا ہے۔ پھر وہ کوئی حکم بدون علت و حکمت معلوم کئے بغیر قبول نہ کریں گے اور بعض احکام کی

علل و حکم دقیق ہوتی ہیں عوام بیان کے بعد بھی ان کو نہیں سمجھ سکتے۔ وہاں عوام یا تو عمل ترک کریں گے یا علماء علت و حکمت کے سمجھانے میں اپنا دماغ اور وقت ضائع کریں گے اس سے بہتر یہی ہے کہ عوام کے سامنے صرف احکام بیان کئے جائیں یہ تو علماء کا کام ہے اور عوام کا فرض یہ ہے کہ علماء کا اتباع کریں خود اجتہاد نہ کریں ان سے احکام دریافت کریں۔ علل و حکم دریافت نہ کریں۔

بڑا بننا سخت خطرہ کی بات ہے

علماء کو ایک بات کی اور نصیحت کرتا ہوں وہ یہ کہ جس کے سر پر بڑے موجود ہوں اس کو اپنی شہرت کی کوشش نہ کرنا چاہئے بلکہ جہاں تک ہو اپنے کو گم کرو۔ گمنامی میں رہو کیونکہ بڑا بننا سخت خطرہ کی بات ہے۔ اور شہرت سے دنیوی مصائب کا دروازہ بھی کھل جاتا ہے۔ مولانا فرماتے۔

خویش را رنجور ساز وزار زار
تا ترا بیروں کنند از اشتہار
اشتہار خلق بند محکم است
بند ایں از بند آہن کے کم است
چشمہاؤ خشمہاؤ اشکہا
بر سرت ریزد چو آب از مشکہا

یعنی اشتہاری آدمی مجرم ہوتا ہے (یہ لطیفہ ہے) یہ تو آج کل قانون بھی ہے پس سلامتی اسی میں ہے کہ چھوٹے بن کر رہو اس میں دین کی بھی سلامتی اور دنیا کی بھی اور جس کے سر پر کوئی بڑا نہ ہو اس کے لئے میں دوسرا طریقہ بتلاتا ہوں اور اس کے مستحسن ہونے پر قسم کھا سکتا ہوں وہ یہ کہ اپنے چھوٹوں سے مشورہ کیا کرے۔ ان شاء اللہ غلطیوں سے محفوظ رہے گا۔ اس کے بعد میں ایک نئی بات کہتا ہوں جو اکثر لوگوں کے ذہن میں نہیں ہے کہ مرید کو شیخ کی رائے سے مخالفت کا حق نہیں اگرچہ دوسری شق بھی مباح ہو کیونکہ مرید کا تعلق شیخ سے استاد شاگرد جیسا

میں ہے بلکہ اس طریق میں مرید شیخ کا معاملہ ایسا ہے جیسے مریض اور طبیب کا معاملہ ہے کہ مریض کو فتوی طبیب کی مخالفت جائز نہیں ایسے ہی یہاں مرید مریض ہے اور شیخ طبیب ہے اس لئے مرید کو شیخ کی مخالفت جائز نہیں وہاں دوسرا شیخ اس شیخ کے اجتہاد سے مزاحمت کر سکتا ہے جیسے ایک طبیب دوسرے طبیب سے مزاحمت کر سکتا ہے مگر مرید تو تربیت میں طبیب نہیں اور جب تک طبیب نہیں اس وقت تک مریض ہے پس اسکے ذمہ اتباع قول طبیب لازم ہے ہاں یہ شرط ہے کہ اس کا قول خلاف شریعت نہ ہو۔ اگر مرید کے نزدیک شیخ کا قول خلاف شرع ہو تو مخالفت جائز بلکہ لازم ہے مگر ادب کے ساتھ (گو واقع میں خلاف شریعت نہ ہو مگر یہ تو اپنے علم کا مکلف ہے ۱۲)

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کا ذوق

جیسے حضرت سید صاحب بریلوی کو شاہ عبدالعزیز صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے تصور شیخ تعلیم فرمایا تو سید صاحب نے اس سے عذر کیا کہ مجھے اس سے معاف فرمایا جائے۔ شاہ صاحب نے فرمایا۔

بمے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود زراہ و رسم منزلہا

سید صاحب نے عرض کیا کہ مے خواری تو ایک گناہ ہے۔ آپ کے حکم سے میں اس کا ارتکاب کر لوں گا پھر توبہ کر لوں گا۔ مگر تصور شیخ تو میرے نزدیک شرک ہے اس کی کسی حال میں اجازت نہیں حضرت شاہ صاحب نے یہ جواب سن کر سید صاحب کو سینہ سے لگا لیا کہ شاباش جزاک اللہ تم پر مذاق توحید و اتباع سنت غالب ہے اب ہم تم کو دوسرے راستہ سے لے چلیں گے تصور شیخ وغیرہ کی کچھ ضرورت نہیں۔ غرض نبوت تو ختم ہو چکی ہے مگر سبیل حق منقطع نہیں ہوا۔ اس کو علماء سے معلوم کرو اور یہ رحمت ہے کہ نبوت ختم ہو گئی۔ ورنہ انکار نبوت سے کفر لازم آجاتا اور بہت سے مسلمان نبی کے انکار سے کافر ہو جاتے اب کفر سے تو بچ گئے

کیونکہ حضورؐ کے بعد کوئی نبی نہیں پس حضورؐ کے بعد کسی امتی کے انکار سے کفر لازم نہ آئے گا ہاں گناہ لازم آئے گا۔ اگر علماء و مجتہدین سے مخالفت و منازعت کی گئی ہے۔

مجتہدین کا وجود رحمت خداوندی ہے

صاحبو! مجتہدین کا وجود بھی ہمارے حق میں رحمت ہے کہ ان حضرات نے محنت کر کے احکام دین کو مدون کیا اور ہم کو پکی پکائی روٹی ملی ہے۔ مگر بعض لوگ یوں کہتے ہیں کہ ہم تو خود ہی پکائیں گے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بہت اچھا پکا کر دیکھ لو۔ پھر دونوں کا موازنہ کر لو۔ خود فرق واضح ہو جائے گا بس اجتہاد نہ کرو۔ بلکہ اہل اجتہاد کا اتباع کرو۔ مجتہدین فی الاحکام الظاہرہ کا بھی اور مجتہدین فی الاحکام الباطنہ کا بھی تو یہ سبیل حق قیامت تک بواسطہ علماء کے باقی رہے گا جو اتباع علماء ہی سے آپ کو مل سکتا ہے۔ بدون اس کے راستہ نہیں مل سکتا۔ مقصود تو ختم ہو گیا اب ایک بات باقی رہی کہ اس سبیل کی اضافت سالک کی طرف جو کی گئی ہے یہ باعتبار غایت ہونے کے ہے۔ کیونکہ یہ اس کا مقصود ہے۔ سالک نہ اس کا موجد ہے نہ مبلغ و داعی ہے۔ نہ داعی کا وارث ہے۔

خلاصہ وعظ

خلاصہ یہ کہ حق تعالیٰ کو علماء سے خاص تعلق ہے۔ پس علماء کو چاہئے کہ وہ بھی حق تعالیٰ سے خاص تعلق پیدا کریں تاکہ فیض میں برکت ہو محض تعلق علم کافی نہیں بلکہ تعلق عملی و حالی کی ضرورت ہے اور عوام کو علماء سے خاص تعلق پیدا کرنا چاہئے۔ یعنی تعلق اتباع کہ ان کو خدا تعالیٰ سے بواسطہ علماء ہی کے تعلق ہو سکتا ہے۔ اب میں ختم کرتا ہوں کیونکہ وقت زیادہ نہیں ہے جن حضرات کی فرمائش سے یہ بیان ہوا ہے وہ اسی ریل سے جانے والے ہیں اور اب ریل کا وقت قریب آگیا ہے۔ پس دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو فہم سلیم اور عمل کی توفیق عطا فرمائیں

وصلی اللہ علی سیدنا و مولانا محمد و علی الہ و اصحابہ اجمعین

اسباب الفضائل

فضائل کے اسباب

فضائل دینیہ کے طالبین کی اصلاح کے متعلق جامع مسجد دیوبند میں ۹ صفر ۱۳۳۴ ہجری یوم جمعہ سوا دو گھنٹہ کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا جسے مولانا محمد عبداللہ صاحب نے قلم بند فرمایا۔ سامعین کی تعداد ۱۵۰۰ تھی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نومن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلاھادی لہ ونشھدان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ ونشھدان سیدنا محمد اعبدہ و رسولہ وصلی اللہ تعالی علیہ و علی الہ واصحابہ وبارک وسلم۔

امابعد۔ فَاَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰہُ بِہٖ بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اکْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اکْتَسَبْنَ وَاسْئَلُوا اللّٰہَ مِنْ فَضْلِہٖ اِنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا۔

ترجمہ۔ (اور تم اپنے کسی امر کی تمنا مت کیا کرو اللہ تعالی نے بعضوں کو بعضوں پر فوقیت بخشی ہے مردوں کے لئے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے اور عورتوں کے لئے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے اور اللہ تعالی سے اس کے فضل کی درخواست کیا کرو بلاشبہ اللہ تعالی ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔

فضائل دینیہ سے متعلق اغلاط العوام

یہ ایک آیت ہے سورہ نساء کی جس میں حق سبحانہ و تعالی نے بعض ان غلطیوں کی اصلاح فرمائی ہے جو فضائل دینیہ کے مختلف لوگوں کو واقع ہو جاتی ہیں یہ خلاصہ اور حاصل ہے اس آیت کا اور وہ غلطیاں مختلف و متعدد ہیں اور ان کے تعدد کی وجہ سے لوگوں کے متعدد طبقے ہیں۔ اول طبقہ تو وہ ہے کہ جن کو فضائل کا اہتمام ہی نہیں اور نہ ان کے حاصل کرنے کی سعی کرتے ہیں اور وجہ اس عدم اہتمام کی یہ ہے کہ فضائل دینیہ کو فضائل میں شمار ہی نہیں کرتے۔ اس لئے ان کو وہ مطلوب ہی نہیں اور ان سے بڑھ کر وہ طبقہ ہے جو فضائل دینیہ کو (نعوذ باللہ) فضول سمجھتے ہیں بلکہ طالبات فضائل کے ساتھ تمسخر کرتے ہیں۔ بکثرت ایسے لوگ بھی اہل اسلام میں موجود ہیں الحمد للہ اکثر تو نہیں ہیں اور خدا تعالی وہ دن نہ

کرے کہ اکثر ہوں لیکن کثیر ضرور ہیں اور منشاء ان کے تمسخر اور فضول سمجھنے کا یہ ہے کہ وہ دنیا کی اس درجہ پرستش کرتے ہیں کہ اسی کو اپنا قبلہ توجہ بنا لیا۔ ہے اس لئے وہ دین اور فضائل دینیہ کے طالبوں سے تمسخر کرتے ہیں اور عام صلحاء سے گذر کر علماء سے استہزاء سے پیش آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان علماء ہی نے مسلمانوں کی راہ ماری ہے ان سے جب سنا جاتا ہے دین ہی کا سبق سنا جاتا ہے دنیا کی ضرورت سے یہ بے خبر ہیں کبھی ان سے دنیا کے متعلق کوئی مضمون ہی مسموع نہیں ہوتا حالانکہ اگر دنیا نہ ہو تو یہ لوگ جو مفت کی روٹیاں کھا رہے ہیں یہ ان کو کہاں سے ملے کس قدر کم عقل ہیں کہ جس درخت پر بیٹھے ہیں اسی کی جڑ کاٹتے ہیں ان سے زیادہ احمق کون ہوگا۔ اور کہتے ہیں کہ ان کے وجود سے کوئی نفع نہیں بلکہ ضرر ہے کہ مسلمانوں کی ترقی کو انہوں نے بند کر دیا ہے ہم کو اس طبقہ سے مفصل گفتگو کی ضرورت نہیں اس لئے مفصل دلائل عقلیہ کی ضرورت تو اس وقت ہو جبکہ یہ کتاب و سنت کو نہ مانتے ہوں اور جبکہ مسلمان ہیں اور کتاب و سنت کے معتقد ہیں اس لئے ہم کو وہ آیات یا احادیث پیش کر دینا کافی ہیں جو ان کے دعوے کے صریح معارض ہیں ہاں جو اس میں واقعی شبہات پیدا ہوں ان کا دفع کرنا ہمارے ذمہ ضروری ہے باقی عناد کا جواب بجز اس کے ہمارے پاس کچھ نہیں ہے کہ **لَنَا اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ** (ہمارے عمل ہمارے لئے اور تمہارے عمل تمہارے لئے) بہرحال اس وقت ہم کو ردو قدح کی ضرورت نہیں۔

دنیا کی ضرورت بدیہی ہے

مختصر طور سے اہل کو یہ کافی ہے کہ غور کرنا چاہیے کہ ان حضرات کا طعن اور استہزاء علماء ہی تک محدود نہیں رہتا اس کی نوبت تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام عمر بحکم الٰہی مخلوق کو دین کی طرف بلایا ہے اور دنیا اور اہل دنیا کی مذمت فرمائی ہے اور دنیا کے کام جو تبعاً" واستطراداً" للدین کئے ہیں سو یہ امر آخر ہے گفتگو تو اس میں ہے کہ دنیا کی

طرف ترغیب دینا سو یہ کبھی کسی نبی نے نہیں کیا اور دنیا کی طرف ترغیب دینے کی ضرورت بھی نہیں اس کی طرف تو پہلے سے رغبت موجود ہے فطری طور سے ہر شخص بلکہ ہر ذی روح کھانے پینے کی ضرورت کا احساس کرتا ہے سو جو امر ایسا ہو کہ اس کی طرف فطری طور سے انجذاب ہو اس کی طرف کیا ضرورت ہے کہ انبیاء و علماء و مصلحین قوم ترغیب دیں۔ ہر وقت ہر آدمی کے اندر دو واعظ ایسے ہیں کہ جو اس کی طرف مائل کرتے ہیں جس میں ایک کا نام پیٹ ہے اور دوسرے کا نام پیٹھ ہے یہ دو واعظ ایسے ہیں جو ہزاروں واعظوں کا مقابلہ کرتے ہیں پس جو شے اتنی بدیہی ہو انبیاء کو کیا ضرورت ہے کہ اس کے اندر اپنا وقت ضائع کر دیں اور قطع نظر اس کے کہ دنیا کی ضرورت محسوس ہے یا نہیں اور اس کی ترغیب کی ضرورت ہے یا نہیں۔

حضرات انبیاءؑ کی بعثت کی غرض

آپ غور فرمایئے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کس لئے مبعوث ہوئے ہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشرف الانبیاء ہیں کوئی کمال انبیاء سابقین میں ایسا نہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ ہو۔ آپؐ کی بعثت کی غرض کو بیان کر دینا گویا سب انبیاء کی بعثت کی غرض کو بیان کر دینا ہے۔ اللہ تعالی نے آپ کی تشریف آوری کی غرض قرآن مجید میں اس طرح بیان فرمائی۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ یعنی بیشک اللہ تعالی نے احسان فرمایا مومنین پر جبکہ بھیجا ان میں ایک رسول انہیں میں سے کہ پڑھتے ہیں ان پر اللہ تعالی کی آیتیں اور پاک کرتے ہیں ان کو اور سکھلاتے ہیں ان کو کتاب اور حکمت اور بیشک تھے وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں اس آیت سے معلوم ہوا کہ فرض منصبی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا محض دین تھا۔

دنیا کی ترغیب علماء کے ذمہ نہیں

اور علماء ورثۃ الانبیاء ہوتے ہیں پس آپ کے ورثہ سے اس کے خلاف کی کیسے توقع ہو سکتی ہے اور اگر وہ ایسا کریں تو وہ سچے وارث نہیں ہیں اور اس سے بڑھ کر میں عرض کرتا ہوں کہ جو حضرات علماء کو یہ رائے دے رہے ہیں کہ وہ دنیا کی ترغیب دیں اگر خدانخواستہ علماء ان کی رائے کے موافق عمل کرنے لگیں تو ذرا اپنے وجدان کی طرف غور کریں کہ ان کے بارہ میں کیا فتوی ان حضرات کا ہو گا سب سے پہلے یہی حضرات ان علماء سے بد اعتقاد ہو جائیں گے غرباء جو محب دین ہیں وہ تو ان علماء کے فعل کو کسی محمل حسن پر بھی محمول کر لیں گے اور تاویل کریں گے کہ میاں کوئی ضرورت دینی ہو گی لیکن یہ حضرات سب سے پہلے مخالف ہوں گے اور کہیں گے کہ میاں ان کو دنیا کے قصوں میں گھسنا کیا زیبا تھا انہوں نے کیوں خواہ مخواہ اس میں ٹانگ اڑائی چنانچہ جو عالم اس قسم کے ہیں ان کو لوگ سب کچھ کہتے ہیں اور سارا اعتقاد رخصت ہو جاتا ہے علم و فضل کا اقرار اسی شخص کا کرتے ہیں جس کو سمجھتے ہیں کہ دنیا سے اس کو کم تعلق ہے۔ مسائل کی تحقیق کا جب وقت آتا ہے تو اسی عالم کی طرف رجوع کرتے ہیں جو تارک الدنیا ہو اور جو عالم اہل دنیا سے ملتا ہو اور دنیوی قصوں میں دخیل ہو اس کا اعتبار نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ میاں وہ تو دنیا دار ہیں اس کا کچھ اعتبار نہیں ہے عجیب بات ہے کہ جس مسلک کو وہ خود اپنے برتاؤ سے مذموم سمجھتے ہیں علماء کو اس کی طرف بلانا چاہتے ہیں۔

علماء کی اصل ذمہ داری

پس علماء کا کام صرف دین کی ترغیب دینا اور دنیا میں انہماک سے بچانا ہے ان کا یہی بڑا احسان ہے کہ اگر کسی کو راغب الی الدنیا دیکھیں تو اس کو مانع نہ ہوں۔ علماء پر اس اعتراض اور رائے دینے کی میں نے ایک مثال تجویز کر رکھی ہے کہ جس کو میں نے پہلے بھی متعدد بار بیان کیا ہے اس مثال سے یہ مضمون خوب منقح ہو جاتا ہے وہ یہ ہے کہ ایک مریض جو سالہا سال سے مرض دق میں مبتلا ہے لیکن ابھی تک لا علاج نہیں ہوا معالجہ کی غرض سے مثلاً" حکیم محمود خاں کے

پاس دہلی گیا اور حکیم صاحب کا مکان تلاش کر کے ان کی خدمت میں پہنچا حکیم صاحب کو نبض دکھائی انہوں نے نسخہ لکھ دیا جب نسخہ لیکر ان کے مکان سے نکلا تو دیکھا کہ ان کی دہلیز میں ایک چمار بیٹھا جوتی سی رہا ہے چمار نے پوچھا کہ کیوں میاں کہاں گئے تھے مریض نے کہا کہ میں بیمار ہوں حکیم صاحب سے نسخہ لکھوا کر لایا ہوں چمار نے کہا حکیم صاحب نے نسخہ تو لکھ دیا اور تم کو یہ رائے نہ دی کہ تمہاری جوتی پھٹ رہی ہے اس کو سلوا لو حکیم صاحب کو اتنی عقل نہیں کہ جوتی سلوانے کی رائے دیتے معلوم نہیں کہ یہ حکیم کیوں بنے ہیں جن کو اس کی ضرورت کا بھی احساس نہیں پس جن حضرات کے نزدیک اس چمار کی رائے صحیح ہے وہ تو ہمارے مخاطب نہیں اس لئے کہ جو اتنے احمق ہیں کہ اس چمار کے اعتراض اور رائے کو صحیح بتا رہے ہیں وہ قابل خطاب نہیں ہیں ان سے گفتگو کرنا لا حاصل ہے اور یہ رائے چمار کی غلط ہے تو بس ہمارے پاس اس سے ایک بہت اچھا جواب الزامی حاصل ہو گیا کہ جیسے آپ اس چمار کو یہ جواب دیں گے کہ حکیم صاحب کا یہ فرض منصبی نہیں ہے کہ جوتی سلوانے کی ترغیب دیں اور اگر حکیم صاحب جوتی کے متعلق کچھ نہ کہیں تو ان پر بالکل الزام نہیں ہے ان پر تو الزام جب ہے جبکہ وہ جوتی سلوانے سے منع کریں بلکہ اگر وہ اس کی ترغیب دیں تو ان پر اعتراض ہے کہ انہوں نے اپنا فرض منصبی چھوڑ کر دوسرا کام کیوں کیا۔ ایسے ہی ہم ان حضرات کو جواب دیں گے کہ علماء اطباء روحانی ہوتے ہیں ان کا فرض منصبی دین کی ترغیب ہے اگر دنیا کے متعلق یہ کچھ بولیں تو ان کا منصب نہیں ہے ہاں اگر یہ دنیا کی تحصیل سے منع کریں تو بیشک ان پر الزام ہے اگر کوئی کہے کہ ہم نے تو ایسے علماء بہت دیکھے ہیں کہ تحصیل دنیا سے منع کرتے ہیں چنانچہ اگر کسی تجارت کی صورت کے متعلق ان سے دریافت کیا جائے تو لا یجوز اگر کسی نوکری کو پوچھا جائے تو لا یجوز جواب ملتا ہے۔ غرض انہوں نے بجز لا یجوز کے کوئی سبق نہیں پڑھا ہے اس کا جواب بھی اس مثال میں غور کرنے سے حاصل ہو سکتا ہے کہ اگر وہ چمار جوتی

ایسی طرح سیئے کہ پاؤں کو بھی جوتی کے ساتھ سی رہا ہو اور پاؤں کیلیں لگا دینے کی وجہ سے بے حس ہو رہا ہو اس لئے اس کو الم محسوس نہیں ہوتا تو اس وقت حکیم صاحب کہیں گے کہ کم بخت تو کیا کر رہا ہے اس وقت تو بوجہ بے حس ہونے کے الم نہیں معلوم ہوتا لیکن یاد رکھ کہ زخم پڑ جائے گا اور پلوں دوڑ جائے گی اور اس وقت اگر حکیم صاحب نہ بولیں گے تو ان پر الزام ہے اسی طرح علماء جب یہ دیکھتے ہیں کہ اس دنیا کمانے میں دین کا فساد ہے تو وہ ضرور ایسی دنیا سے منع کریں گے اور اگر حدود کے اندر رہ کر دنیا حاصل کریں گے تو اجازت دیں گے ورنہ وہ یہ کہیں گے۔

مبادا دل آں فرو مایہ شاد
کہ از بہر دنیا دہد دیں بباد

(ایسے کمینے اور کم ظرف کو کبھی خوشی حاصل نہ ہو جو دنیا کے لئے اپنا دین برباد کر دے) الحاصل بعض حضرات وہ ہیں جن کو فضائل دینیہ کا انکار ہے لیکن یہ لوگ تعداد میں طبقہ اولی سے کم ہیں اور طبقہ اولی گو منکر تو نہیں ہیں لیکن کالمنکر ہیں انکار اور اعتراض اس درجہ کا نہیں ہے مگر حالاً" منکر ہیں کہ ان کو اہتمام کسی درجہ میں ان کی تحصیل کا نہیں ہے۔

معاصی کی تاویل امر قبیح ہے

دوسرا طبقہ وہ ہے کہ جس وقت ان کے سامنے فضائل دینیہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو متاثر ہوتے ہیں گردنیں جھکا لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیا کہیں دنیا میں ایسے پھنسے ہیں کہ خلاصی نہیں ہوتی، انہوں نے اپنا لقب سگ دنیا اور گنہگار رکھا ہے یہ پہلوں سے اچھے ہیں اپنے گناہوں کا ان کو اعتراف تو ہے ان سے امید ہے کہ کبھی نہ کبھی توبہ کی توفیق ہو جاوے گی مجھے اس کی شکایت ہے اور بارہا یہ مضمون بیان کیا ہے کہ صاحبو! اگر آپ سے معاصی چھوٹ نہیں سکتے اور یہ سمجھ رہے ہو کہ ان کے ترک میں ہماری دنیوی اغراض فوت ہوتے ہیں جیسے رشوت وغیرہ تو خدا کے لئے

اتنا تو کرو کہ ان کو حرام اور گناہ اور اپنے آپ کو گنہگار مبتلا تو سمجھو اس میں تمہارا کوئی دنیا کا حرج نہیں ہے جو اغراض اور حاجات تم گناہوں میں سمجھ رہے ہو وہ جس طرح ان کو بدون گناہ سمجھے پوری ہو رہی ہیں اسی طرح ان کو گناہ سمجھ کر کرنے میں بھی پوری ہوں گی مثلاً رشوت کی نسبت لوگوں کا خیال ہے کہ اگر نہ لیں گے تو کام نہ چلے گا اس لئے کہ پچاس کا خرچ ہے اور دس کی آمدنی ہے تو یہ خیال اگرچہ غلط ہے اس لئے کہ حلال کی آمدنی میں حق تعالیٰ وہ برکت عطا فرماتے ہیں کہ اس میں بہت سے کام بن جاتے ہیں اور تمام روپیہ اپنے ہی کام آتا ہے اور حرام کی آمدنی میں ایسی بے برکتی ہوتی ہے کہ باوجود کثرت ظاہری کے روپیہ ضائع ہوتا ہے اور حاجتیں باقی رہ جاتی ہیں ہم نے بہت دیکھا ہے کہ ایسے لوگوں کا روپیہ اکثر ان کے کام نہیں آتا لیکن ہم نے تسلیم کر لیا کہ بغیر رشوت کے کام نہیں چلتا ہے لیکن اس کو حرام سمجھنے سے تو کوئی کام بند نہیں ہوتا آپ لیتے رہیں مگر ساتھ ہی اس کے اس کو گناہ اور اپنے کو عاصی اور نافرمان بھی سمجھو اس کے حال سمجھنے پر تو کوئی کاروائی موقوف نہیں ہے میں نے ڈھاکہ میں اس مضمون کو بیان کیا تھا وہاں ریش کے دشمن بہت سے مجھ کو نظر آئے میں نے کہا تھا مجھے آپ صاحبوں سے یہ امید تو ہے نہیں کہ میرے کہنے سے آپ ڈاڑھی رکھ لیں گے مگر خدا کے واسطے اس کو حرام تو سمجھو بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن میں تو کہیں ڈاڑھی رکھنے کا حکم آیا نہیں پھر ہم کیوں رکھیں ان حضرات کا یہ عذر اس وقت مسموع ہوتا جبکہ دلائل شرعیہ قرآن شریف ہی میں منحصر ہوتے قرآن مجید میں بہت سے مسائل منصوص نہیں ہیں آج کل یہ عام عادت ہو گئی ہے کہ ہر مسئلہ کی دلیل قرآن مجید سے مانگتے ہیں اور ہمارے بعض علماء بھی ایسے خلیق ہیں کہ وہ سوچ ساچ کر نکالتے ہیں۔

عوام کا ایک بے جا مطالبہ

یاد رکھو یہ راہ کھولنا سخت مضر ہے اس لئے کہ تم نے بہت عرق ریزی کر کے ان کے ایک سوال کا جواب دے دیا وہ دوسرا سوال کریں گے۔ اور یہ ظاہر ہے

کہ قرآن مجید میں ہر مسئلہ منصوص نہیں ہے تو لامحالہ تم کو کسی نہ کسی مقام پر بلکہ اکثر مواقع میں ساکت ہونا پڑے گا اور اس سکوت کے یہ معنی ہوں گے کہ یہ مسئلہ شریعت میں ثابت نہیں ہے۔ اور نیز قرآن سے مسائل کو نکالنا اور اس کی کوشش کرنا کہ ہر مسئلہ قرآن سے ثابت ہو درپردہ اس کا دعوی ہے کہ دلیل صرف قرآن ہے اور حدیث و اجماع امت و قیاس کوئی شے نہیں ہے۔

ادلہ اربعہ

علماء کو چاہئے کہ ایسے لوگوں سے باضابطہ گفتگو کریں اور ادلہ اربعہ میں سے جس دلیل سے وہ مسئلہ ثابت ہو ثابت کریں اور موٹی بات ہے کہ اثبات مدعا کے لئے مطلق دلیل کی حاجت ہے دلیل خاص کی ضرورت نہیں جو دلیل خاص کا مطالبہ کرتا ہے وہ سخت بے ادب اور بارگاہ سے نکال دینے کے قابل ہے اس کی ایسی مثال ہے کہ مثلاً عدالت میں کسی شخص کا مقدمہ پیش ہو اور مدعی نے گواہ پیش کئے اور مدعا علیہ یہ کہے کہ اس میں شک نہیں کہ یہ گواہ مجروح نہیں ہیں مگر میں جب تسلیم کروں گا کہ فلاں مولانا صاحب اور فلاں جج صاحب گواہی دیں گے تو حاکم عدالت اس کو جواب دے گا کہ اثبات مدعا کے لئے مطلق گواہ کی ضرورت ہے خاص گواہ کی ضرورت نہیں جب عدالت نے ان کو گواہ تسلیم کر لیا ہے تو تم کو خاص گواہ کے مطالبہ کرنے کا حق نہیں اس پر بھی اگر چوں وچرا کرے گا تو سخت بے ادب سمجھا جاوے گا اور کان پکڑ کر نکال دیا جاوے گا۔ بہر حال یہ راہ نکالنا سخت ضرر رساں ہے ایک دوست نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے ایک شخص کو ڈاڑھی رکھنے کے لئے کہا۔ اس نے یہی کہا کہ قرآن میں ڈاڑھی رکھنے کی نسبت حکم نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ قرآن میں حضرت موسی و ہارون علیہما السلام کے قصہ میں ہے لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي (تم میری ڈاڑھی مت پکڑو) اگر حضرت ہارون کے ڈاڑھی نہ ہوتی تو کیوں فرماتے وہ سن کر چپ ہو گیا میں نے کہا کہ جناب اس سے ڈاڑھی کا وجود ثابت ہوا وجوب تو نہ نکلا حالانکہ مقصود وجوب کو ثابت کرنا ہے ایسی

لچر بات کسی کے مقابلہ میں پیش کرنا مناسب نہیں غرض یہ وتیرہ اختیار کرنا کہ ہر مسئلہ کو قرآن سے ثابت کیا جاوے کسی طرح مناسب نہیں میں یہ قصہ بیان کر رہا تھا کہ میں نے ڈھاکہ میں کہا تھا کہ مجھے یہ توقع تو ہے نہیں کہ آپ حضرات ڈاڑھی رکھ لیں گے لیکن میں یہ پوچھتا ہوں کہ ڈاڑھی منڈانے یا کترانے سے مقصود کیا ہے ظاہر ہے کہ آپ لوگ اس کو تزئین سمجھتے ہیں حالانکہ وہ تہجین ہے مگر میں نے مانا کہ تزئین ہوتی ہے لیکن حلال سمجھنے کو تزئین میں کوئی دخل نہیں کیا خوبصورتی اس پر موقوف ہے کہ اس کو حلال بھی سمجھا جاوے خوبصورتی مزعوم تو حرام سمجھنے کی حالت میں بھی حاصل ہے صرف فرق اس قدر ہے کہ حلال سمجھنے والے کا دین زیادہ برباد ہوا اور حرام سمجھ کر منڈانے والے کا کم الحاصل یہ دوسرے طبقہ والے طبقہ اولیٰ سے بہتر ہیں کہ بفضلہ تعالیٰ ان کو اپنے کئے پر ندامت ہوتی ہے اور حق کو سن کر متاثر ہوتے ہیں دو چار آنسو بھی بہا لیتے ہیں لیکن ان کی معراج بس یہاں ہی تک ہے مجلس وعظ ہی تک یہ ندامت مقصود رہتی ہے یہ کبھی نہ ہو گا کہ آئندہ کو ان معاصی کے ترک کا قصد کر لیں اور اعمال صالحہ کے اختیار کرنے کا پختہ ارادہ کر لیں اور باوجود اعتقاد صحیح ہونے اور کسی وقت ندامت ہونے کے جو ان کو ترک معاصی کی ہمت نہیں ہوتی وجہ اس کی یہ ہے کہ معاصی میں وہ اپنے نزدیک لطف اور مزہ اور اس کے ترک میں کلفت اور مشقت کا خیال کئے ہوئے ہیں حالانکہ یہ خیال بالکل غلط ہے۔

جملہ معاصی میں سخت کلفت ہے

جس قدر گناہ ہیں ان کے نہ کرنے میں اس قدر تکلیف نہیں جس قدر کہ ان کے کرنے میں ہے نہ کرنے سے تو تھوڑے دنوں کی کلفت ہے اور اس کے بعد حلاوت ہی حلاوت ہے اور کرنے سے فوراً تو کوئی حظ ہوتا ہے اس کے بعد روح کو سخت پریشانی ہوتی ہے چنانچہ جس نے اول بار کوئی گناہ کیا ہو اور اس سے پہلے اس گناہ کا وہ شخص مرتکب نہ ہوا ہو وہ اس کو خوب سمجھ سکتا ہے کہ پہلے میرے اندر

کیا تھا اور اب کیا ہو گا واللہ وہ اپنے اندر سخت کدورت محسوس کرے گا اور اپنے کو سخت لعنت ملامت کرے گا اور اپنی موت کو زندگی پر ترجیح دے گا باقی ہم لوگوں کو تو اس لئے احساس نہیں رہا کہ گناہ کرتے کرتے قلب کا احساس باطل ہو گیا ہے اس لئے گناہ کے اندر جو کلفت اور کدورت ہے وہ محسوس نہیں ہوتی جس نے آنکھ کھول کر کبھی راحت حقیقی نہ دیکھی ہو اس کو تکلیف کا احساس نہ ہو گا لیکن اگر آپ اس کا تجربہ کرنا چاہتے ہیں تو اس کا ایک طریقہ ہے کہ جس کو میں نے پہلے بھی بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ اپنے نفس سے چالیس روز مستعار لے لو اور ان دنوں میں اس سے صلح کر لو اور اس کو کہو کہ صرف ان چالیس روز کے لئے تو معاصی کو چھوڑ دے اور اطاعت اختیار کرے اس کے بعد پھر تجھ کو آزادی ہے اور یہ چالیس روز اس طرح گزار دو کہ کسی قسم کی معصیت اس میں سرزد نہ ہو فضول کلام غیبت فضول میل جول بد نگاہی غرض تمام گناہوں کی چالیس دن کے لئے تعطیل کر دو لیکن بد اعتقادی کے ساتھ نہیں میں یہ بھی نہیں کہتا کہ اعتقادا ایسا کرو یعنی یہ اعتقاد کہ اس سے نورانیت ہو گی بلکہ ذہن دونوں امر سے خالی کر لو جب یہ چالیس دن اس حالت سے گزر جاویں اس کے بعد اندازہ کر لو کہ ہمارے قلب کی پہلے کیا کیفیت تھی اور اب کیا کیفیت ہے واللہ قلب میں اس وقت ایک ایسی حلاوت اور لطف پاؤ گے جو اس چالیس روز سے پہلے نہ تھی اور یہ معلوم ہو گا کہ ہم تو جہنم میں تھے اب جنت میں ہیں اس وقت معلوم ہو گا کہ گناہ میں کیا کلفت ہے اور طاعت میں کیسی حلاوت ہے غرض گناہ کے چھوڑنے میں تھوڑے دنوں کی کشا کشی ہے اس کے بعد راحت دائمی ہے۔

چند روزے جہد کن باقی بخند

(کچھ دن جدوجہد کر پھر آرام سے رہ)

طاعت میں عجیب حلاوت ہے

اور آپ خود مشاہدہ کر لیجئے جن حضرات نے طاعت کو اختیار کر لیا ہے اور

دنیا کو چھوڑ دیا ہے وہ کس راحت اور اطمینان کے اندر ہیں واللہ ان حضرات کی طمانیت اور راحت وہ ہے کہ جو ہفت اقلیم کے بادشاہ کو بھی نصیب نہیں ہے کوئی یہ نہ کہے کہ ہم کو یہ درجہ کہاں نصیب ہو سکتا ہے صاحبو ممتنع اور محال نہیں ہے اعمال صالحہ اختیار کرو اور معاصی کو ترک کر دو تم کو بھی ایسی ہی راحت میسر ہو جاوے گی الحاصل کوئی گناہ ایسا نہیں ہے کہ اس کے نہ کرنے میں کلفت ہو لیکن میں آپ کے زعم کے موافق گفتگو کرتا ہوں کہ جن گناہوں کے چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں ہے ان کے چھوڑنے میں آپ کو کیا عذر ہے مثلاً رشوت کے بارہ میں تو آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر چھوڑ دیں گے تو گھی نہ ملے گا مگر داڑھی رکھنے سے کون سی مصلحت برباد ہوتی ہے ابتدائے عمر میں تو اس لئے منڈانا شروع کی تھی کہ خوبصورت معلوم ہوں گے لیکن اب بڈھے ہو کر منڈانے میں کیا مصلحت ہے اسی طرح اور بہت سے گناہ ہیں کہ اگر ان کو چھوڑ دیں تو دنیا کا کچھ بھی نقصان نہیں ہے خدا کے لئے ایسے ہی گناہ چھوڑ دو غرض یہ طبقہ فضائل دینیہ کی طرف بالکل متوجہ نہیں ہے گو اعتقاد صحیح ہے۔

فضائل دینیہ کے طریق تحصیل میں غلطی

تیسرا طبقہ وہ ہے کہ ان کو فضائل دینیہ کے حاصل کرنے کی رغبت اور توجہ ہے اور دنیا کو اعتقاداً اور حالاً فانی سمجھتے ہیں مگر ان میں یہ کمی ہے کہ فضائل کے حاصل کرنے کا جو طریقہ ہے اس پر نہیں چلتے چاہتے ہیں کہ ہم کو کرنا تو کچھ نہ پڑے اور فضائل حاصل ہو جاویں اور جو طریقہ اپنے نزدیک انہوں نے فضائل کی تحصیل کا تجویز کیا ہے وہ طریقہ نہیں ہے اور وہ طریقہ مجوزہ ان کا یہ ہے کہ مثلاً کوئی کتاب دیکھی اور کوئی مضمون عبرتناک نظر آیا کہنے لگے کہ آہ اور جو کچھ رو دیئے بس جنید ہو گئے ختم شد آگے صفر ہے جب اپنے دنیوی کاروبار میں مشغول ہوئے پھر ویسے ہی ہو گئے بہر حال یہ طبقہ طبقہ ثانیہ سے بہتر ہے اس لئے کہ ان کو توجہ تو ہے لیکن کمی ان میں بھی ہے اور بہت بڑی کمی ہے۔

اصلاح کے لئے صرف تمنا اور دعا کافی نہیں

چوتھا طبقہ وہ ہے کہ ان سے آگے بڑھتے ہیں ان کو فضائل دینیہ کی طرف رغبت ہی نہیں بلکہ تمنا کا درجہ ہے لیکن تحصیل کی تمنا نہیں بلکہ حصول کی ہے چاہتے ہیں کہ آپ سے آپ حاصل ہو جاویں کیوں صاحبو! کون سی شے ہے جو خود بخود حاصل ہوتی ہے اور اپنے نزدیک انہوں نے بھی ایک طریقہ تجویز کیا وہ یہ ہے کہ جب کسی بزرگ سے ملے تو ان سے عرض کیا کہ حضرت گناہوں کی طرف بہت میلان ہے کچھ توجہ فرمایئے بس اپنے نزدیک اپنی سعی ختم کر چکے اور یقین کامل ہو گیا کہ حضرت کی توجہ سے سب گناہ خود بخود چھوٹ جاویں گے سبحان اللہ اچھا طریقہ تجویز کیا ہے جن حضرت سے توجہ کے خواہاں ہیں ان سے تو پوچھے کہ ان کے اندر سے معاصی کا میلان کس طریقہ سے دفع ہوا ہے اور کیا کیا ان کو کرنا پڑا۔ حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کیا کہ حضرت بارہ تسبیح بتلا دیجئے حضرت خفا ہو کر فرمانے لگے کہ واہ ساری عمر میں ایک یہی شئے تو حاصل ہوئی یہی تجھے بتلا دوں میاں جس طرح ہم کو ناک رگڑ کر ملی ہے اسی طرح تم ناک رگڑو جی چاہے گا بتلا دیں گے تم چاہتے ہو کہ مفت مفت میں دولت حاصل ہو جائے دیکھو اگر کسی تاجر کے پاس جاؤ اور یہ کہو کہ ایسا طریقہ بتلا دو کہ دس روپیہ روز آجایا کریں دیکھو وہ کیا جواب دے گا وہ یہ کہے گا کہ میاں تم احمق ہو کام کرو ہمارے پاس اصول تجارت سیکھو ہماری خدمت کرو اور خدا تعالیٰ پر نظر رکھو اس کے بعد تجارت کرو دیکھو اللہ تعالیٰ برکت کرنے والے ہیں بتدریج ہماری طرح مالدار ہو جاؤ گے تو صاحبو! یہی حال فضائل دینیہ کا ہے اس کے لئے بھی طریقہ ہے کام کرو اور اس کے ساتھ دعا بھی بزرگوں سے کراؤ باقی نری دعا پر رہنا تو ہوس خام ہے نری دعا پر رہنے والے کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی شخص کسی بزرگ سے یہ کہے کہ حضرت ایسی دعا کرو کہ میرے بچہ پیدا ہو جاوے ان بزرگ نے پوچھا کہ بھائی نکاح بھی کیا ہے کہا کہ حضرت جی نکاح کا تو

ارادہ نہیں ہے اب اگر ان بزرگ نے دعا کا وعدہ کر لیا تو یہ ان کی بزرگی ہے ورنہ قاعدہ کے موافق تو جواب اس کا ظاہر ہے کہ میاں نکاح کرو اس کے بعد دعا کراؤ پس جس طرح بغیر نکاح کے لڑکا پیدا ہونے کی دعا کراتا ہے اسی طرح بغیر کام کئے میلان الی المعاصی کے چھوٹنے اور فضائل کے حصول کی دعا کراتا ہے اور اگر خرق عادت کے طور پر کسی مرد کے پیٹ میں بچہ رہ بھی گیا تو جننے کے وقت مصیبت پڑے گی وہ نکلے گا کدھر سے بلا طریقہ پر چلے خرق عادت کے طور پر کسی بزرگ کی توجہ سے اگر کسی کو کچھ حاصل ہوا بھی ہے تو اس کی ایسی مثال ہے جیسے مرد کے پیٹ میں بچہ رہ جانا جن کو اس طرح کچھ ملا ہے ان کا انجام ہلاکت ہوا ہے حضرت خواجہ باقی باللہ رحمتہ اللہ تعالی علیہ کا قصہ ہے کہ ان کے یہاں ایک مرتبہ کچھ مہمان آئے اور حضرت کے گھر میں کچھ نہ تھا پڑوس میں ایک باورچی رہتا تھا اس کو خبر ہوئی اس نے بہت عمدہ کھانا کافی مقدار میں تیار کر کے حضرت کے مہمانوں کو کھلا دیا حضرت بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ کچھ ہم سے مانگو اس نے عرض کیا کہ حضرت جو کچھ مانگوں گا وہ آپ دیں گے فرمایا کہ ہاں اگر امکان میں ہوا تو دوں گا اس نے عرض کیا کہ آپ تو آپ آپ کے غلام دے سکتے ہیں عرض کیا کہ مجھے اپنے جیسا بنا لیجئے حضرت سن کر خاموش ہو گئے اور دل میں بہت پیچ و تاب کھایا اس لئے کہ اس نے درخواست ایسی شے کی کی کہ جس کا یہ اہل نہیں تھا اسی واسطے مولانا فرماتے ہیں

آرزو میخواہ لیک اندازہ خواہ
برنتابد کوہ رایک برگ کاہ

(جو کچھ مانگو اندازہ سے مانگو گھاس کا ایک پتہ پہاڑ کو نہیں اکھاڑ سکتا) اور فرماتے ہیں۔

چار پا را قدر طاقت بار نہ
بر ضعیفاں قدر ہمت کار نہ

طفل را اگر ناں دہی بر جائے شیر
طفل مسکیں را ازاں ناں مردہ گیر

(چوپایوں پر ان کی طاقت کے موافق بوجھ رکھ کر کمزوروں سے طاقت کے موافق کام لو شیر خوار بچہ کو اگر دودھ کی جگہ روٹی دینے لگے تو وہ غریب تو اس روٹی سے مر ہی جائے گا)

اگر کوئی شیر خوار بچہ کو بجائے دودھ کے روٹی دے دے تاکہ جلدی جلدی بڑھے تو وہ بجائے بڑھنے کے جلدی ختم ہو جائے گا ایسے ہی اگر کسی کی توجہ سے دفعۃً کوئی شے حاصل ہو جائے اور ظاہر ہے کہ پہلے سے اس کی استعداد اور قابلیت نہ تھی تو انجام اس توجہ کا ہلاکت ہوگا ایسی توجہ کو خونی توجہ کہتے ہیں۔

حکایت حضرت مولانا محمد منیر صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا مولوی محمد منیر صاحب مرحوم نانوتوی بڑے ظریف تھے فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحب نانوتہ تشریف لائے دو چار خادم بھی ہمراہ تھے اور ان پر کیفیات طاری ہو رہی تھیں مولانا محمد منیر صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ حضرت ہم کو یہ کیفیتیں کبھی نصیب نہ ہوئیں حضرت نے فرمایا کہ چاہتے ہو تو آؤ تم بھی بیٹھ جاؤ مولوی صاحب نے فرمایا کہ حضرت اس طرح تو منظور نہیں مولوی صاحب نے بڑی فہم اور دانائی کی بات کہی اس لئے کہ اس توجہ سے دو صورتوں میں سے ایک صورت ہوتی یا تو کچھ اثر نہ ہوتا تب تو فضول وقت ضائع ہوتا اور اگر کچھ اثر ہوتا تو وہ پائدار نہ ہوتا اس کے زوال کے بعد پھر حسرت اور افسوس اور زیادہ ہوتا یا اگر قوی توجہ ہوتی تو اندیشہ جسمانی ضرر کا بھی تھا اگر کوئی کہے کہ اگر توجہ سے مر جائیں گے تو کچھ پروا نہیں ایسی تو موت بھی اچھی بات یہ ہے کہ مرنا بھی وہی اچھا ہے جو طریقہ کے ساتھ ہو اپنے ہاتھوں سے جان دینے سے کیا فائدہ اور یہ کوئی کمال نہیں مقصود تو زندہ رہ کر اعمال صالحہ اور طاعت کرنا ہے۔ بہر حال اگر کوئی شخص ایسی توجہ دے بھی تو ہرگز نہ لو الحاصل حضرت خواجہ

صاحب چونکہ وعدہ کر چکے تھے اس لئے اس کے ایفاء پر مجبور ہوئے اور اس کی طرف متوجہ ہوئے جس کا یہ اثر ہوا کہ اس کی صورت شکل تک آپ جیسی ہو گئی مگر تھوڑی ہی دیر میں جاں بحق ہوا غرض اس طبقہ کی غایۃ سعی فضائل دینیہ کے لئے یہ ہوئی کہ کسی بزرگ سے دعا کرالی توجہ کے طالب ہو گئے باقی اس کے لئے خود کچھ عمل نہیں کرتے۔

حصول فضائل دینیہ کیلئے محض وظائف کافی نہیں

پانچواں طبقہ وہ ہے کہ ان کی نظر اور آگے پہنچی کہ انہوں نے نری توجہ ہی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ اس کے ساتھ عمل بھی کیا لیکن عمل بھی وہ جو اس کے لئے موضوع نہیں ہے ان کی ایسی مثال ہے جیسے کسی کو بھوک لگ رہی ہو اس کو کسی نے کہا کہ بھائی کرو اور کھاؤ انہوں نے یہ کیا کہ آٹا گوندھ کر اس کے دائرے اور مثلث اور مربع بنانے لگے ظاہر ہے کہ عاقل اس کو یہ کہے گا کہ میاں اس حرکت سے پیٹ نہ بھرے گا پیٹ بھرنے کا طریقہ یہ ہے کہ کہیں سے تو الاؤ آگ لاؤ ایندھن جمع کرو اور روٹی بنا کر توے پر ڈالو پھر اس کو سینکو پھر کھاؤ حضرت ہر شے کا ایک طریقہ ہے کہ بدون اس کے وہ شے عادۃ حاصل نہیں ہوا کرتی مولانا فرماتے ہیں۔

اطلبوا الارزاق من اسبابها
وادخلوا الابیات من ابوابها

(روزی کو اس کے اسباب اور وسائل کے ذریعہ تلاش کرو اور گھروں میں دروازہ کے راستہ داخل ہو) اس طبقہ نے کیا کیا کہ کسی بزرگ سے ملے ان سے عرض کیا کہ حضرت گناہوں کی طرف بہت میلان ہے کوئی وظیفہ بتا دیجئے وہ بزرگ بھی نرے بزرگ ہی تھے انہوں نے ایک وظیفہ بتا دیا اور یہ بھی ساتھ میں کہہ دیا کہ جی لگا کر پڑھا کیجئیو یہ قید ایسی لگائی کہ اس بیچارے کو اور مقید کر دیا اگر یہ نہ کہتے تو شاید کچھ جی اس کا لگ بھی جاتا مگر اب تو ضرور جی بچے گا جیسے کیمیا گر

کے پاس کوئی گیا اور کہا کہ میاں ہم نے سنا ہے تم کو کیمیا آتی ہے اس نے کہا کہ ہاں آتی ہے اس نے کہا کہ بھائی ہم کو بھی بتا دو کہا کہ اچھا فلاں بوٹی جو فلاں جنگل میں ہے لے آؤ مگر توڑتے وقت بندر کا خیال نہ آنے پاوے اب وہ بچارا جب جنگل جاتا ہے بندر کا خیال موجود سخت حیران ہوا اگر وہ بندر کا ذکر نہ کرتا تو کبھی اس کو خیال نہ آتا لیکن یہاں نفی میں اثبات ہو گیا اب جا کر ان بزرگ سے عرض کیا کہ حضرت اس وظیفہ میں تو جی نہیں لگتا انہوں نے جی لگنے کے لئے ایک اور وظیفہ بتا دیا وھکذا اب یہ شخص مجموعہ وظائف ہو گیا لیکن مقصود اب بھی حاصل نہ ہوا اس لئے کہ جو طریقہ مقصود تھا وہ بچارے کو کسی نے نہ بتایا اب اس کی حالت یہ ہوئی کہ مایوس ہو گیا اور سمجھ گیا کہ میرا مقصود مجھ کو حاصل نہ ہو گا حالانکہ وہ درگاہ ایسی ہے کہ کوئی شخص کتنا ہی گنہ گار کیوں نہ ہو وہ مایوس نہیں ہو سکتا۔

تو مگو ما را بداں شہ بار نیست
بر کریماں کارہا دشوار نیست

(تو یہ خیال نہ کر کہ بھلا ہماری پہنچ اس دربار تک کہاں ہے کیونکہ کریموں کو کوئی کام مشکل نہیں ہوتا) جس نے کبھی تمام عمر میں اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا ہو اور برسوں سے معاصی میں مبتلا ہو وہ بھی اگر توجہ کرے تو اس کے لئے بھی دروازہ کھلا ہوا ہے اس کی تو یہ شان ہے۔

ہر کہ خواہد گو بیا و ہر کہ خواہد گو برو
دار و گیر و حاجب و درباں دریں درگاہ نیست

(جس کا دل چاہے آئے جس کا دل چاہے چلا جائے اس دربار میں کوئی روک ٹوک کرنے والا نہیں) فرماتے ہیں۔

باز آ باز آ ازانچہ ہستی باز آ
گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست

صد بار اگر توبہ بشکستی باز آ

(تو جیسا بھی گنہگار ہے اپنے گناہ سے باز آجا اگرچہ تیرا گناہ کفر اور آتش و بت پرستی ہی ہو ہمارا دربار مایوسی اور ناامیدی کا دربار نہیں ہے سو دفعہ بھی اگر تو نے توبہ توڑ دی تو پھر بھی توبہ کر لے)

لیکن ان حضرت شیخ کی بدولت آج یہ نتیجہ ہوا کہ ایک طالب مایوس ہو کر بیٹھ رہا اور اس نے بطالت اور تعطل اختیار کر لیا میں نے ایسے بہت دیکھے ہیں کہ جو ایسے ناواقف شیوخ کے ہاتھ میں جا پھنسے ہیں اور حیران و سرگرداں ہو کر بیٹھ رہے اور ان کی مقصد برآری نہیں ہوئی بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے نہ مرض کو سمجھا نہ دوا کو اور نہ ان کو اس کی تمیز ان مریضوں اور اطباء کا ایسا ہی قصہ ہے جیسے مولانا رومی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک کنیزک کا قصہ لکھا ہے کہ وہ مرض عشق میں مبتلا تھی اور بہت سے اطباء اس کا علاج کر رہے تھے اس کو کچھ افاقہ نہ ہوتا تھا اس کے بعد ایک طبیب الٰہی آیا اور اس نے اس کو دیکھ کر کہا۔

رنجش از صفراء واز سودا نبود

آں عمارت نیست ویراں کردہ اند

بوئے ہر ہیزم پدید آید زدود

اس کی بیماری کا سبب صفراء یا سوداویت کا غلبہ نہیں ہے ہر لکڑی اس کے دھوئیں کی بو سے پہچان لی جاتی ہے۔

بے خبر بودند از حال دروں

استعیذ اللہ مما یفترون

اطباء جسمانی نے اس کا مرض نہیں پہچانا علاج مرض کے خلاف ہونے سے بیماری اور بڑھ گئی

گفت ہر دارو کہ ایشاں کردہ اند

آں عمارت نیست ویراں کردہ اند

(جن طبیبوں نے علاج کیا ان کو اندرونی بیماری کا پتہ نہ چلا۔ پناہ مانگتا ہوں اطباء کے اس افتراء اور بہتان سے) اس طبیب الٰہی نے جو اس کا علاج کیا وہ ایک معمولی تھا کہ اس کے محبوب کو کسی ترکیب سے گھلا دیا عشق اس کا ختم ہو گیا۔

شیخ محقق کا طریقہ علاج

اسی طرح محقق جو علاج کرتا ہے وہ بہت معمولی ہوتا ہے بہت لمبا چوڑا نسخہ نہیں لکھتا مثلاً" وساوس کا غلبجان ہوا غیر محقق تو کوئی وظیفہ بتلاوے گا اور اس سے یہ مرض اور بڑھے گا محقق صرف یہ کہے گا کہ وساوس کا آنا مضر نہیں ہے اس لئے کچھ خیال نہ کرو اگر آتے ہیں تو آنے دو دیکھئے دو کلموں میں علاج ہو گیا اس لئے یہ شخص علت سمجھ گیا وہ یہ ہے کہ یہ اپنے نزدیک وساوس اور خطرات کو منافی اس طریق کے سمجھ رہا ہے اس لئے اس کے غم میں گھلا جاتا ہے اس نے اس کی بیخ ہی کو قطع کر دیا کہ کچھ پروا نہیں یہ کسی حال میں مرض نہیں فوراً" سکون ہو جائے گا اور خطرات قطع ہو جائیں گے۔ حقیقت میں محقق کا وجود حق تعالیٰ کی بڑی بھاری نعمت ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (آپ کہہ دیجئے کہ کیا علم والے اور جاہل برابر ہیں) محقق حجتہ اللہ علی الارض ہوتا ہے وہ قرنوں میں پیدا ہوتا ہے اسی طرح میلان الی المعاصی کے مرض کو سمجھو غیر محقق تو اس کے لئے کوئی وظیفہ یا ذکر بتائے گا اور محقق کہے گا کہ اس کا یہ طریق نہیں ہے اس کا طریق یہ ہے کہ عمل میں سعی کرو اس کی برکت سے ملکات رذیلہ خود بخود زائل ہو جائیں گے اس کا قصد ہی نہ کرو کہ میلان الی المعاصی دفع ہو جائے اس کے قصد کرنے سے مشقت بڑھتی ہے ہاں جو عمل تمہارے اختیار میں ہے وہ کرو یعنی اعمال صالحہ ان کی شرائط کے ساتھ کرو اسی طرح مثلاً کسی نے شکایت کی کہ نماز میں مزہ نہیں آتا تو غیر محقق تو اس کے لئے کوئی وظیفہ بتائے گا اور محقق کہے گا کہ نماز مزہ کے لئے موضوع نہیں ہے اس کی غرض اصلی رضائے حق تعالیٰ ہے اور ثمرہ وہاں ملے گا اس پر اگر وہ سائل کہے کہ بے شک مزہ مقصود نہیں ہے لیکن مزہ سے

نفس کو سہولت ہو جائے گی محقق جواب دے گا کہ سہولت ہو یا مشقت ہو تم پڑھے جاؤ دنیا دار المحن ہے دار الراحت نہیں ہے دیکھو اگر تمہاری ساری عمر مصیبت میں گزر جائے تو آخر اس کو جھیلتے ہی ہو نماز کی تکلیف بھی برداشت کرو اور دیکھو اگر ڈاکٹر یہ کہہ دے کہ فلاں شے نہ کھانا ورنہ اندھے ہو جاؤ گے تم تمام عمر اس شے کو چھوڑ دو گے افسوس ہے کہ ایک سول سرجن کے کہنے سے تم نے ساری عمر کو ایک لذیذ شے کو چھوڑ دیا اور پرہیز کی مصیبت برداشت کر لی اور محمد بن عبد اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کہ عالم علم اولین و آخرین ہیں آپ کے فرمانے سے تم سے تھوڑی سی مشقت برداشت نہیں کی جاتی صاحبو! یہ علوم جو درس کتب میں مفقود ہیں اور انہی کی وجہ سے ضرورت ہے کسی محقق کے پاس رہنے کی۔

ایک مبتلائے عشق مجازی کا علاج

میرے پاس ابھی ایک شخص کا خط آیا ہے وہ بچارے ایک عورت کے عشق میں مبتلا ہیں وہ مختلف لوگوں کی طرف رجوع کر چکے تھے کسی نے ان کو وظیفہ بتا دیا کسی نے کوئی عمل بتا دیا اور زیادہ مصیبت میں مبتلا ہو گئے اور سخت پریشان ہو کر انہوں نے میرے پاس لکھا تو گو میں محقق نہیں ہوں لیکن الحمد للہ محققین کی زیارت کی ہے ان کے طفیل سے میری سمجھ میں آگیا میں نے ان کو لکھا کہ تمہاری یہی ہوس بیجا ہے کہ یہ مرض زائل ہو اگر نہیں زائل ہوتا نہ ہو محبوب حقیقی کو جبکہ یہی منظور ہے کہ تم اسی میں رہو تو تم کون ہوتے ہو کہ اس کو زائل کر وہاں جو عمل تمہارے اختیار میں ہے وہ کرو یعنی معصیت مت کرو عفت اختیار کرو اپنے قصد سے اس سے بات مت کرو اس کو مت دیکھو اس کی باتیں کسی دوسرے سے نہ سنو اور اس کا خیال اور ارادہ بھی مت کرو یہ خیال دل سے نکلے۔ دیکھو اگر خدا تعالیٰ تمہاری آنکھیں پھوڑ دے تو آخر اندھے ہی رہو گے بس اس کو بھی ایسا ہی سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کو بہت سے مصالح اور حکم کی وجہ سے تم کو اسی مرض میں رکھنا منظور ہے۔

چونکہ بر میخت بہ بندد بستہ باش
چوں کشاید چابک و برجستہ باش
دوست دارد دوست ایں آشفتگی
کوشش بے ہودہ بہ از خفتگی
جان صدیقاں ازیں حسرت بریخت
کاسماں برفرق ایشاں خاک بریخت

اور اگر اسی مرض میں تم مرجاؤ گے تو شہید مروگے اس لئے کہ حدیث میں آیا ہے **من عشق فکتم وعف کان لہ اجر شہید** یعنی جو شخص عاشق ہو پس عفت اختیار کرے اور عشق کو چھپاوے اور مرجاوے تو شہید ہے۔ اگرچہ محدثین نے اس حدیث میں کلام کیا ہے لیکن **الدواء الکافی** میں اس کو ثابت لکھا ہے اور اگر یہ حدیث ثابت بھی نہ ہو تو قواعد شرعیہ کلیہ سے ثبوت اس کا ہو سکتا ہے اس لیے کہ سیف حدید سے سیف عشق اشد ہے اس لیے کہ سیف حدید سے تو ایک ہی مرتبہ کام تمام ہو جاتا ہے اور نشتر عشق ہر وقت قلب پر لگتا ہے پھر اخف کے تحمل سے شہادت ہوتی ہے جیسے بہت امراض سے شہادت وارد ہے کہ اس میں تحمل کلفت کا تو اشد کے تحمل سے شہادت کیوں نہ ہو گی اس کے بعد جو ان صاحب کا خط آیا تو انہوں نے لکھا کہ مجھے اب بالکل سکون ہو گیا اور ٹھنڈک پڑ گئی دیکھئے اس کے ازالہ کے علاج اور فکر سے تو سکون نہ ہوا اور اعتقاد و عدم سکون سے سکون ہو گیا۔

ذکرو شغل کے قیود قربات مقصود نہیں

پس علاج یہ ہیں اور ذکر کی ضربیں لگانا علاج نہیں ہیں یعنی موثر مستقل نہیں ہاں معین ہیں اصل موثر طاعت حق ہے باقی ذکر و شغل ضرب کے ساتھ یا بلا ضرب کے حبس کے ساتھ یا بلا حبس کے اور ان کے ثمرات یہ سب معین ہیں اصل شے ان میں طاعت ہے باقی یہ قیود ضرب حبس وغیرہ قربات مقصود نہیں ہیں ان کی ایسی

مثال ہے جیسے کوئی استاد شفیق کسی شاگرد کو مطالعہ کی تاکید کرے اور اس کا طریقہ بتلائے اور کہے کہ تکرار کیا کرو اور یہ دیکھ کر دماغ میں خشکی نہ ہو جائے یہ بھی کہہ دیا کہ گاجریں ابال کر کھا لیا کرو اس شاگرد نے یہ کیا کہ مطالعہ وغیرہ تو چھوڑ دیا بس گاجریں ہی کھانا شروع کر دیں حالانکہ وہ مقصود نہ تھیں بلکہ معین مقصود تھیں اسی طرح ضرب اور حبس قربات مقصود نہیں مگر بعض عوارض اور موانع ہیں کہ ان کی وجہ سے ان کو کیا جاتا ہے ان کو ثواب نہ سمجھنا چاہیے اور دوسری مثال لیجیے کہ جیسے کوئی شیخ اپنے مرید کو قوت اور شب کو بیدار رہنے کے واسطے یہ بتائے کہ سنکھیا کے تیل کی ایک سینک پان میں کھا لیا کرو تو ان بزرگ نے حرارت غریزیہ کے مشتعل کرنے اور ہمت بڑھانے کے لئے بتلایا ہے اگر وہ مرید نری سینکیں ہی کھایا کرے تو اور اسی کو مقصود سمجھ لے اور کام کچھ نہ کرے تو یہ اس کی حماقت ہے بس یہی درجہ ہے ضرب اور حبس کا کہ شیخ کامل اگر کسی کے لئے تجویز کرے تو یہ نافع اور معین ہے۔

ثمرات صرف آخرت کے لئے موعود ہیں

بہر حال اصل شے طاعت ہے اور یہ اس کی تدابیر ہیں باقی رہے ثمرات سو وہ آخرت میں موعود ہیں دنیا میں بھی اگر بعضے حاصل ہو جاویں تو زائد ہیں اور نہ ہوں تو کچھ ضروری نہیں ہیں بہت سے ذاکر شکایت کیا کرتے ہیں اور بعضے عوام بھی کہ ہم اتنے دنوں سے نماز پڑھتے ہیں یا ذکر کرتے ہیں اور حلاوت نہیں آتی یا جی نہیں لگتا۔

حق سبحانہ وتعالیٰ کے ہر امر میں حکمت ہے

صاحبو! خدا تعالیٰ کے ذمہ کوئی قرض نہیں خدا تعالیٰ نے کہیں وعدہ نہیں فرمایا ہے سو وہ ان شاء اللہ وہاں ملے گی منتظر رہو باقی حلاوت بھی بعضوں کو نصیب ہو جاتی ہے یہ حق تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت ہے کہ کسی کو دیتے ہیں کسی کو نہیں دیتے

جس کے لئے جو شے مناسب ہے وہی اس کو عطا ہوتی ہے اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی طبیب کے پاس دس مریض جائیں اور دل میں یہ ٹھان لیں کہ ہم کو خمیرہ گاؤ زبان مروارید ی ملے گا اس نے ایک تو خمیرہ گاؤ زبان ہی بتایا اور اس کو کیوں نہیں بتایا تو طبیب جواب دے گا کہ احمق ہوئے ہو تمہارے امراض کے لئے یہی دوائیں مناسب ہیں جب مواد فاسدہ دور ہو جائیں گے اس وقت خمیرہ کھانا اسی طرح طاعت کے اندر کسی کو گھبراہٹ اور پریشانی اور دل نہ لگنا ملتا ہے تو کون ہوتے ہو کہ دلچسپی اور شوق کو اپنے لیے تجویز کرو۔

کہ آنچہ ساقی ماریخت عین الطاف است

(جو کچھ ہمیں ساقی نے دے دیا ان کی مہربانی ہے) اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ (بے شک اللہ تعالی اپنے بندوں کی پوری خبر رکھنے والا خوب دیکھنے والا ہے) وہ خوب جانتے ہیں کہ اگر ہم ان کو لذت اور شوق اور مزہ عطا کریں گے تو ان کو عجب پیدا ہو جائے گا کہ جو ان کو ہلاک کر ڈالے گا۔

آنکس کہ تو نگرت نمی گرداند
او مصلحت تو از تو بہتر داند

(وہ شخص جو تجھے تونگر نہیں سمجھتا وہ اس کی مصلحت تجھ سے زیادہ سمجھتا ہے) پدر اعسل بسیار ست و لیکن پسر گرمی دارست بس یہ وجہ ہے کہ یہ عطایا مختلف ہیں معطی لہ کی استعداد کے موافق عطا کیے جاتے ہیں۔

ذکر و طاعت کا نقد ثمرہ

ہاں ایک عطیہ مشترکہ ہے جو سب کو علی حسب الاستعداد عطا ہوتا ہے وہ کیا ہے تسلی اور اطمینان ذکر و طاعۃ کا یہ اثر ہے کہ کرتے کرتے ایک تسلی کا مضمون پیدا ہو جاتا ہے۔

تسلی داد ہر کس را برنگے

(ہر شخص کو اس کی حالت کے موافق دلاسا دے دیا) اور حق تعالی کی

معرفت اور محبت کی وجہ سے وجدانا" یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ معاملہ میرے ساتھ ہوتا ہے سب خیر ہے الحاصل اس طبقہ نے عمل کیا لیکن وہ عمل نہ کیا جو فضائل کے حصول کے لئے موضوع ہے۔ چھٹا طبقہ وہ ہے کہ انہوں نے عمل بھی وہی کیا جو اس کے لئے موضوع ہے لیکن فضائل وہ طلب کیے جن کا عطا ہونا عادت الٰہیہ کے خلاف ہے ایسی تمنا بھی شرع کے خلاف ہے۔

قطبیت کے طالب

ایک شخص ہم کو ملے جو قطبیت کے طالب تھے حضرت مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے یہاں وہ گئے وہ بھی پسند نہ آئے جب میں گنگوہ گیا حضرت نے فرمایا کہ بھائی وہ فلاں شخص آئے تھے قطبیت کے طالب تھے یہاں قطبیت کہاں تھی اس لیے چلے گئے یاد رکھو قطبیت اور غوثیت مکتسب نہیں ہے بعض لوگ اس دھن میں ہوتے ہیں کہ ہم کو خضر علیہ السلام مل جاویں خضر علیہ السلام کا ملنا بھی کوئی امر مکتسب نہیں ہے اور اگر مل بھی گئے تو تم کو کیا ملے گا ایک شخص تھے ان کو خضر علیہ السلام ملے کہا السلام علیکم انہوں نے کہا وعلیکم السلام خضر علیہ السلام نے پوچھا کہ تم نے مجھ کو پہچانا بھی انہوں نے کہا نہیں فرمایا میں خضر ہوں وہ شخص بولے بہتر ہے اللہ تعالیٰ بھلا کرے خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ تم نے مجھ سے کچھ دعا نہ کرائی کہا کہ بس حضرت خود ہی دعا کرلیں گے خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ میاں تم بھی عجیب آدمی ہو بہت لوگ تو میرے ملنے کی تمنائیں کرتے ہیں اور تم نے کچھ بھی قدر نہ کی کہا کہ بس آپ کی زیارت ہو گئی یہی کافی ہے۔ خضر علیہ السلام نے پھر فرمایا کہ نہیں مجھ سے ضرور دعا کراؤ ان سے کہا کہ اچھا یہ دعا کرو کہ میں نبی ہو جاؤں خضر علیہ السلام نے کہا یہ تو نہیں ہو سکتا کہنے لگے کہ پھر جو ہو سکتا ہے وہ تو خود ہی ہو گا آپ کی دعا کی کیا ضرورت ہے لیکن اس حکایت سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ دعا بے کار ہے بات یہ ہے کہ حضرات اولیاء اللہ کی شان حق تعالیٰ کے دربار میں بلا تشبیہ ایسی ہو جاتی ہے جیسے کوئی کسی بادشاہ کا مزاج شناس ہوتا ہے

اور ان پر ایک حال ہوتا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ اس واقعہ سے ہمارا امتحان مقصود ہے اس لیے وہ لب کشائی نہیں کرتے بعض لوگ کشف و کرامت کے طالب ہوتے ہیں یہ بھی مکتسب نہیں ہیں۔ ساتواں طبقہ وہ ہے کہ انہوں نے عمل بھی کیا اور فضائل میں سے انہی فضائل کے طالب ہوئے جو عادۃً مکتسب ہیں اور تمام شرائط عمل کے بجالائے اور بالکل اعتدال پر رہے لیکن ان کے اندر ایک اور باریک خرابی پیدا ہو گئی وہ یہ ہے کہ ان میں عجب پیدا ہو گیا اور اس کی وجہ سے ان کو دعویٰ ہو گیا استحقاق کا بہرحال اس قدر غلطیاں ہیں کو طالبین فضائل کو پیش آتی ہیں۔

شان نزول

حق تعالیٰ نے اس آیت میں ان سب کی اصلاح فرمائی ہے پس یہ مضمون اس قدر مہتم بالشان اور ضروری ہے کہ جس کی ہر شخص کو ضرورت ہے عاملین کو بھی معطلین کو بھی چنانچہ تمام طبقات کی اصلاح کو اس آیت سے مفصلاً عرض کیا جاتا ہے ارشاد ہوتا ہے وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ترجمہ آیت کا یہ ہے کہ مت تمنا کرو ان چیزوں کی کہ جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے مردوں کے لیے وہ شے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا اور عورتوں کے لیے وہ شے حصہ ہے جو انہیں نے کمایا اور اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کی درخواست کرو بے شک اللہ تعالیٰ ہر شے کو جاننے والے ہیں شان نزول اس آیت کا ایک قصہ ہے وہ یہ ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ فرمایا تھا یَا لَیْتَنَا کُنَّا رِجَالًا یعنی کاش ہم مرد ہوتے تو مردوں کے فضائل مثل جہاد وغیرہ کے ہم بھی حاصل کرتے اس پر یہ آیت نازل ہوئی تھی اس آیت سے کل طبقات موجود مذکورہ سابق کی غلطیاں رفع ہوتی ہیں اول طبقہ تو وہ تھا جو فضائل کے منکر یا کالمنکر ہیں ان کی اصلاح تو اس طرح ہوئی کہ جب خود اللہ تعالیٰ ہی نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے تو مابہ الفضیلۃ یعنی فضائل کو ضروری تو سمجھتے ہیں لیکن ان

کی طرف توجہ نہیں ہے ان کی اصلاح ما فضل اللہ سے ہوئی اس لیے کہ جو شے حق تعالیٰ کے نزدیک قابل فضیلت ہے وہ بہت ضروری اور اس قدر مہتم بالشان ہے کہ اس کے سوا اور سب اشیاء کی تحصیل متاخر ہونا چاہیے طبقہ ثالثہ و رابعہ و خامسہ اس امر میں مشترک ہیں کہ انہوں نے فضائل کی تحصیل کے طرق متعددہ اپنی رائے سے تجویز کیے اور اسی اختلاف و تعدد طرق کی وجہ سے ان میں تعدد ہوا۔

فضائل شرعیہ کے لیے اعمال شرعیہ موضوع ہیں

لیکن یہ امر سب میں مشترک ہے کہ جو عمل فضائل کی تحصیل کے لیے موضوع ہے وہ نہ کیا ان کی اصلاح لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا سے ہوئی حاصل یہ ہوا کہ نری تمنا اور رغبت سے یا کسی بزرگ کی توجہ دعا سے یا صرف کتاب دیکھنے سے یا وظائف پڑھنے سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ فضائل کے لیے اعمال شرعیہ موضوع ہیں وہ فضائل موقوف علیہ ہیں ان کو اختیار کرنا چاہیے گو کبھی خرق عادت کے طور پر بلا اکتساب بھی بعض کو بعض فضائل حاصل ہوئے ہیں لیکن عادت اللہ اسی طرح جاری ہے کہ بغیر اکتساب کے حصول نہیں ہوتا طبقہ سادسہ وہ ہے جنہوں نے اعمال بھی کیے لیکن ایسی چیزوں کی تمنا کی جو اختیار سے باہر ہیں جیسے کشف و کرامت و قطبیت وغیرہ وَلَا تَتَمَنَّوْا سے اس غلطی کی بیخ کنی ہوتی ہے اور یہ چیزیں خواہ ایسی ہوں کہ جو شرعاً ممتنع ہوں جیسے نبوت اور خواہ ممکن ہوں لیکن اکتساب کو اس میں دخل نہ ہو جیسے کشف و کرامت اور قطبیت و غوثیت اگر کوئی کہے کہ ایسے امور کے لیے دعا کریں بات یہ ہے کہ دعا بھی ان ہی امور میں ہوتی ہے جن میں عمل کو دخل ہے یا ان کو عمل میں دخل جیسے شوق وغیرہ ہاں جو فضائل دینیہ نہیں ہیں تو گو اختیار سے خارج ہوں جیسے بارش اور دفع بلا وغیرہ ایسے امور کے لیے دعا شروع ہے لیکن غور کر کے دیکھا جاتا ہے تو ان امور میں بھی عمل کو دخل ہے چنانچہ ارشاد ہے اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا (تم اپنے پروردگار سے گناہ بخشواؤ بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے کثرت سے تم پر بارش بھیجے

کا) دیکھو استغفار کو بارش میں دخل ہے مولانا فرماتے ہیں۔

ابر نآید از پئے منع زکوۃ
ور زنا افتد وبا اندر جہات

امور تکوینیہ میں دعا جائز ہے

بہر حال امور تکوینیہ میں دعا جائز ہے خواہ عمل کا دخل اس میں ظاہر نہ ہو باقی امور تشریعیہ اور فضائل دینیہ میں دعا انہی امور میں ہے کہ جن کے حصول میں عمل کو دخل ہے یا ان کو عمل میں دخل ہے بخلاف کرامت وغیرہ کے طبقہ سابعہ وہ تھا کہ جن کو عمل کے ساتھ عجب پیدا ہو گیا تھا ان کی غلطی کی اصلاح وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ سے ہوئی یعنی اے عاملین عمل کر کے ناز مت کرو اور اس پر اعتماد نہ کرو اس لیے کہ تمہارا عمل محض کوئی شے نہیں اصل چیز فضل ہے اس کو مانگتے رہو اور یہ عمل کا تم سے ہو جانا یہ فضل ہی سے ہوا ہے چنانچہ دوسرے مقام پر بہت صاف ارشاد ہے وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ یعنی جو اطاعت کرے اللہ و رسولؐ کی تو یہ لوگ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے وہ نبی اور صدیق اور شہداء اور صالحین اور یہ لوگ اچھے رفیق ہیں یہ یعنی طاعت اللہ و رسول کی توفیق اللہ کا فضل ہے پس جب یہ اعمال بھی اسی کا فضل ہیں تو عجب اور ناز کا کیا محل ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اعمال علت نہیں ہیں صرف شرط کا درجہ رکھتے ہیں بمعنی **لولاہ لا متنع** اصل کام فضل ہی سے چلتا ہے باقی بہانہ ہے کہ اس کی نسبت حکم ہے مگر ایسا بہانہ ہے کہ تم بہانہ کرو ہم فضل کریں گے عمل پر وعدہ فضل ہے اور بدون عمل کے وعدہ نہیں ہے۔ غرض اصلی شے فضل ہے چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو عمل کی وجہ سے جنت میں جاوے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دریافت فرمایا وَلَا اَنْتَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ یعنی

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ بھی عمل سے جنت میں نہ جائیں گے اللہ اکبر ایسے سوال کی ہمت حضرت عائشہؓ ہی کو ہو سکتی تھی اور کسی کا کیا حوصلہ ہے کہ جو حضورؐ سے ایسا سوال کرتا بڑے شکر کا مقام ہے کہ حضورؐ کی خدمت میں ایک مجمع ایسا بے تکلف تھا کہ جس کی بدولت ہم کو ایک ایسا بڑا علم کا ذخیرہ پہنچا کہ وہ دوسروں کے واسطہ سے ہرگز نہ پہنچ سکتا تھا۔

تعدد کثرت ازواج رسول کریمؐ میں حکمت

بعض مخالفین کثرت ازواج پر اعتراض کرتے ہیں لیکن علاوہ اور بہت سی حکمتوں اور مصالح اور ضرورتوں کے یہ کتنی بڑی مصلحت اس وقت معلوم ہوئی کہ علم کا وہ باب جو کسی کے ذریعہ مفتوح نہیں ہو سکتا تھا وہ ہم کو حضرات ازواج مطہراتؓ کے معرفت پہنچا احسان ماننا چاہیے ان بیبیوں کا تم خود اپنے دل میں ٹٹولو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان و شوکت و ہیبت خداداد کے پیش نظر ہوتے ہوئے کہ جس کی وجہ سے صحابہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایسے بیٹھے رہتے تھے کان علی روسنا الطیر یعنی گویا کہ ہمارے سروں پر پرندہ بیٹھا ہے یعنی جیسے کسی کے سر پر پرندہ بیٹھ جائے اور وہ یہ چاہے کہ اڑے نہیں تو وہ جیسے بے حس و حرکت ہوتا ہے اس طرح ہم حضور اکرمؐ کے سامنے رہتے تھے تو کس کی ہمت تھی کہ بولے اور سوال کرے اور سوال بھی ایسا یہ بیوی کا رشتہ ہی ایسا ہے کہ اس میں بہت سے ایسے امور کھپ جاتے ہیں جو اوروں سے بے ادبی اور گستاخی شمار ہوں افک کے قصہ میں جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ اٹھو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شکریہ ادا کرو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ ان کا شکریہ ادا نہ کروں گی میں تو اپنے اللہ میاں کا شکر کروں گی دیکھئے اگر کوئی اور شخص اس کلمہ کو کہے تو سخت بے ادبی اور گناہ ہے لیکن زوجیت کا ایسا علاقہ ہے کہ یہ کلمہ اس میں بے حد لطف دے رہا ہے الحاصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں اپنے سر مبارک پر ہاتھ رکھ کر فرمایا ولا انا الا ان یتغمدنی اللہ برحمتہ

یعنی میں بھی عمل سے جنت نہ جاؤں گا مگر جبکہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے مجھ کو ڈھانپ لیں۔ پس جبکہ حضورؐ سید الاولین والاخرین ہی یہ فرما دیں تو آج کون شخص ہے جو اپنے عمل پر اعتماد کرے حالانکہ عمل میں آپ کے برابر تو کوئی کیا ہو گا قریب بھی آپ کے کوئی نہیں بلکہ بعید اور ابعد بھی نہیں کہا جا سکتا کہاں ہمارا عمل کہاں حضورؐ کا کوئی یہ نہ کہے کہ میں تمام رات جاگتا ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوتے بھی تھے اور جاگتے بھی تھے۔

عمل کا موقوف علیہ طلب صادق ہے

اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو نفلیں ہم سب کی تمام عمر کی عبادت سے کہیں زیادہ ہیں ہمارے اندر وہ اخلاص وہ محبت کہاں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تو بڑا رتبہ ہے ہمارے حضرت پیر مرشد فرماتے تھے کہ عارف کی ایک رکعت غیر عارف کی لاکھ رکعت سے افضل ہے اور اسی واسطے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ایک مُدّ اوروں کے احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرنے سے بہتر ہے پس اس تفاوت کے ہوتے ہوئے آج اگر کوئی عمل پر مدعی استحقاق ہو بڑا نادان ہے اگر کوئی کہے کہ جب فضل ہی پر مدار ہے تو ہم کو عمل کی کیوں تکلیف دی بات یہ ہے کہ دیں گے تو فضل ہی سے لیکن عمل توجہ فضل کی شرط ہے موثر مستقل نہیں لیکن یہ بھی یاد رہے کہ فضل و رحمت عمل خالص سے متوجہ ہوتا ہے چنانچہ ارشاد ہے اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ یعنی بیشک اللہ تعالیٰ کی رحمت محسنین کے قریب ہے اور احسان سے مراد عمل خالص ہے اس لئے کہ احسان کی تفسیر حدیث میں یہ آئی ہے اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ (تو خدا تعالیٰ کی عبادت کرتے وقت یوں خیال کر کہ گویا خدا تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے۔) اور اس عمل کا موقوف علیہ طلب صادق ہے بس وہ اس کو دیکھتے ہیں کہ بندہ ہماری طرف متوجہ بھی ہوا ہے یا نہیں اگر طلب نہ ہو تو عمل نہیں ہوتا اور عمل نہ ہو تو فضل متوجہ نہیں ہوتا چنانچہ ارشاد ہے اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ یعنی کیا ہم تم کو اپنی رحمت چپکا دیں اور تم اس سے

کراہت کرنے والے ہو اس سے معلوم ہوا کہ رحمت اور فضل طلب ہی پر متوجہ ہوتا ہے پس اول طلب صادق ہے اس کے بعد عمل ہے پھر عطا جو کچھ ہوتا ہے وہ فضل سے ہوتا ہے دیکھو دودھ دینے والی ماں ہی ہے لیکن وہ اس کی منتظر رہتی ہے کہ بچہ مانگے بچہ کا فعل صرف اس قدر ہے کہ وہ ماں کی طرف چلتا ہے باقی دینے والی ماں ہے مولانا فرماتے ہیں۔

تانگرید طفل کے جوشد لبن
تانگرید ابر کے خندد چمن

(بچہ جب تک روئے نہیں ماں کو بھی دودھ پلانے کا خیال نہیں آتا جب تک بارش نہ برسے چمن میں بہار نہیں آتی)

اور فرماتے ہیں۔

آب کم جو تشنگی آور بدست
تابجوشد آبت از بالاؤ پست

حافظ شیرازی فرماتے ہیں

سایہ معشوق گرافتاد برعاشق چہ شد
مابا و محتاج بودیم او بما مشتاق بود

(معشوق کا سایہ عاشق پر اگر پڑگیا تو کیا ہو گیا ہم اس کے منتظر تھے وہ ہمارا) حافظ صاحب ذرا دل چلے اور آزاد ہیں اس لئے ان کے کلام میں ذرا آزادی ہے اور مولانا رومی اسی مضمون کو ادب سے فرماتے ہیں۔

آب کم جو تشنگی آور بدست
تابجوشد آبت از بالاؤ پست

(پانی کی تلاش مت کرو بلکہ پانی کی پیاس پیدا کرو تاکہ تمہارے لئے پانی اوپر نیچے جوش مارنے لگے)

تشنگاں گر آب جویند از جہاں

آب ہم جوید بعالم تشنگاں

(پیاسے اگر پانی کے طالب ہیں تو پانی بھی ان کا طالب ہے-------!)

ہر کہ عاشق دید بس معشوق داں

کو بہ نسبت ہست ہم ایں وہم آں

(جس عاشق کو دیکھو اس کو معشوق مت سمجھو اگرچہ نسبت دونوں طرف ہے)

آگے فرماتے ہیں۔

عشق معشوقاں نہاں ست و ستیر

عشق عاشق بادو صد طبل و نفیر

(معشوق کا عشق پوشیدہ اور چھپا ہوا ہے عاشق کا عشق ظاہر و باہر ہے)

لیک عشق عاشقان تن زہ کند

عشق معشوقاں خوش و فربہ کند

(لیکن عاشقوں کا عشق دبلا کر دیتا ہے۔ اور معشوق کا عشق موٹا اور فربہ کرتا ہے)

یعنی حضرت حق کی محبت مخفی ہے اس لئے کہ وہ ذات پاک انفعال سے بری ہے اور ہمارے اندر انفعال ہے اس لئے ہمارے عشق کا شور و غل ہے بہرحال حق تعالیٰ کی رحمت خود ڈھونڈتی ہے صرف تھوڑی سی طلب ہماری ہونا چاہیے آگے وہ خود توفیق ویسے عطا فرماتے ہیں حدیث شریف میں ہے **فاما من کان من اهل السعادة فسيسر لعمل اهل السعادة** یعنی جو شخص اہل سعادت سے ہے اس کو اہل سعادت کے عمل سہل کر دیئے جاتے ہیں۔

ہمارے اعمال کی مثال

پس ہمارے اعمال کی اور حق تعالیٰ کے عطا کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی کریم ہو اس کے پاس جو سائل زنبیل لیکر جاتا ہے اس کو دیتا ہے اور جس کے پاس

زنبیل نہیں ہے وہ کہتا ہے کہ دینے کے لئے تو میرے پاس سب کچھ ہے لیکن میں اس لئے نہیں دیتا کہ تم زنبیل لے کر نہیں آئے اور زنبیل بھی اس نے ہی عطا کی ہے بس ہمارے اعمال بمنزلہ زنبیل کے ہیں کہ وہ بھی ان کی ہی توفیق سے ہیں باقی دیتے ہیں محض فضل سے۔ دوسری مثال اور لیجئے جن کے گھروں میں بچے ہیں ان کو شب و روز یہ قصہ پیش آتا ہے مثلاً ایک بچہ ہے جو دور کھڑا ہے اور ہم نے اس کو بلایا اور ہم کو یہ معلوم ہے کہ کتنی سعی کرے لیکن ہم تک نہیں پہنچ سکتا لیکن ہم اس کے منتظر رہتے ہیں کہ دیکھیں یہ کیا کرتا ہے وہ بچہ چلتا ہے اور گرپڑتا ہے پھر اٹھتا ہے پھر گرتا یہاں تک ہے کہ جب وہ اپنی کوشش پوری صرف کر دیتا ہے اور پھر بھی یہ مسافت اس سے قطع نہیں ہو سکتی تو رونے لگتا ہے پھر یہ ممکن نہیں کہ اس کو روتا دیکھ کر ہم کو صبر آوے فوراً" دوڑ کر اس کو اٹھا لیتے ہیں بس یہ مسافت واقع میں ہم نے ہی قطع کی ہے لیکن بعد اس کے گرنے اور کوشش کے بچہ اگر یہ سمجھے کہ یہ مسافت میں نے قطع کی ہے تو وہ نادان ہے اسی طرح ہمارا عمل ہے کہ وہ ہم کو خدا تعالیٰ تک پہنچانے والا نہیں ہے لیکن شرط کے درجہ میں ضروری ہے باقی کام فضل ہی سے ہوتا ہے کسی شاعر نے کہا ہے۔

خود بخود آں بت عیار ببرمی آید

نہ بزور نہ بزاری نہ بزری آید

(خود بخود ہی وہ تو اپنے بندوں کی طرف متوجہ ہے بغیر قوت بغیر رونے دھونے کے)

اس شعر میں بت عیار کا لفظ حق تعالیٰ شانہ کی شان میں بے ادبی ہے اس لئے میں نے اس کو اس طرح بدل دیا ہے۔ ع خود بخود آں شہ دلدار الخ۔

تقرب خداوندی

اور نرے اشعار ہی سے یہ مضمون ثابت نہیں بلکہ حدیث قدسی میں ہے من

تقرب الی شبرا" تقربت الیہ ذراعا ومن تقرب الی ذراعا" تقربت الیہ باعا ومن اتانی یمشی

اتیتہ ھرولۃ" یعنی حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص میری طرف ایک بالشت قریب ہوتا ہے میں اس کی طرف ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں اور جو میرے پاس چل کر آتا ہے میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں پس یہ راہ عشق تقرب سے قطع نہیں ہوتا بلکہ تقربت سے ہوتا ہے اور العبد واصل مجازا" کہا جاتا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے اللہ واصل الی العبد اب آپ کو اس تقریر سے عمل کا درجہ معلوم ہو گیا کہ وہ نہ موثر تام ہے اور نہ مستغنی عنہ پس جب عمل کی یہ حالت ہوئی تو اس پر عجب اور ناز نہ کرنا چاہئے بلکہ عمل کر کے فضل کی طلب ہونا چاہیے اس لئے ارشاد ہے وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ (اور اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کی درخواست کیا کرو) اب یہاں پر شبہ ہو سکتا تھا کہ ہم فضل کا سوال کریں لیکن معلوم نہیں کہ ہماری درخواست کی وہاں تک اطلاع بھی ہو گی اور اگر اطلاع ہو گی تو ہم کو وہی شے ملے گی بھی یا نہیں اس لئے آگے اس شبہ کو زائل فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا یعنی اللہ تعالیٰ بے شک ہر شے سے واقف ہیں پس سائل کے سوال کی بھی اطلاع ہے اور جب خود سوال کا امر فرمایا ہے تو سوال پر دیں گے بھی ضرور۔ ہاں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جو شے تم مانگتے ہو وہ نہیں ملتی مگر اس سے اعلیٰ درجہ کی شے دے دیتے ہیں کہ تمہارا ذہن بھی وہاں تک نہیں پہنچتا اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی سائل نے کریم سے ایک پیسہ مانگا اس نے ایک اشرفی نکال کر دیدی اب اگر سائل عقلمند ہے تو نہایت خوش ہو گا اور مسرت سے پھولا نہیں سماوے گا اور اگر نادان ہے تو شکایت کرے گا کہ ہم نے ایک پیسہ مانگا تھا وہ ہم کو نہ ملا

ہماری دعا کی کیفیت

اسی طرح ہماری دعا کی کیفیت ہے کہ ہم جو کچھ مانگتے ہیں ہم کو بعض دفعہ وہی شے اور بعض مرتبہ اس سے بڑھ کر ملتی ہے لیکن چونکہ ہم کو اس کی اطلاع نہیں ہوتی اس لئے شکوہ ہوتا ہے کہ میاں ہماری تو دعا کرتے کرتے زبان گھس گئی قبول نہیں ہوتی اور اس نادان کو یہ خبر نہیں کہ جو شے میں نے مانگی تھی مجھ کو اس

سے بہتر مل گئی بلکہ یہ شخص اپنے لئے بعض مرتبہ ایسی شے کا سوال کرتا ہے کہ اگر وہ مل جائے تو اس کے لئے مضر ہے اس لئے وہ عطا نہیں ہوتی اس سے بہتر کوئی شے ملتی ہے اور خصوصاً" دین کے متعلق جو دعا ہے وہ تو ضرور ہی قبول ہوتی ہے غرض دنیا کے متعلق دعا ہو یا دین کے متعلق وہ قبول ضرور ہوتی ہے فرق اس قدر ہے کہ دین تو چونکہ خیر محض ہے اس لئے وہ تو بعینہ عطا ہوتا ہے اور دنیا میں جو شے مانگتا ہے تو چونکہ بندہ اپنے مصالح سے واقف نہیں ہے اس لئے بسا اوقات ایسی شے کا سوال کر دیتا ہے جو اس کے لئے کسی طرح مصلحت نہیں ہے اس لئے بعض اوقات وہ شے بعینہ نہیں ملتی بلکہ اس کا کوئی نعم البدل ملتا ہے خواہ اس کو اس کی اطلاع ہو یا نہ ہو اور صاحبو! کوئی مانگنے والا ہو وہ تو بڑے دینے والے ہیں اور جو کچھ اب تک دیا ہے انہوں نے ہی دیا ہے مولانا فرماتے ہیں۔

نیم جاں بستاند وصد جاں دہد
آنچہ در وہمت نیاید آں دہد

(فانی اور حقیر جان لیتے ہیں اور اس کے بدلہ میں باقی جان عطا کرتے ہیں جو خواب و خیال میں نہیں ہوتا وہ عطا کرتے ہیں)

خود کہ یابد ایں چنیں بازار را
کہ بیک گل میخرد انبار را

(ایسا بازار کہاں مل سکتا ہے کہ ایک پھول کے بدلہ میں چمن ہی خرید لے)

تمام شبہات کا ازالہ

بہر حال اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا سے ایسے تمام شبہات کا ازالہ ہوتا ہے حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہاری دعاؤں کا بھی علم ہے اور یہ بھی علم ہے کہ کونسی شے تم کو دینا مناسب ہے آیا وہ جو تم نے مانگی ہے یا وہ جو اس سے بہتر ہے اس نے دی ان شبہات سے فضل کی درخواست میں کوتاہی نہ کرو۔ الحاصل اس آیت سے بحمد اللہ فضائل کے متعلق تمام طبقات کی غلطیوں کی اصلاح باحسن وجوہ

ہو گئی اس کے بعد سمجھنا چاہئے کہ اس آیت میں للرجال نصیب سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اعمال وہ ہیں جو مردوں کے ساتھ زیادہ خصوصیت رکھتے ہیں اور بعض اعمال جو عورتوں سے زیادہ خصوصیت رکھتے ہیں میرا اصل مقصود آج کے بیان سے ان اعمال ہی کا بیان کرنا تھا اور یہ خیال تھا کہ آیت کے ایک جزو لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا (مردوں کے لئے ان کے اعمال کا ثمرہ ہے) کا بیان مردوں کے مجمع میں ہو جائے گا اور دوسرے جزو یعنی وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ (اور عورتوں کے لئے ان کے اعمال کا ثمرہ ہے) کا بیان عورتوں کے مجمع میں کر دیا جائے گا لیکن تمہید میں وقت گزر گیا اور مقصود تک نوبت نہ پہنچی مگر بحمد اللہ جس قدر بیان ہوا ہے فی نفسہ وہ بھی نہایت ضروری مضمون تھا اس لئے صرف اس پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

اکتساب فضائل کا طریق

ہاں اب ضرورت اس کی ہے کہ اکتساب فضائل کا طریقہ اور مقصود العمل بتلا دوں پس جاننا چاہیے کہ وہ دو جزو سے مرکب ہے اول علم، دوسرے عمل لیکن علم سے مراد مڈل پاس ہونا یا انٹرنس یا بی اے ہونا نہیں اس کو تو نادان لوگ علم کہتے ہیں اس کو علم کہنے کی ایسی مثال ہے جیسے ہاتھی کی تصویر کو بچے ہاتھی کہتے ہیں بلکہ ہم تو علوم درسیہ مروجہ مدارس عربیہ کی بھی جبکہ وہ صرف الفاظ کے درجہ میں ہوں اور عمل اس کے ساتھ نہ ہو علم نہیں کہتے ہیں اور ہم کیا نہیں کہتے حق تعالی نے خود ایسے علماء کو جاہل فرمایا چنانچہ علماء یہود کی نسبت ارشاد ہے۔ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ پس مراد علم سے وہ علم دین ہے جو خوف و خشیت کے ساتھ ہو لیکن اس کو سن کر کوئی یوں نہ سمجھے کہ ہم سب کو مولوی ہونے کو کہتے ہیں بلکہ اگر سب مولوی ہونا چاہیں تو ہم خود روک دیں گے اس لئے کہ سب مولوی ہو جائیں تو دنیا کا انتظام کون کرے بلکہ مراد ہماری یہ ہے جو نو عمر فارغ ہیں اور قابلیت ان میں ہے ان کو علوم دینیہ درسیہ پڑھا کر عالم بناؤ اور جو دنیا کے کام میں مشغول ہیں وہ دو قسم کے لوگ ہیں جو ایک تو وہ جو پڑھے لکھے ہیں وہ اردو میں جو کتب دینیہ علماء محققین کی

تصنیف ہیں کسی عالم سے سبقاً" سبقاً" پڑھ لیں خود دیکھنا کافی نہیں اور جو پڑھے لکھے نہیں ان کے لئے ہر محلہ میں اس کا انتظام ہو جاوے کہ مسجد میں جب نماز کے لئے جمع ہوں تو جو ان میں پڑھا ہوا ہو وہ پہلے خود کتاب کا مطالعہ کر لے اور جو مقام سمجھ میں نہ آئے ان کو کسی عالم سے حل کر لے اور اگر کوئی عالم وہاں موجود ہوں تو ان سے پڑھ لے اور پھر یہ ان کو سنایا کرے ان شاء اللہ تعالیٰ چند روز میں یہ ان پڑھ لوگ ضرورت دین سے واقف ہو کر مولوی بن جاویں گے لیکن اس سے یہ شبہ نہ کرو پھر ان مدارس کی کیا ضرورت رہے گی اس لئے کہ یہ علم دین جو تم کو حاصل ہو گا یا اب جس قدر حاصل ہے وہ انہی علماء باضابطہ کی بدولت ہے اور عورتوں کے لئے یہ طریقہ ہے کہ مرد ان کو سنایا کریں جو پڑھے ہوئے ہیں کتاب پڑھ کر سنایا کریں اور جو ان پڑھ ہیں وہ جو مسائل مساجد میں سے سن کر آویں وہ سنایا کریں بلکہ اس کا بھی قصد نہ کریں کہ عورتیں جمع ہو کر اپنا کام دھندا چھوڑ کر سنیں بس گھر میں پڑھنا شروع کر دیا کرو اس طریقہ سے ان شاء اللہ تعالیٰ بہت نفع ہو گا بلکہ میں تو اس قدر وسعت دیتا ہوں کہ اگر عمل کا ارادہ بھی نہ ہو تب علم بھی حاصل کر لو ان شاء اللہ بہت سے مفاسد کم ہو جاویں گے دین کے بھی اور دنیا کے بھی کم از کم اسی قدر فائدہ ہو گا کہ جن گناہوں کو گناہ نہیں سمجھتے ان کو گناہ سمجھنے لگیں گے رفتہ رفتہ ندامت پیدا ہو گی اور کسی وقت اگر رائے بدلی تو اس وقت اپنے پاس عمل کرنے کے لئے ایک ذخیرہ مفت میں حاصل ہو گا اور اگر رائے بدلی اور ندامت ہوئی اور علم نہ ہوا اور اتفاق سے کوئی موقع بھی ایسا نہیں ہے کہ عالم وہاں موجود ہو تو اس وقت سخت حسرت ہو گی اس وقت اس شخص کی ایسی مثال ہو گی جیسے کوئی خارش میں مبتلا ہو اول تو خشک تھی کھجلانے میں مزہ آیا اس وقت بہت سے اطباء اور اس کے خیر خواہوں نے اس کو نسخے بتلانا چاہے لیکن اس نے ایک نہ سنی انہوں نے ہر چند کہا کہ میاں یہ نسخے استعمال مت کرنا لیکن تم ان کو یاد کر لو لکھ لو کام آئیں گے لیکن اس بھلے مانس نے کچھ نہ سنا رفتہ رفتہ وہ اطباء اس کے شہر سے چلے گئے

رحلت کر گئے اور اس کی خشک خارش تر ہو گئی اور تمام بدن پھوٹ پڑا اور کوڑھ تک نوبت پہنچ گئی اس وقت اگر اس کو ایک آدھ نسخہ بھی یاد ہوتا تو کیسا کام آتا اس وقت بہت پچھتاتا ہے اور حسرت اور افسوس کرتا ہے لیکن اب کیا ہوتا ہے آخر وہ روز سیاہ دیکھنا پڑا کہ اسی میں ہلاک ہو گیا اور تندرستی کی شکل تک نہ دیکھی اور ایک اس بات کا التزام کرو کہ تم کو اپنے دنیوی یا دینی معاملات و واقعات میں جو صورت پیش آیا کرے اس کی تحقیق کر لیا کرو کہ شرعاً" یہ صورت جائز ہے یا ناجائز اگر کوئی عالم تمہارے پاس موجود نہ ہو تو کسی عالم کے پاس خط بھیج کر دریافت کر لیا کرو اور نہ ڈرو کہ اگر ہم دریافت کریں گے تو عمل کرنا فرض ہو جائے گا اس لئے کہ مرض بھی ہے۔

وجوب عمل علم پر موقوف نہیں

جیسے ایک ڈوم کی حکایت ہے اس نے وعظ میں سنا کہ چاند دیکھنے سے روزہ فرض ہو جاتا ہے اس نے کہا کہ میں چاند ہی نہ دیکھوں گا اور ۲۹ شعبان سے گھر کے اندر محبوس ہو کر بیٹھ گیا کھانا بھی وہاں کھاتا اور پائخانہ پیشاب بھی وہاں کرتا ایک روز بیوی نے کہا کہ کمبخت تجھے کیا ہو گیا ایسا کیوں احدی بن گیا کہ گھر میں ہگتا موتتا ہے بیوی کے کہنے سننے سے باہر نکلا مگر اس صورت سے کہ منہ پر کپڑا رکھے ہوئے اور آنکھوں کو چھپائے ہوئے کہ کہیں چاند نظر نہ آ جائے اسی ہیئت سے جنگل پہنچا اور قضائے حاجت کے بعد طہارت کے واسطے تالاب پر آیا اور نظر نیچے کیے ہوئے تھا جب پانی کے پاس آیا تو تالاب میں چاند کا عکس نظر آ گیا تو آپ فرماتے ہیں کہ بندہ خدا میں تو تجھ کو دیکھتا نہیں تو کیوں خواہ مخواہ میری آنکھوں میں روزہ فرض کرنے کو گھسا آتا ہے بڑے بڑے ثقہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم وعظ سنیں گے یا مسئلہ دریافت کریں گے تو اس پر عمل کرنا فرض ہو جائے گا اس لئے ہم سنتے ہی نہیں یاد رکھو عمل کرنا بغیر سنے اور جانے بھی فرض ہے جب تم مسلمان ہو تو تمام احکام اسلام کے تم پر فرض ہیں۔ پس یہ سمجھنا غلطی ہے کہ وجوب عمل علم پر

موقوف ہے چونکہ تحقیق اور وجود خارجی عمل کے بغیر نہیں ہو سکتا پس علم حاصل کرنا بھی ضروری ہے اس سے ایک واجب تو ادا ہو گا دوسرے کو بھی توفیق ہو جائے گی غرض پوچھا کرو کہ جائز ہے یا ناجائز اور علم سے دینی فائدہ یقینی ہے کم از کم کاموں میں جو خرابیاں اور گناہ پیدا ہو جاتے ہیں علم سے ان کی اصلاح ہو جاتی ہے اور نقصان دنیوی کچھ ہوتا نہیں اس کی ایک مثال عرض کر دیتا ہوں اس سے یہ مضمون خوب واضح ہو جائے گا مثلاً تم کو چاندی خریدنا منظور ہے اور چاندی کا نرخ مثلاً ستا ہے کہ روپیہ کی سو۱ تولہ آتی ہے تو اگر تم کو علم ہو گا تو تم دس روپیہ کی چاندی خرید کر روپیہ دیدو گے اور اس میں سود کا گناہ ہو گا جس کا ادنیٰ گناہ یہ ہے کہ جیسے اپنی ماں سے زنا کرنا بتلائے آپ کا اس سے کیا حاصل ہوا اگر آپ مسئلہ کے موافق چاندی کی فروخت کرو گناہ سے بھی بچ جاؤں اور حرج بھی کچھ نہیں اور نہ اس میں کچھ مشقت ہے مثال مذکور میں دس روپیہ کی چاندی آپ کو خریدنا منظور ہے تو آپ یہ کریں کہ نو روپیہ ایک روپیہ کے پیسے اس کو دو یا چار آنے ہی کے پیسے دیدو اس طرح سے سود نہ ہو گا اور گناہ سے بچ جاؤں گے اور نقصان بھی کچھ نہیں پس خدا کے لیے علم ضرور حاصل کر لو سستی نہ کرو کہ میاں کون سیکھے جب علم ہو گا تو کبھی نہ کبھی تم کو خدا تعالیٰ کے سامنے ضرور جھکا دیگا لیکن اس کو سنکر ڈرے ہو گے کہ ہم تو کبھی علم نہ سیکھیں گے اس سے ہمارے عیش میں خلل پڑے گا نماز روزہ کرنا پڑے گا صاحبو! عیش برباد نہ ہو گا جس کو تم عیش سمجھ رہے ہو وہ سراپا کدورت اور مصیبت ہے عیش کی تو صورت بھی نہیں دیکھی طریقہ پر چلنے سے البتہ راحت اور عیش حاصل ہو گا۔

دستور العمل برائے عمل

الحاصل ایک جزو تو دستور العمل کا علم تھا جس کے متعلق بقدر ضرورت بیان ہو گیا دوسرا جزو اس دستور العمل کا عمل ہے اس میں بالخصوص علماء اور طلباء سے خطاب کرتا ہوں کہ آپ حضرات جو نرے علم پر ناز کرتے ہیں اور فضائل و

درجات عالیہ علم کا مستحق اپنے کو سمجھتے ہیں اور بے موقع عوام کے سامنے فضل العالم علی الجاھل کفضلی علی ادناکم (عالم کی فضیلت جاہل کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے میرا مرتبہ تمہارے کم درجہ آدمی کے مقابلہ میں) پڑھ دیا کرتے ہیں آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ یہ فضائل کون سے علم کے ہیں مطلق علم کے یا علم مع العمل کے اگر عالم بے عمل کے لئے وعیدیں کتاب و سنت میں نہ ہوتیں تو تمہارا ناز کسی درجہ میں تسلیم نہیں کیا جاتا اور جبکہ تم خود وعیدیں علماء سوکی دیکھتے ہو تو نفس علم کیسے باعث فخر آپ کے نزدیک ہے یاد رکھو ایسا علم حجتہ اللہ علی العبد ہے خدا تعالیٰ کے لئے اس ناز کو چھوڑو اور عمل میں کوشش کرو۔ ہمارے بعض طالب علموں کا خیال ہے ابھی تو ہم پڑھ رہے ہیں جب پڑھ لیں گے اس وقت عمل کریں گے یہ خیال بالکل غلط ہے جس گناہ کو تم آج نہیں چھوڑ سکتے اور جس طاعت کو اس وقت اختیار نہیں کر سکتے اور نفس پر تم کو قابو نہیں تو کل بطریق اولیٰ تم سے عمل نہ ہو سکے گا بلکہ آج عمل کرنا سہل ہے اس لئے کہ جس قدر مدت گذرے گی نفس کے اندر اخلاق رذیلہ زیادہ متمکن ہوں گے۔

درختیکہ اکنوں گرفت است پائے
بہ نیروے شخصے بر آید زجائے

(جو درخت کہ ابھی لگایا گیا ہو اور جڑیں کمزور ہوں وہ کسی بھی آدمی کے کھینچنے سے اپنی جگہ سے اکھڑ جائے گا)

وگر ہمچناں روز گارے ہلی
بگردونش از بیخ بر نگسلی
چشمہ شاید گرفتن بہ میل
چو پر شد نہ شاید گذشتن بہ پیل

مستحق فضائل

دوسرے یہ کہ اس وقت تو تمہارا علم تازہ ہے جب ابھی اس کا اثر نہ ہوا تو

آئندہ ہو گا گو ممتنع تو نہیں لیکن دشوار ضرور ہو گا اس لئے اس خیال خام چھوڑو اور جو کچھ پڑھتے جاؤ ساتھ ساتھ عمل کرتے رہو اور اگر بد عملی کی یہی حالت رہی اور اسی حالت میں تحصیل علم سے فارغ ہو گئے اور مخدوم بن کر کہیں رہے تو لوگوں پر آپ کے اعمال کا بڑا اثر پڑے گا اس کا گناہ بھی آپ پر ہی ہو گا اور عوام الناس کو جس قدر شکائتیں اور الزامات علماء پر ہیں وہ اس بد عملی کی بدولت ہیں اور عمل کرنے سے اس کی مراد صرف روزہ نماز اور بہت سی نفلیں مراد نہیں ہیں نماز روزہ کو بفضلہ تعالیٰ آپ لوگ کرتے ہی ہیں بلکہ میرا روئے سخن بیشتر اخلاق کے متعلق ہے تکبر تحاسد غیبت تباغض خصوص معاصی قلب کے اور معاصی نگاہ کے ان کو چھوڑو اور ان کے معالجہ کی فکر کرو اور خصوص وہ جو احوال کے متعلق ہیں خدا تعالیٰ سے خشیت اور محبت دین کی محبت اور جن سے نفع تم کو پہنچے ان کی اطاعت اور خدمت اختیار کرو اور بالخصوص حرص اور طمع کے پاس بھی نہ جاؤ اس سے دنیا داروں کی نظر میں آپ لوگوں کی بڑی سبکی ہوتی ہے اس لئے جہاں ادنیٰ احتمال بھی اس کا ہو ہرگز وہاں نہ جاؤ اور نہ وہ فعل اختیار کرو اگرچہ تم تنگی کی حالت میں ہو بالکل مستغنی رہو مگر استغناء میں اتنا بڑا نہ ہو کہ لوگ تم کو متکبر سمجھیں میرا مقصود یہ ہے کہ نہ دنیا داروں سے تملق ہو اور نہ تکبر استغنا ہو تواضع لئے ہوئے اگر آپ لوگ اس طرح زندگی بسر کرو گے تو ان شاء اللہ تعالیٰ اس کی نظر میں بھی معزز رہو گے الحاصل اکتساب فضائل کا طریقہ علم و عمل ہے اگر اس پر عمل کریں گے تو آپ فضائل کے مستحق ہو جاویں گے اب اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ ہم سب کو توفیق عمل کی عطا فرماویں۔ واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد و علی الہ و اصحابہ اجمعین

الباطن
باطن کی اصلاح کی ضرورت

ازالہ غفلت و ضرورت اصلاح باطن کے متعلق بمقام مسجد مدرسہ احیاء العلوم الہ آباد ۱۳ ربیع الاول ۱۳۲۶ ہجری یوم جمعہ ایک گھنٹہ ۵۵ منٹ چوکی پر بیٹھ کر خطاب فرمایا۔ جس کو محمد مصطفیٰ بجنوری نے قلمبند فرمایا۔

دعائیے خطبہ امابعد فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لایستجیب الدعاء عن قلب لاہ

ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالی غافل قلب سے دعا قبول نہیں فرماتے۔

ایک ضروری مضمون

یہ جملہ ایک حدیث ہے یعنی ارشاد ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کا' اس میں حضور صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم نے ایک مضمون کی ضرورت عجیب عنوان سے ارشاد فرمائی ہے جو مجمل طور پر ترجمہ سے اور مفصل طور پر شرح سے ظاہر ہو گی' وہ مضمون بظاہر سرسری معلوم ہوتا ہے' مگر واقع میں نہایت ضروری ہے' اور ہم لوگوں نے اسی طرح اکثر ضروری مضامین کو سرسری سمجھ کر چھوڑ دیا ہے' اور سرسری ہونا اس مضمون کا عنوان سے مفہوم ہوا' کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معمولی الفاظ میں اس کی ضرورت کو ظاہر کیا ہے مقدمات اور شکل کی صورت میں اس کو بیان نہیں فرمایا۔

انبیاء علیہم السلام کی تعلیم سہل ہونے کی وجہ

اور یہ عادت ہے انبیاء علیہم السلام کی کہ تعلیم میں بہت سہولت فرماتے ہیں ان کی تعلیم میں کہیں پیچیدگی اور الجھن نہیں ہوتی۔ بخلاف دوسرے اہل فنون کے کہ ان کی تعلیم میں پیچیدگی اور الجھن ہوتی ہے' بلکہ اس کا اہتمام کیا جاتا ہے کہ پیچیدگی اور الجھن ہو۔ اور یہ کبھی تو اظہار کمال کے لئے ہوتا ہے کہ ہمارے ایسے دقیق علوم ہیں اور کبھی یہ پیچیدگی اور الجھن قلت شفقت کی وجہ سے ہوتی ہے کہ ان کو اس کی پرواہ نہیں ہوتی کہ کسی کو یہ فن آوے یا نہ آوے' لہذا یہ لوگ ان فنون کے بیان میں سہولت کا اہتمام نہیں کرتے' بلکہ پہلی صورت میں تو عدم سہولت کا اہتمام ہوتا ہے' کہ فن کو قصداً" اتنا مشکل کرکے بیان کیا جائے کہ

ہر شخص کی سمجھ میں نہ آسکے جب ہی تو ان کا کمال ظاہر ہوگا۔

اہل دنیا کا حال

اور دوسری صورت میں عدم اہتمام ہے سہولت کا کہ بے پرواہی کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ اتفاق سے کبھی سہل بھی ہو جاوے تو ہو جاوے لیکن ان کا یہ قصد نہیں ہوتا کہ سہولت ہو ان دونوں صورتوں میں یہی فرق ہے۔ ایک میں قصداً مضمون کو مشکل کیا گیا ہے۔ اور دوسری میں سہولت کی طرف توجہ نہیں ہوتی پہلی صورت میں مضمون ہمیشہ مشکل ہوگا اور دوسری صورت میں کہیں مشکل ہوگا اور کہیں نہیں ہوگا۔

لیکن اس بات میں دونوں صورتیں شریک ہیں کہ مضمون سہل نہیں کیا گیا اور نیز اتنا عام فہم تو کبھی نہ ہوگا جتنا کہ اس صورت میں ہوتا ہے۔ جب کہ قصداً اہتمام سہولت کا کیا جاوے' غرض دیگر علوم و فنون میں ہمیشہ پیچیدہ تقریر اور مغلق مضامین ہوتے ہیں جیسے بعض شعراء اپنی نظم میں لغت بہت نئے نئے داخل کرتے ہیں تاکہ قادر الکلام اور فاضل سمجھے جاویں۔ یا بعضے نثر میں بھی نئے نئے اور مشکل اور غریب لغت داخل کرتے اور اس میں کسی زبان کی تخصیص نہیں بعضے عربی داں عربی کی عبارت ایسی لکھتے ہیں کہ بغیر قاموس اور صراح کے سامنے رکھے ہوئے وہ سمجھ ہی میں نہیں آسکتی اسی طرح بعض فارسی داں ایسی فارسی لکھتے ہیں کہ اس میں ضرورت سے زیادہ عربی لفظ مفرد اور مرکب داخل ہوتے ہیں اور آج کل اردو دانوں میں تو یہ مرض بہت ہی ہے کہ کہنے کو تو ان کی عبارت اردو ہوتی ہے۔ مگر بعض جگہ تو آدھی انگریزی اس میں شامل ہوتی ہے اور یہ نہیں کہ وہ اردو لکھ نہیں سکتے کیونکہ اردو تو مادری زبان ہے بلکہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ جتلانا چاہتے ہیں کہ ہم انگریزی کے ایسے قابل ہیں کہ انگریزی گویا ہماری مادری زبان ہو گئی ہے' یہ خبط اخباروں میں زیادہ ہے حالانکہ اخبار کے موضوع کے یہ بات خلاف ہے کیونکہ اخبار سے تو خبروں کی اشاعت اور عام کرنا مقصود ہے اسی واسطے

اخبار اردو کا نکالا جاتا ہے مگر جب اس میں آدھی انگریزی شامل ہے تو خبروں کو عموم کہاں ہوا۔ اس صورت میں تو ان مضامین کو انگریزی داں لوگ ہی سمجھیں گے۔ اور ظاہر ہے کہ انگریزی داں ایک خاص جماعت ہے تو اخبار عام کہاں ہوا یہ کیسی کھلی ہوئی بات ہے۔ مگر اہل اخبار کی اس پر نظر نہیں۔

تصنع بھی عجیب مرض ہے

یہ تو اہل دنیا کا حال ہے۔ بعض اہل علم علوم شرعیہ میں بھی لغات ٹھونستے ہیں۔ جس کا منشاء زیادہ تر تصنع ہے اور یہ تصنع بھی عجیب مرض ہے اس کی جب عادت ہو جاتی ہے تو اس میں کچھ لطف آنے لگتا ہے ایک رئیس صاحب کو مرض تھا کہ ہر بات میں موٹے موٹے لغت بولتے تاکہ لیاقت اور قابلیت خوب ظاہر ہو مگر ایسے لوگ عوام ہی میں بیٹھ کر خوب لیاقت بگھارا کرتے ہیں۔ اہل علم کے سامنے بولیں تو معلوم ہو اول تو اہل علم کے سامنے ایسی ہمت ہی نہیں ہو سکتی اور اگر کوئی ہمت کرے بھی تو راز کھل جائے اور غلطی پکڑلی جاوے تو ان رئیس صاحب کو ایک دفعہ کاشتکاروں سے یہ پوچھنا تھا کہ بارش ہوئی ہے یا نہیں تو سیدھی بات تھی یوں پوچھ لیتے کہ بارش ہوئی یا نہیں یا مینھ برسایا نہیں۔ مگر ان صاحب نے کس قدر گت بنائی اس ذرا سی بات کی۔ آپ ان کاشتکاروں سے پوچھتے ہیں کیوں صاحبو! امسال کشت زار گندم پر تقاطر امطار ہوا یا نہیں وہ کاشتکار ان کے منہ کو دیکھنے لگے۔ گنوار ہوتے ہیں بڑے ذہین شہری لوگ تو چکنے چپڑے بہت ہوتے ہیں بعض موقع پر ایسی بات کہہ اٹھتے ہیں کہ شہری کو کبھی بھی نہ سوجھے ان میں سے ایک اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے بولا اس وقت میاں قرآن پڑھ رہے ہیں چلو۔ جب یہ آدمیوں کی بولی بولیں گے اس وقت آنا

غرض عنوان کو مشکل اس واسطے کیا جاتا ہے تاکہ کوئی سمجھے نہیں کوئی ان سے پوچھے کہ پھر بات ہی کیوں کہی جب اس کا سمجھانا ہی مقصود نہیں ایسی عبارت تو اس کا مصداق ہے۔

بک رہا ہوں جنون میں کیا کیا
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

بعض شعراء اور اہل زبان کو بھی یہ خبط ہوتا ہے کہ قصداً" اپنی عبارت کو مشکل کرتے ہیں باقی عقلاء کے علوم و فنون کچھ تو مشکل ہوتے بھی ہیں لیکن زیادہ پیچیدگی طرز بیان سے بھی ہو جاتی ہے دیکھئے فلسفہ و منطق کو بڑا مشکل فن مانا جاتا ہے۔ حالانکہ فن در حقیقت زیادہ مشکل نہیں اس کا بیان البتہ بہت پیچیدہ ہے غرض عقلاء کے فنون کوہ کندن و کاہ بر آوردن کا مصداق ہیں کہ بہت سے مبادی اور مقدمات کو پیش نظر کر کے ان کے مطلب تک پہنچنا ہوتا ہے۔ مگر حاصل کچھ بھی نہیں ان میں محنت بہت اور حاصل کم ہے بخلاف علوم شرعیہ کے کہ ان میں اس کا عکس ہے کہ محنت کم ہے اور حاصل بہت ہے۔

علوم محمودہ اور مذمومہ کی مثال

ایک طالب علم نے علوم محمودہ اور مذمومہ کے متعلق خوب فیصلہ کیا اس کی ایک فلسفی سے بحث ہوئی فلسفی نے کہا دیکھو ہمارے علوم کیسے دقیق ہیں کہ تم جیسوں کی سمجھ میں بھی نہ آویں اور تمہارے کیا علم ہیں کہ نماز فرض ہے وضو ایسے ہوتا ہے اس میں کیا باریکی ہے اس نے کہا کہ تمہارے علوم تو ایسے ہیں جیسے سور کا شکار کہ مشکل تو اس قدر کہ گھوڑا بھی چاہیے اور بہت سے آدمی بھی چاہئیں اور ہتھیار بھی چاہئیں اور اس پر جان کا بھی خطرہ اور حاصل کیا ہوا۔ سور جو سرا نہ کھانے کا نہ کسی مصرف کا۔

اور ہمارے علوم ایسے ہیں جیسے کبوتر کا شکار جو بے بندوق کے بھی مل جاوے۔ غلہ ہی سے مار لو جال ہی سے پکڑ لو اور ہر جگہ کثرت سے ہے۔ کہیں دور جانے اور کسی سامان کی ضرورت نہیں اور ایسا بے خطر کہ حملہ بھی کچھ نہیں کرتا غرض نہایت سہل اور بے خطر اور پھر کام کا۔ کھانے کے کام میں آتا ہے زبان کا بھی مزہ اور غذا بھی۔ تو یہ شکار اچھا یا وہ شکار اچھا کہ جان ماری اور محنت کی اور

خطرہ میں پڑے اور اخیر نتیجہ نکالا جاوے تو حاصل کچھ بھی نہیں۔ مردار اور نجس العین ہے۔

ایسا ہی تمہارا فلسفہ ہے کہ پڑھتے پڑھتے دماغ خراب کر لیا اور آخر نتیجہ کیا کچھ بھی نہیں سوا اس کے کہ اشراقین کی یہ رائے ہے اور مشائین کی یہ رائے ہے معلوم نہیں کونسی غلط ہے اور کونسی صحیح ہے اور ہمارا علم یہ ہے کہ اول ہی دن سے ہم نے پڑھا کہ وضو میں اتنے فرض ہیں اور وضو کرنا شروع کر دیا اسی وقت سے حاصل نکلنے لگا اور عمل پر ثواب کی امید ہوئی۔ اور تمہیں کیا ملا کونسا ثواب مشائین یا اشراقیین کی رائے پر ملنے کی امید ہے۔

حکماء اور انبیاء علیہم السلام کی تعلیم میں فرق

بس یہی فرق ہے انبیاء علیہم السلام کی تعلیم میں اور حکماء کی تعلیم میں اور فلسفہ تو آگے ہے منطق ہی میں دیکھئے کس قدر مباحثات اور مناظرات ہیں ایک ذرا سی بات ہے مگر وہ طے ہی نہیں ہوتی خواہ مخواہ فضول جھگڑے بھر دیئے اور اس پر نازاں ہیں کہ ہمارے علوم بڑے دقیق ہیں دقیق بے شک ہیں مگر اس وقت کا کیا حاصل ہے اگر کوئی بات مشکل سے حاصل ہو لیکن یہ امید ہو کہ اس کو حاصل کر کے کوئی نتیجہ معتدبہ حاصل ہوگا تب بھی مضائقہ نہیں۔ لیکن یہاں حاصل کے نام صفر ہے تمام عمر اسی لوٹ پوٹ میں رہو کہ یہ ٹھیک ہے یا وہ ٹھیک ہے۔ اور طے جب بھی نہ ہوا کہ کیا ٹھیک ہے اور اگر طے بھی ہو جائے کہ امر حق یہ ہے تب بھی اس کا کچھ حاصل نہیں صرف ایک بات کا علم ہو گیا اس سے کام کونسا نکلا۔ دیکھئے معقول میں پہلے علم ہی کی بحث ہے اور اس میں اس قدر مناقشات ہیں کہ ان کی وجہ سے اس بحث کو معرکۃ الاراء ٹھہرا لیا ہے۔ اس میں سب سے پہلے اس پر بحث ہے کہ علم کون سے مقولہ سے ہے یہ ذرا سی بات ہے۔ مگر لوگوں نے اس میں کتابیں کی کتابیں سیاہ کر دی ہیں کوئی کہتا ہے مقولہ انفعال سے ہے اور کوئی کہتا ہے اضافت سے ہے کوئی مقولہ کیف سے بتلاتا ہے پھر سب طرف سے وہ حجتیں اور

دلیلیں پیش کی گئی ہیں کہ الٰہی توبہ دماغ پریشان ہو جاتا ہے اور نتیجہ اس بحث کا کچھ بھی نہیں اگر تحقیق ہو بھی گیا اور امر واقعی معلوم ہو گیا کہ علم فلاں مقولہ سے ہے تو ثمرہ علم کا تو نہ بدلا یعنی جو نتیجہ اس علم سے حاصل ہونے والا ہے وہ تو ہر حال میں ایک ہی ہے چاہے علم کسی مقولہ سے ہو اور اگر تحقیق نہ ہوا اور امر حق معلوم نہ ہوا تب بھی ثمرہ نہ بدلا یعنی جو نتیجہ اس علم سے ہونے والا ہے وہ اب بھی مترتب ہو گا۔

بہت ظاہر بات ہے کہ ہم پلاؤ کھاویں یا کوئی معجون کھاویں تو اس کی لذت یا منفعت علم ترکیب پر موقوف نہیں اس کی ترکیب کا ہم کو علم ہو یا نہ ہو منفعت پھر بھی حاصل ہو گی لوگ ساری ساری عمر پلاؤ کھاتے ہیں باورچی پکاتا ہے اور وہ کھا لیتے ہیں اس کی لذت اور منفعت جو اس پر مترتب ہے برابر حاصل ہوتی ہے حالانکہ ترکیب پکانے کی کسی کو بھی نہیں آتی بلکہ واقعہ تو یہ ہے کہ جس کو ترکیب آتی ہے یعنی باورچی وہ پلاؤ کے نتیجہ سے اکثر محروم ہے کیونکہ اسے پلاؤ کھانے کو نہیں ملتا نتیجہ صاحب خانہ کو حاصل ہوتا ہے اور پکاتا وہ ہے جس کو دوسرے لفظ میں یوں کہنا چاہیے کہ علم باورچی کو ہے اور ثمرہ علم کا صاحب خانہ کو حاصل ہے صاحب علم ثمرہ سے محروم ہیں اب فرمائیے کہ علم اچھا یا ثمرہ۔

علوم حکماء اور علوم شرعیہ کا فرق

یہی حال علوم حکماء کا اور علوم شرعی کا ہے۔ کہ ان کے پاس صرف علوم ہی ہیں اور انہوں نے ان کو منتہائے نظر قرار دے رکھا ہے اور ثمرہ حاصل ہے شرعیات جاننے والوں کو انبیاء علیہم السلام نے تو غذا پکی پکائی دی ہے۔ اور حکماء نے پکانا سکھلایا ہے مگر انہوں نے جس چیز کا پکانا سکھلایا ہے وہ کھانے کی ہے بھی نہیں محض سونگھنے کی ہے۔ دن بھر تو سر مارا جب چیز تیار ہوئی تو معلوم ہوا کہ یہ تو کھانے کی نہیں ہے ع چو دم برداشتم مادہ بر آمد

اور یہ میں غلط نہیں کہتا ہوں کہ ان کی بتلائی ہوئی چیز کھانے کی نہیں ہے بلکہ

یہ بالکل سچ بات ہے جن باتوں کو انہوں نے تمام عمر سر مار کر طے کیا وہ اخیر میں غلط ثابت ہوئیں اب دیکھیے کہ وہ کار آمد ہیں یا نہیں جب غلط ہیں تو کار آمد کیسی تو یہ بات صحیح ہوئی کہ جو چیز انہوں نے پکائی تھی وہ کھانے کی بھی نہ نکلی خلاصہ یہ کہ تعلیم انبیاء علیہم السلام کی سہل ہوتی ہے کیونکہ وہ فضول باتوں میں ڈالنا نہیں چاہتے کام میں لگانا چاہتے ہیں ان کو خلق خدا پر غایت درجہ کی شفقت ہوتی ہے اور اپنی بڑائی جتانا منظور نہیں ہوتی بناء تو سہولت تعلیم انبیاء کی یہ ہے یعنی شفقت لیکن نتیجہ اس سہولت کا یہ ہوا کہ عام فہم ہونے کی وجہ سے لوگوں نے اس تعلیم ہی کو سرسری سمجھ لیا یہ بڑی نادانی ہے۔ یہ ایسا ہے جیسے بعضے مدرس درس کے وقت تخصل تقریر کرتے ہیں اور بات خواہ معمولی ہی سی ہو مگر اس کو موٹے موٹے الفاظ میں اور پیچیدہ عنوان سے بیان کرتے ہیں اور طالب علموں کا بھی آجکل یہی مذاق ہو رہا ہے کہ وہ بھی ایسے ہی مدرس کے بڑے معتقد ہوتے ہیں اور کہتے ہیں یہ بڑے قابل شخص ہیں اور کتاب خوب پڑھانا جانتے ہیں اور جو محقق لوگ ہیں وہ مشکل سے مشکل مضمون کو بھی سہل کر کے بیان کر دیتے ہیں۔ مگر بعض طالب ایسے شخص کو کہتے ہیں کہ ان کی تعلیم سرسری اور عامیانہ ہے اور یہ تو بازاری شخص ہیں خوب یہ قدر ہوئی ان کی لیاقت کی اور ان کو اس شفقت کے بدلہ میں کہ انہوں نے مضمون کو ایسا سہل کر دیا تھا کہ بات سمجھ میں آگئی یہ خطابات عطا ہوئے۔ اس احسان کا بدلہ یہی ہے کہ عام اور بازاری بنائے گئے لیکن سب برابر نہیں جو طالب علم سمجھدار ہیں اور جن کو تحقیق مقصود ہے وہ تو جب کتاب کے مضمون کو دیکھتے ہیں اور اس کے بعد استاد کی تقریر کو سنتے ہیں تو بھڑک اٹھتے ہیں اور دل سے تعریف کرتے ہیں کہ کیسے مضمون کو کس خوبی سے مختصر الفاظ میں بیان کر دیا اور ان کی تقریر کو ہرگز سرسری نہیں سمجھتے۔

دقیق علوم و فنون کا مقصود

غرض یہ بات سمجھ میں آگئی ہوگی کہ جو علوم فنون مشکل ہیں۔ ان میں طالب

کو نفع پہنچانا مقصود نہیں صرف اپنا نام کرنا مقصود ہے۔ اور ان میں طالبین کے ساتھ ان کو شفقت نہیں اور جو علوم سہل ہیں اس کے موجد کو نفع پہنچانا مقصود ہے اس لئے محض شفقت کی بنا پر سہولت کو مد نظر رکھا ہے کیونکہ شفیق کو نام سے بحث نہیں ہوتی دیکھئے باپ اپنے بیٹے کی تربیت کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس میں کماحقہ لیاقت پیدا ہو جائے اس کے اخلاق بھی درست ہو جائیں تہذیب میں بھی کوئی کسر نہ رہے تعلیم میں بھی اعلیٰ درجہ پر پہنچ جائے حتیٰ کہ باپ اس میں بھی دریغ نہیں کرتا کہ بیٹا ان سب باتوں میں اس سے بھی بڑھ جائے مگر باوجود اس کے نام کرنا اور دکھلانا کبھی نہیں چاہتا۔ حتیٰ کہ اس کو اپنی طرف انتساب بھی مقصود نہیں ہوتا کہ یوں کہا جاوے کہ اس کو اس کے باپ نے اس قابل بنایا ہے بس محض شفقت ہے بدون کسی غرض کے یہ چاہتا ہے کہ میرا بیٹا اعلیٰ درجہ کا انسان ہو جائے پھر دیکھئے کہیں باپ بھی بیٹے کو الجھن میں ڈالتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ مشکل سے مشکل کام کو آسان ذرائع سے سکھلاتا ہے تو کیا بیٹے کو یہ کہنا چاہیے کہ یہ تو معمولی باتیں ہیں اور میرا باپ کسی قابل نہیں جو مجھے مشکل کاموں میں نہیں ڈالتا انصاف تو یہ ہے اور سب جانتے ہیں کہ یہ محض باپ کی شفقت کا نتیجہ ہے کہ سہولت پسند ہے۔

شفقت انبیاء علیہم السلام

حضرات انبیاء علیہم السلام کی شفقت امت پر نہایت درجہ ہوتی ہے کہ باپ کی شفقت بھی اس کے سامنے کوئی چیز نہیں۔ اور اس کی تصدیق قرآن شریف سے ہوتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں فرماتے ہیں **لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَنْ لَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ** یعنی آپ کی حالت یہ ہے کہ شاید آپ اپنی جان کھو دیں گے اس رنج میں کہ یہ مومن نہیں ہوتے اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جان پر کھیل کر امت کے واسطے محنت کی ہے اس عنوان سے بے حد محبت اور شفقت ٹپکتی ہے یہاں کوئی یہ نہ سمجھے کہ حق تعالیٰ نے **لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ** بطور مبالغہ کے فرما دیا ہے کہ آپ اپنی جان کھو دیں گے کیونکہ حق تعالیٰ

کے کلام میں مبالغہ نہیں ہوتا کلام اللہ شاعرانہ کلام نہیں ہے اور یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف نظم میں نہیں اتارا گیا کیونکہ نظم کے حسن میں یہ بات داخل ہے کہ اس میں مبالغہ ہو دیکھئے شاعروں کے کلام میں کس قدر مبالغہ ہوتا ہے بلکہ شعر اتنا ہی اعلیٰ درجہ کا سمجھا جاتا ہے جتنا اس میں مبالغہ زیادہ ہو جتنے بھی زمین آسمان کے قلابے ملائے جاویں اتنی ہی تعریف کی جاتی ہے۔ خد و خال اور کمر کی تعریفیں شعراء کے کلام میں دیکھ لیجئے کہ کیسی ہیں الہی توبہ مبالغہ سے گذر کر کذب تک نوبت آگئی ہے قرآن شریف تو محض نصیحت ہے

کلام الٰہی کی نئی بات

اس میں مبالغہ کی کیا ضرورت اور کیا گنجائش ہے قرآن شریف میں سچی سچی باتیں ہیں اور جو قصے ہیں وہ بھی سچے ہیں اور یہ قاعدہ ہے کہ سچا قصہ ہمیشہ مبالغہ سے خالی ہوتا ہے دیکھ لیجئے جو قصے بالکل سچے ہیں اور جن میں صرف تاریخی واقعات نقل کئے گئے ہیں ان میں مبالغہ کہیں نہیں ہو گا بلکہ ان کی عبارت شاعرانہ بھی نہ ہو گی' اسی وجہ سے پڑھنے والوں کو ان میں کچھ لطف نہیں آتا مگر کلام الٰہی میں یہ نئی بات ہے کہ باوجود سیدھا سیدھا کلام ہونے کے اور باوجود سچے قصے ہونے کے اس میں یہ خوبی بھی موجود ہے کہ نہایت دل کش ہے اس کی عبارت بھی ایسی ہے کہ پڑھنے سے لطف آتا ہے سچے کلام کو دلربا کبھی نہ دیکھا ہو گا مگر قرآن شریف باجود سچا کلام ہونے کے اعلیٰ درجہ کا دلربا بھی ہے یہ اعجاز ہے قرآن شریف کا۔ حسن بمقابلہ دوسرے کلاموں کے ایسا ہے جیسے ایک شخص تو قدرتی حسین ہے کہ خود ہی دلربا ہے نہ اس کو کسی بناوٹ کی ضرورت ہے نہ اس کا حسن کسی وقت جا سکتا ہے اور ایک وہ حسین ہے جو بنا ٹھنا بیٹھا ہے مانگ پٹی جمی ہوئی ہے زیور سے آراستہ ہے اس کا ساز و سامان بھی اعلیٰ درجہ کا ہے اس کا حسن محض بناوٹ ہی بناوٹ ہے سب جانتے ہیں کہ یہ حسن اس حسن خدا داد کے سامنے کوئی چیز بھی نہیں ہے کتنی ہی بناوٹ کی جاوے مگر وہ دلربائی اس میں کہاں پیدا ہو سکتی ہے جو

خداداد حسن میں ہے آخر قدرتی قدرتی ہے اور مصنوعی مصنوعی ہے۔ یہ حسن نہ اس کے برابر دل کش ہے نہ اس کو قیام ہے ابھی سازو سامان زیور الگ کر دو مانگ پٹی بگاڑ دو تو بس کچھ بھی نہ رہے بخلاف قدرتی حسن کے کہ وہ ہر وقت یکساں ہے یہی حالت کلام الٰہی کی ہے کہ اس میں مبالغہ نہیں جھوٹ نہیں تصنع اور تکلف نہیں پھر بھی دلکش ایسا ہے کہ دوسرا کوئی کلام ہو ہی نہیں سکتا۔

کلام اللہ میں مبالغہ نہیں

خلاصہ یہ کہ کلام اللہ میں مبالغہ نہیں ہے پھر جو فرماتے ہیں لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَنْ لَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (شاید آپ ان کے ایمان نہ لانے پر رنج کرتے کرتے اپنی جان دیدیں گے) تو یہ الفاظ ضرور اپنے حقیقی اور سیدھے سیدھے معنی پر محمول ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے واسطے ضرور اتنی کوشش اور مشقت کی ہے جس میں جان بھی کھوئی جاتی تو تعجب نہ تھا۔

اب دیکھ لیجئے کہ وہ بات سچ ہوگئی یا نہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو امت کے ساتھ ماں باپ سے بھی زیادہ شفقت ہوتی ہے وہ تو بے لاگ اور بلا کسی طمع کے جس طرح بھی ان سے بن سکے امت کی خیر خواہی کرتے ہیں اور دل و جان سے یہی چاہتے ہیں کہ کسی طرح ان کی اصلاح ہو جاوے۔ اور اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس شفقت کی کوئی نظیر دنیا میں موجود نہیں۔ اگر کچھ ناتمام نظیر ہے تو باپ کی شفقت ہے بیٹے کے ساتھ کہ باپ بلا کسی طمع اور بلا کسی غرض اور بلا کسی عوض کے بیٹے کی خیر خواہی کرتا ہے اور اسی فکر میں رہتا ہے کہ یہ درست کیوں نہیں ہو جاتا۔ اور اسی رنج میں تڑپتا ہے اس کے سوا اور کوئی نظیر اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت کی نہیں ہے باپ کو بیٹے کی تربیت میں کبھی یہ بھی خیال نہیں ہوتا کہ میرا نام ہو اور دس آدمیوں کے منہ سے تعریف سنوں یہی حال انبیاء علیہم السلام کا ہے کہ ہمہ تن امت کی اصلاح میں کھپ جاتے ہیں اور ان کو اس سے کسی قسم کا بدلہ مقصود نہیں ہوتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے واسطے کس

قدر مشقتیں اور نااہلوں سے تکلیفیں اٹھائیں لیکن ان کا برا نہیں چاہا ایسے شخص سے یہ کب ہو سکتا ہے کہ تعلیم کو مشکل کر دے ہرگز نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو منظور یہ تھا کہ ہم راہ پر آویں اور کسی الجھن میں نہ پڑیں اس واسطے تعلیم کو نہایت سہل کیا۔

بعض شفیق مصنفین

اسی طرح مصنفین میں بھی جو شفیق ہوتے ہیں وہ اپنی کتاب کو مشکل نہیں کرتے کیوں کہ ان کو غرض یہ ہوتی ہے کہ ہماری کتاب سے فائدہ اٹھایا جاوے نہ یہ کہ ہمارا کمال اور ہماری لیاقت ظاہر ہو بعض شفیق مصنفین نے تو کتاب میں اپنا نام بھی نہیں لکھا۔ دیکھئے کافیہ اور شافیہ میں مصنف نے اپنا نام تک نہیں لکھا۔ پھر دیکھو دونوں کیسی مقبول ہوئیں مصنف نے تو نام بھی نہیں لکھا تھا لیکن خدا کی قدرت ہے کہ دنیا بھر میں اس کتاب کی اور صاحب کتاب کی کیسی شہرت ہو گئی خوب کہا ہے۔

اگر شہرت ہوس داری اسیر دام عزلت شو
کہ در پرواز دارد گوشہ گیری نام عنقارا

اگر شہرت کی خواہش رکھتے ہو تو گوشہ تنہائی کے جال میں پھنسو اس لئے کہ عنقا کے نام کی گوشہ گیری ہی کی وجہ سے شہرت ہے۔

اس کا راز یہ ہے کہ بنائے مقبولیت خلوص ہے جس کام میں جتنا خلوص ہوتا ہے اتنا ہی مقبول ہوتا ہے اور اس میں اتنی ہی برکات ہوتی ہیں۔ اور از خود لوگوں کے دلوں میں اس کی طرف کشش ہو جاتی ہے۔ مولانا کہتے ہیں۔

کعبہ را ہردم تجلی میفزود
ایں زاخلاصات ابراہیم بود

کعبہ کے لئے ہر وقت تجلیات کی زیادتی ہوتی ہے صرف اس لئے کہ اس کی بنیاد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خلوص نیت سے رکھی تھی۔

کعبہ میں اینٹ اور پتھر ہی تو ہیں مگر رکھے گئے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں سے جن میں سراسر اخلاص تھا اسی لئے اس میں انوار و تجلیات و برکات ہیں اور غایت درجہ دلکشی ہے اور اس کے مقابلہ میں ایک دوسرا کعبہ (اس سے مراد وہ کعبہ ہے جو ابرہہ بادشاہ نے کعبہ شریف کے مقابل میں بنایا تھا اور اس نے کعبہ شریف کے شہید کرنے کے لئے ہاتھیوں کو فوج کے ساتھ ارادہ کیا تھا اس کا قصہ سورہ الم ترکیف میں مذکور ہے) بھی بنایا گیا تھا جو ظاہری ٹیپ ٹاپ میں اس سے بڑھا ہوا تھا مگر اس میں یہ باتیں پیدا نہ ہوئیں اور جو حشر اس کا ہوا سب کو معلوم ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ بناء ابراہیم میں خلوص تھا اور اس بناء میں خلوص تو کیا ہوتا خلوص کا مقابلہ کیا گیا تھا تو اثر میں بھی مقابلہ ہوا۔

اظہار لیاقت سے دوسرے کو فائدہ نہیں پہنچتا

بس یہ راز ہے مقبولیت کا جن تصنیفات میں قابلیت دکھائی جاتی ہے ان میں مقبولیت نہیں ہوتی۔ کیونکہ خلوص نہیں ہوتا جب نام چاہا تو خلوص کہاں اس لئے مخلص شفیق مربی کو اپنے کمال کا یا اپنی شفقت کا اظہار کبھی مد نظر نہیں ہوتا اس واسطے وہ ہر بات میں سہل عنوان تجویز کرتا ہے۔ حتی کہ اس کی پرواہ بھی نہیں ہوتی کہ اس کی عبارت کیسی ہے وہ بعض وقت دیہاتی اور گنوارو بولی بھی اختیار کر لیتا ہے اور جس طرح بھی طالب کو نفع پہنچے وہی طرز اختیار کرتا ہے نہ اسے نام سے بحث ہوتی ہے اور نہ اس سے کہ کوئی مجھے گنوار کہے گا وہ تو سراپا طالب کی نفع رسانی میں منہمک ہوتا ہے بعض وقت عبارت اس کی بظاہر" جامع اور مانع بھی نہیں ہوتی مگر ایسی دل ہے کہ طالب کے ذہن میں مطلب کو اتار دیتی ہے اس سب کی بناء وہی شفقت ہی ہے۔ دیکھئے بچے کے ساتھ بسا اوقات بات کرنے میں باپ تو تلا بن جاتا ہے۔ اور جیسے وہ بولتا ہے باپ بھی اس کے ساتھ ویسے ہی بولنے لگتا ہے۔

شفقت کا مقتضا

اس کو مولانا نے بھی ایک شعر میں لکھا ہے جو اس وقت یاد نہیں آتا۔ اس وقت باپ کو اس سے عار نہیں آتی کہ میں کس طرح بول رہا ہوں اور کوئی مجھے توتلا کہے گا۔ وجہ اس کی کیا ہوتی ہے۔ محض یہی کہ بچے کو حقائق سکھلانا مقصود ہوتا ہے اس لئے باپ اس کا ہمرنگ بن جاتا ہے تاکہ اس کا انس بڑھے اور جو بات اس کے ذہن میں پہنچاتا ہے وہ اچھی طرح پہنچ جائے کیونکہ جب وہ بچہ خود توتلا بولتا ہے تو اسی طرح کی بولی کو سمجھ بھی اچھی طرح سکتا ہے اور ظاہر ہے کہ باپ کے اس توتلا بن جانے کو کوئی بھی برا نہیں کہتا کیونکہ سب جانتے ہیں کہ اس کی بناء شفقت پر ہے۔ غرض شفقت کا مقتضا یہ ہے کہ تعلیم سہل ہو۔ اسی واسطے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کا خاصہ ہے کہ وہ سہل ہوتا ہے۔ تاکہ طالب کو سہولت ہو یہ رحمت تو شکر کے قابل تھی لیکن لوگوں نے اس کو الٹا سمجھا۔ اور افسوس ہے کہ آج کل یہی وجہ ہو گئی اس کلام کی بے قدری کی غرض چونکہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ہم کو سہولت سے حاصل ہو گئیں اس واسطے ان کو نظر انداز کر دینا ہمارے نزدیک کچھ بات نہ ہوئی

ہر کہ او ارزاں خرد ارزاں دہد
گوہرے طفلے بہ قرص ناں دہد

جو شخص ارزاں خریدتا ہے ارزاں ہی دیتا ہے ایک ناسمجھ بچہ ایک روٹی کی ٹکیہ کو ایک قیمتی موتی کے بدلہ خرید لیتا ہے۔

اے گرانجاں خوار دیدستی مرا
زانکہ بس ارزاں خریدستی مرا

اے شخص تو مجھ کو صرف اسی لئے ذلیل سمجھتا ہے کہ تو نے مجھے سستا جو خرید لیا ہے۔

حق سبحانہ وتعالیٰ کی شان کریمی

در حقیقت دیکھو تو کہ اللہ تعالیٰ ہم کو کتنے ارزاں مل گئے کیونکہ ایک عورت

کے حاصل کرنے میں جس قدر کوشش کرنا پڑتی ہے اللہ میاں کے حاصل ہونے میں اتنی بھی تو کوشش کرنا نہ پڑی مگر افسوس اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ اس قدر بے قدری ہوئی مگر کیا مقتضائے عقل یہی ہے کہ سہل چیز کی بے قدری کی جائے۔

دیکھئے اگر کسی کو ایک ہزار روپیہ کی تھیلی کہیں اتفاقیہ پڑی ہوئی مل جاوے تو کیا اس وجہ سے کہ وہ بے محنت مل گئی ہے اس کو پھینک دینا چاہیے کونسا عقل مند یہ کہہ سکتا ہے نہیں بلکہ عقل کی بات تو یہ ہے کہ اس چیز کو دیکھا جاوے کہ وہ چیز کس حیثیت کی ہے اگر وہ چیز عظیم الشان اور قابل قدر ہے تو صرف اس وجہ سے کہ سہولت سے حاصل ہو گئی ہے اس کی بے قدری نہیں چاہیے بلکہ اپنی خوش قسمتی سمجھنا چاہیے اور خوش ہونا چاہیے کہ ایسی گراں بہا چیز بے مشقت ہاتھ آگئی اور لیجئے حق تعالیٰ کی تعلیم کی جس قدر بے قدری ہوئی اس کا مقتضیٰ تو یہ تھا کہ ہم سے اس کو ہٹا لیا جاتا مگر رحمت پر رحمت دیکھئے کہ باوجود اس ناشکری اور بے قدری کے تعلیم سے بھی ہم کو محروم نہیں فرماتے فرماتے ہیں۔ أَفَنَضْرِبُ عَنكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا أَن كُنتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِينَ یعنی فرماتے ہیں کیا ہم تم سے نصیحت کو روک لیں اس وجہ سے کہ تم لوگ حدود سے نکل جانے والے ہو۔

کس قدر شفقت اور رحمت ہے کہ کجا شان خداوندی اور کجا بندہ اور اس کی یہ ناشکری اور بے قدری لیکن وہ خیر خواہی نہیں چھوڑتے اللہ کی شان تو بڑی ہے۔

علماء ربانی کی شان

علماء ربانی کی شان بھی یہی ہے کہ لوگ ان کو کیسا ہی ستاویں اور کیسی ہی مخالفت کریں اور کیسی ہی ان کے ساتھ گستاخی کریں لیکن وہ کبھی کسی کا برا نہیں چاہتے نہ نصیحت سے رکتے ہیں وہ جب چاہیں گے بھلا ہی چاہیں گے۔ ان کا تو یہ مشرب ہوتا ہے۔

حافظ وظیفہ تو دعاء گفتن است وبس

در بند آں مباش شنید یا مشنید

اے حافظ تمہارا کام تو صرف دعاء کرنا ہے اور بس اس فکر میں مت رہو کہ اس نے سنی یا نہیں سنی۔

اہل اللہ کے بہت سے قصے ایسے سنے ہوں گے کہ لوگوں نے ان کو مارا پیٹا تکلیفیں دیں۔ لیکن ان کے منہ سے سوائے دعاء اور نصیحت کے کچھ نہیں نکلا۔ یہ رحمت الہی کا ظہور ہے جب مظہر رحمت کا یہ حال ہے تو خود اصل جنکی رحمت کا یہ ظہور ہے کیا شان ہو گی ظاہر ہے کہ وہاں تو رحمت بدرجہا زیادہ ہو گی غرض اسی رحمت اور شفقت کا ظہور ہے کہ حق جل شانہ کی تعلیم کا یہ طرز ہے کہ اس کو نہایت آسان اور سہل رکھا ہے۔ بندوں کو کسی الجھن میں نہیں ڈالا۔

مضامین کے مفید ہونے کی عجیب مثال

چنانچہ اس حدیث میں ایک نہایت ہی ضروری اور بہت ہی گہری تعلیم ہے مگر الفاظ نہایت سرسری ہیں اس کے ترجمہ ہی سے معلوم ہو جائے گا کہ کس درجہ معمولی عنوان ہے کوئی سخت لغت ان میں نہیں بلکہ مضمون بھی دیکھنے میں بہت دقیق اور عالی نہیں جب اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ الفاظ تو سہل ہیں ہی مضمون بھی بہت ہی معمولی ہے۔ کیوں کہ حدیث میں تین چار لفظ ہیں جن کے معنی بھی وہ ہیں جو رات دن زبان پر آتے ہیں کوئی نئے معنے نہیں ہیں مگر وہاں تو نظر مفید ہونے پر ہے مضمون کے دقیق و عالی ہونے پر نہیں ہے۔ مضامین کا عالی ہونا مفید ہونے کے سامنے کوئی چیز نہیں۔

دیکھیے حکیم محمود خاں کے نسخے باعتبار مضمون کے عالی نہیں ہوتے اور ان میں وہ لطف نہیں ہوتا جو کسی شاعر کے کلام نظم یا نثر میں ہوتا ہے لیکن کام کی چیز نسخے ہی ہوتے ہیں نظم و نثر کام کے نہیں ہوتے کیونکہ نسخوں پر صحت متفرع ہوتی ہے اور صحت کے بعد ہی سارے کام ہو سکتے ہیں شاعر شعر بھی جب ہی کہہ سکتا ہے جب کہ دماغ صحیح اور طبیعت حاضر ہو اور یہ نسخہ کے استعمال پر موقوف ہے۔

کے شعر تراانگیزد خاطر کہ حزیں باشد

جب دل ہی غمگین ہو اور ٹھکانہ سے نہ ہو تو شعر کب صحیح اور رنگین نکل سکتا ہے۔

تو گو نسخہ میں مضامین عالیہ نہیں ہیں لیکن مضامین عالیہ کی جزو ہی ہے دیکھئے نسخہ میں کچھ بھی پیچیدگی نہیں ہوتی۔ الفاظ بھی معمولی اور اجزاء بھی معمولی۔ یہی بنفشہ کاسنی وغیرہ کہ بہت ہی معمولی دوائیں ہیں۔ مگر محمود خاں کا یہی کمال سمجھا جاتا ہے کہ ان کا نسخہ ہی ہے گو دلچسپ عبارت نہ ہو اور شعر گو دلچسپ ہے جس میں مضامین عالی ہیں مگر کارآمد مطلق نہیں محمود خاں کے نسخوں سے مایوس مریضوں کو فائدہ پہنچتا تھا۔ اور بڑے بڑے کام نکلتے تھے۔ بخلاف ذوق اور مومن کے کلام کے کہ مضامین تو ان میں ایسے عالی کہ زمین آسمان کے قلابے ملا دیئے ہیں۔ اور لوگ ان پر وجد کرتے ہیں۔ مگر غور سے دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ کذب محض پر جھومتے ہیں اور نسخہ میں دو ہی تین اجزاء ہیں اور وہ بہت ہی مبتذل اور مستعمل لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ ذوق کی کسی غزل سے خواہ وہ کیسی ہی بڑھیا غزل ہو فائدہ کسی کو نہیں پہنچتا اور نسخہ سے فائدہ پہنچتا ہے بسا اوقات یہ بھی ہوا ہے کہ صرف اس کاغذ ہی کو گھول کر پلا دیا تو بوجہ حسن عقیدت کے شفا ہو گئی اور غزل سے کہیں ایسا نہ سنا ہوگا۔

مفید چیز میں رنگینی نہیں ہوتی

غرض مفید چیز میں رنگینی نہیں ہوا کرتی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مفید ہونے پر ہے مضمون کے عالی ہونے اور الجھن میں ڈالنے کی نہیں ہے اور قرآن میں تو ایک نئی بات یہ بھی ہے کہ باوجود عدم رنگینی کے دلربائی بھی ہے حالانکہ نظم نہیں ہے اگرچہ نظم ہونے میں بھی کوئی ضرر نہ تھا کیونکہ یہ نفع تھا کہ ذرا دلفریبی بھی ہوئی مگر چونکہ اس میں تکلف تھا اس واسطے پسند نہیں کیا گیا اس میں تعلیم ہے ترک تصنع کی وہاں دلفریبی اور کسی کا دل کھینچنے کی طرف خیال ہی نہیں

وہاں تو دل دیتے ہیں دلربائی ان کا پیشہ نہیں بلکہ ان کا شعار دل بخشی ہے اس واسطے دلفریبی کی کیا ضرورت تھی۔ بس کام میں لگا دیا ہے اور زائد از کار باتوں کو چھوڑ دیا ہے۔

غرض شریعت کی تعلیم کا یہی طرز ہے کہ بناوٹ اور الجھن کا وہاں کام ہی نہیں سیدھے سیدھے الفاظ ہیں اور عام فہم بات ہے ہاں تعلیم ایسی ضروری اور گہری ہے کہ دوسرا ایسی تعلیم نہیں کر سکتا چنانچہ یہی تعلیم جو اس حدیث میں ہے دیکھ لیجئے اس میں کوئی تکلیف نہیں کوئی عبارت آرائی نہیں۔ کوئی مشکل لغت نہیں سیدھے سیدھے لفظ ہیں اول عنوانات سے کام لیا ہے جو دن رات ہم بولتے ہیں اور بہت آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔

الفاظ حدیث کے لغوی معنیٰ

فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَجِیْبُ الدُّعَاءَ مِنْ قَلْبٍ لَاہٍ اللہ تعالیٰ بے پرواہ دل کی دعاء قبول نہیں کرتے۔ ان اللہ کو مبتدی طالب علم بھی جانتے ہیں لایستجیب بھی بہت مستعمل لغت ہے، دعاء تو ایسا لفظ ہے کہ اردو خواں تک بھی جانتے ہیں عن حرف ہے معنی از فارسی میں اور سے کے معنی میں اردو میں یہ بھی بہت ظاہر ہے قلب کا لفظ بھی اردو میں مستعمل ہے لاہ کو بھی اطفال مکتب جانتے ہیں کہ اسم فاعل کا صیغہ ہے اور لھو سے مشتق ہے لہو کے معنی غفلت کے ہیں تو لاہ کے معنی غافل ہوئے پوری حدیث کا ترجمہ یہ ہوا کہ حق تعالیٰ دعا کو غافل دل سے نہیں قبول کرتے۔

دیکھئے اس میں کوئی لفظ نیا نہیں کوئی معنی مشکل نہیں ساری حدیث میں کوئی بات بھی نئی اور ناشناسا نہیں۔ وہ الفاظ ہیں جو دن رات بولے جاتے ہیں۔ اور وہ معنی ہیں جن کو سن کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ نئی بات ہے۔

شاید اس سے کسی کے دل میں یہ سوال پیدا ہو کہ پھر اس تعلیم کی ضرورت ہی کیا ہوئی جب سب چیزیں وہی ہیں جو بارہا کی دیکھی بھالی اور جانی پہچانی ہیں تو اس

تعلیم سے فائدہ کیا ہوا مثلاً اگر کوئی کہے کہ اس وقت رات ہے تو یہ ایسی بات ہے جو سب کے ذہنوں میں ہے پھر اس جملہ کے کہنے سے کیا حاصل ہو گا۔

خوب سمجھ لیجئے کہ یہاں ایسا نہیں ہے۔ گو عنوان اس حدیث کا بہت واضح ہے۔ اور ترجمہ بھی سیدھا سیدھا ہے اجزاء اس تعلیم کے سب معمولی اور جانے پہچانے اور شناسا ہیں۔ مگر ان شناسا اجزاء سے نتیجہ ایسا عجیب نکالا گیا ہے جو کہ شناسا نہ تھا نتیجہ ایسا گہرا ہے کہ کیا مجال جو کوئی دوسرا وہاں تک پہنچ سکے ان معمولی اجزاء کو جوڑ کر اس ناشناسا نتیجہ کو شناسا کیا گیا ہے یہ فائدہ ہوا اس کلام سے تو یہ جملہ ایسا نہ ہوا جیسے وہ جملہ تھا کہ اس وقت رات ہے۔

نسخہ کیمیا

اب اس کی مثال ایسی ہوئی جیسے کیمیا کا نسخہ کہ بہت معمولی ادویات سے مرکب ہوتا ہے اس کے اجزاء کچھ ایسے نہیں ہوتے جو امریکہ اور جرمن سے منگانے پڑیں۔ بلکہ وہ نسخہ ایسا ہوتا ہے کہ اس کا ایک ایک جزو معلوم ہے مگر کیمیا بن جانا ترکیب کا نتیجہ ہے وہی اجزاء ہم دن رات استعمال کرتے ہیں مگر وہ ذرا سی ترکیب جس سے کیمیا بن جاوے ہم نہیں جانتے اس لئے کیمیا سے محروم ہیں کیمیا میں ترکیب کو بڑا دخل ہے بعض وقت ترکیب سے مرکب میں وہ بات پیدا ہو جاتی ہے جو اس کے ہر ہر جزو میں نہیں تھی جیسے عرق کافور کہ خشک اجزاء سے بنتا ہے۔ الگ الگ ایک ایک جزو خشک ہوتا ہے مگر سب کو ایک جا کر دینے سے بدون پانی کے پانی ہو جاتا ہے یہ صرف ترکیب کا اثر ہے جس کو یہ ترکیب معلوم نہ ہو وہ خشک اجزاء کو دیکھ کر کبھی یہ تسلیم نہیں کر سکتا کہ یہ اجزاء بدون پانی کے رقیق ہو جائیں گے اور جس نے عرق کافور بنایا ہے اس نے کوئی نئی چیز نہیں بنائی صرف چند اجزاء کو ایک تناسب کے ساتھ ملا دیا ہے جس سے ایک نئی چیز پیدا ہو گئی جو اس ملانے سے پہلے حاصل نہ تھی۔

اسی طرح انبیاء علیہم السلام اور اہل اللہ کی تعلیمیں ہیں کہ عنوان ان کے

نہایت سہل ہیں جن کو عامی لوگ بھی سمجھتے ہیں۔ الفاظ ان کے کچھ غریب نہیں ہوتے اور قصداً" تفقی کئے ہوئے بھی نہیں ہوتے ان کے یہاں شاعری سے کام نہیں لیا جاتا لیکن کمال یہ ہوتا ہے کہ ان الفاظ کو ترکیب اس طرح دیا جاتا ہے کہ اس ترکیب سے وہ بات پیدا ہو جاتی ہے جو کسی دوسرے کے ترکیب دینے سے نہیں پیدا ہو سکتی یہ ہے ان کی خصوصیت جن کی بدولت ان کو تمام دنیا سے امتیاز حاصل ہے ان کے معمولی اور عام فہم الفاظ سے وہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ اس سے کسی کا کان تو کیا کسی کا دماغ اور عقل بھی آشنا نہیں ہوتی اور وہ مضمون ایسا ہوتا ہے کہ بدون ان کے بتلائے کسی کے ذہن میں آ بھی نہیں سکتا۔

اب میں پوچھتا ہوں کہ ایک ایک جزو کو معمولی دیکھ کر مجموعہ کو معمولی اور سرسری کہہ دینا کیسے صحیح ہے جیسے عرق کافور کہ اجزاء فرداً" تو معمولی ہیں کوئی ان میں سے نئی اور عجب چیز نہیں ہے لیکن ترکیب کا یہ اثر ہے کہ بدون پانی کے پانی بن جاتا ہے یہ ضرور عجیب ہے اس کو اس وجہ سے معمولی کہہ دینا کہ اس کے اجزاء معمولی ہیں صحیح نہیں۔

کمال کی قدر و منزلت

دیکھئے کیمیا گر کے لوگ کس قدر معتقد ہوتے ہیں اور اس کے پیچھے پیچھے پھرتے ہیں قلوب میں اس کی بڑی وقعت ہوتی ہے حالانکہ غور سے دیکھئے تو وہ صرف یہی کام کرتا ہے کہ شناسا اجزاء سے ناشناسا کی رونمائی کر دیتا ہے کیا مطلب کہ وہ ایسی ہی چند مفرد دوائیں جن کو ہم تم سب جانتے ہیں ملا کر وہ چیز بنا دیتا ہے جو ہم تم نہیں بنا سکتے تو اگر معمولی اجزاء سے مرکب شدہ مجموعہ بھی معمولی سمجھا جا سکتا ہے تو کیمیا کے نسخہ کو بھی معمولی سمجھنا چاہیے اور کیمیا گر کی بھی کچھ وقعت نہ ہونا چاہئے حالانکہ حالت یہ ہے کہ کسی کے ساتھ کیمیا گر کا نام لگ جانے سے خلقت اس کے پیچھے پیچھے ہو لیتی ہے خواہ واقع میں وہ جھوٹا اور دھوکہ باز ہی ہو اور اگر کوئی واقعی کیمیا گر ہو اور لوگوں کو اس بات کا اطمینان بھی ہو جائے کہ یہ شخص

جھوٹا اور مکار نہیں ہے تو اس صورت میں جو اس کی وقعت اور قدر ہوگی وہ تو محتاج بیان نہیں حالانکہ کام اس کا بھی یہی ہے کہ بہت ہی معمولی اور مستعمل اجزاء سے سونا اور چاندی بنا لیتا ہے اس کے نسخہ میں ایسے اجزاء نہیں ہوتے جن کے لئے یہ کہنا پڑے کہ فلاں جگہ سے منگاؤ اور فلاں جگہ سے منگاؤ جیسے ایک طبیب کے نسخہ میں ایک دوا تھی جس کا نام بیروج الصنم ہے۔ نسخہ ایک معمولی مرض کا تھا مگر دوا ایسی لکھ دی کہ لوگ پریشان ہو گئے عمل دشوار اور مقصود معمولی یعنی ذرا سا مرض تھا چونکہ مریض کی غرض اٹکی ہوئی تھی جھک مارا اور بیروج الصنم کو تلاش کر کے منگوایا یہ ترکیبیں تو دق کرنے کی تھیں اور یہ کچھ کمال کی بات نہیں کامل طبیب اور کامل کیمیا گر وہ ہے جو ایسا نسخہ بتلاوے جس کے اجزاء گھر ہی میں سے نکل آویں اور نتیجہ حاصل ہونے میں اکسیر ہو ایسا نسخہ ہونا چاہیے جس کی نسبت عوام تک میں تعریف کا یہ لفظ مشہور ہے کہ فلانے حکیم ایسے تھے کہ کوڑیوں کا نسخہ لکھتے تھے اور نفع لاکھوں کا تھا اس کا مطلب یہی تو ہے کہ نسخہ قیمت میں تو کچھ کوڑیوں کا ہوتا تھا اور منفعت اور اثر میں ایسا کہ دوسرے طبیب کا روپیوں کا نسخہ بھی ایسا کامل نہ ہو یہ اس طبیب کے کمال کی دلیل ہے کہ سرسری اجزاء سے بڑے بڑے کام نکالتا ہے اور جو فن کو جاننے والا ہے وہ اس کی قدر کرتا ہے اور مریض بھی جب دیکھتا ہے کہ ایسے کم قیمت اجزاء سے ایک بڑے مرض کو فائدہ پہنچا تو حیرت میں رہ جاتا ہے اور اس کے علم و فضل کا مقر ہو جاتا ہے اور تعجب سے کہتا ہے کہ کیسے معمولی اجزاء سے اس شخص نے نسخہ مرکب کیا ہے۔

کمال کی بات

غالباً" اب سمجھ میں آگیا ہو گا کہ کمال کی بات یہ نہیں ہے کہ مریض کو دشواری میں ڈالا جائے بلکہ کمال کی بات یہ ہے کہ تدبیر نہایت سہل ہو اور اس پر نفع اعلیٰ درجہ کا مرتب ہو اور نسخہ کا بڑھیا ہونا یہ نہیں ہے کہ زیادہ قیمتی ہو اور دشوار اور نایاب ادویہ سے مرکب ہو بلکہ نسخہ کا بڑھیا ہونا اسی میں ہے کہ کم قیمت

اور سہل الحصول ہو اور وہی طبیب تعریف کے قابل ہے جو ایسا حاذق اور شفیق ہو کہ مریض کو دق نہ کرتا ہو ایسے ہی شخص کا نسخہ قدر کے قابل ہوتا ہے تو میں پوچھتا ہوں کہ جب انبیاء علیہم السلام کی تعلیم ایسی ہی ہے کہ نہایت عام فہم اور سہل الحصول اور نتیجہ نہایت قیمتی تو ان کے نسخہ کی قدر کیوں نہیں ہوتی ضرور ہونا چاہیے۔

اب سن لیجئے کہ یہاں اس حدیث میں جس کا بیان میں نے شروع کیا ہے ایسے ہی معمولی اجزاء میں کوئی جزو ان میں سے ناشناسا نہیں اسی وجہ سے میں نے یہ لفظ کہا تھا کہ عنوان سرسری ہے لیکن اجزاء گو کیسے ہی سرسری ہوں مگر مجموعہ میں جو بات ہے وہ سرسری نہیں ہے اور وہ بالکل ناشناسا ہے اس کی طرف ذہن نہیں جاتا تو اس عنوان کے سرسری ہونے اور اجزاء کے معمولی ہونے کا نتیجہ عاقل کے نزدیک یہ نہ ہونا چاہیے کہ اس کو بے وقعتی کی نظر سے دیکھے بلکہ عاقل کو چاہیے کہ منفعت پر نظر کرے عنوان کے سہل اور دشوار ہونے کو نہ دیکھے۔

بے قیمت مفید شئے

اس کو میں ایک عقلی دلیل سے بھی ثابت کرتا ہوں دیکھئے قدرتی رفتار یہ ہے کہ ضروری اور مفید چیز کی مقدار زیادہ ہوتی ہے اور قیمت میں ارزاں ہوتی ہے مثال اس کی ہوا ہے کہ ہوا ایسی ضروری چیز ہے کہ آدمی ایک منٹ کے لئے بھی اس سے مستغنی نہیں ہو سکتا پھر دیکھئے کہ ہوا کی مقدار عالم میں کس قدر ہے کوئی جگہ بھی ہوا سے خالی نہیں پھر اس قدر ارزاں کہ اس کے کچھ دام ہی نہیں ہوا چنانچہ کہیں بکتی نہیں حالانکہ سب سے زیادہ ہوا ہی بکری کی چیز ہے غالباً" سننے والے کے دل میں یہ خیال گذرا ہو گا کہ ہوا بھی کوئی بکری کی چیز ہے صاحبو! آخر ہوا بکری کی چیز کیسے نہیں ہے اس کا تجربہ یوں ہو سکتا ہے کہ کسی کی ہوا پانچ منٹ کے لئے بند کر دیجئے دیکھئے اس کی کیا حالت ہو گی اس وقت اس کی یہ حالت ہو گی کہ اگر وہ ہفت اقلیم کا بھی مالک ہو اور اس کے سامنے یہ بات پیش کی جائے کہ

اگر تو ہفت اقلیم ہم کو دیدے تو ہوا تجھ کو مل سکتی ہے تو وہ سو خوشامدیں کرے گا اور اس کو منظور کر لے گا۔

ثابت ہوا کہ ہوا اس قدر قیمتی چیز ہے کہ ہفت اقلیم بھی اس کے سامنے کوئی چیز نہیں یہ اور بات ہے کہ حق تعالیٰ کا انعام اور فضل اس قدر بے پایاں ہے کہ ہوا بالکل مفت ملتی ہے اور اس کثیر مقدار میں موجود ہے کہ لوگ اس سے اکتاتے اور بھاگتے ہیں اور اس انعام کو ایسا بہا دیا گیا ہے کہ بکنے کا نام اس کے ساتھ لگانے سے تعجب ہوتا ہے واقعی اگر ہوا کی قیمت ہوتی تو بادشاہوں کے سوا اس کو کون خرید سکتا۔

بیش قیمت بے کار شئی

غرض یہ تو حالت اس چیز کی ہوئی جو سب سے زیادہ ضروری ------ اور سب سے زیادہ مفید ہے کہ اس کی کچھ بھی قیمت نہیں۔ اب اس کے مقابلہ میں اس چیز کو دیکھئے جو سب سے کم ضرورت کی ہے وہ موتی اور جواہرات ہیں کہ کسی کام میں بھی نہیں آتے بقائے حیات ان پر موقوف نہیں کوئی کام دنیا کا ان کے بغیر بند نہیں پھر دیکھئے کہ کمیاب کس قدر ہیں کہ بہت کم آدمی ایسے ہیں جن کے پاس یہ موجود ہوں بہت سے آدمی ایسے ہیں جنہوں نے جواہرات کی شکل بھی نہیں دیکھی۔ پھر قیمت اس قدر گراں کہ کسی چیز کی بھی نہیں۔ سنا گیا ہے کہ بعض جواہرات ایک ایک اقلیم کا مول رکھتے ہیں۔

غرض دیکھ لیجئے کہ ہوا بے قیمت چیز تو کام کی ہے اور موتی اس قدر قیمت کی چیز کام کی نہیں ہے ثابت ہوا کہ زیادہ گرانی اور کم یابی دلیل ہے بے سود ہونے کی اور ارزانی اور سہل الحصول دلیل ہے مفید ہونے کی لیجئے دلیل عقلی سے بھی ثابت ہو گیا کہ کسی چیز کا سہل اور معمولی ہونا دلیل اس کے حقیر ہونے کی نہیں بلکہ اس کا عکس ہے کہ سہل الحصول وہی چیز ہوتی ہے جو واقع میں زیادہ مفید ہوتی ہے اسی بناء پر حضور صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی تعلیم چونکہ سہل ہوتی ہے اس لئے زیادہ

مفید ہوتی ہے۔ یہ راز ہے شریعت کی تعلیموں کے سہل ہونے کا۔ خوب سمجھ لو۔ اور کبھی بے قدری نہ کرو یہ تعلیمیں سب سہل ہیں لیکن اس قدر جامع اور پر منفعت ہیں کہ کوئی دوسرا ایسی تعلیم نہیں کر سکتا۔

ایک خطرناک روحانی مرض

یہ بیان ہوا لفظ سرسری کے متعلق اب وہ حدیث مکرر سن لیجئے فرماتے ہیں **اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَجِیْبُ الدُّعَاءَ عَنْ قَلْبٍ لَاہٍ** (اللہ تعالیٰ قلب غافل کی دعاء قبول نہیں فرماتے)

اس حدیث میں ایک ایسے مرض کی طرف توجہ دلائی گئی ہے جو نہایت دشوار اور خطرناک مرض ہے اور دشواری اس کی اس وجہ سے اور زیادہ ہو گئی ہے کہ وہ مرض مخفی بہت ہے اس تک کسی کی نظر ہی نہیں پہنچتی جو لوگ اپنے امراض کا علاج چاہتے ہیں ان کا خیال بھی اس کی طرف نہیں جاتا پھر علاج ہو تو کیسے ہو اول تو اس زمانہ میں دین کی طرف توجہ ہی نہیں لوگوں کی یہ حالت ہو رہی ہے کہ خود بھی دنیا کے درپے ہیں اور تعلیم بھی دنیا ہی کی رہ گئی ہے اگر ایسا بھی ہوتا کہ دنیا کے کسب میں مبتلا ہوتے مگر تعلیم صرف دنیا کی نہ ہوتی بلکہ کچھ تعلیم دین کی بھی ہوتی تب بھی شکایت نہ تھی کیونکہ اس وقت تعلیم دینی سے یہ تو سمجھ میں آجاتا کہ ہم ایک خراب چیز اور بری بلا میں پھنسے ہوئے ہیں اس سے یہ امید ہوتی کہ شاید کبھی متنبہ ہو جائے اور ان بلاؤں سے چھوٹ جائیں اور جب ان بلاؤں کے بلا ہونے کا علم ہی نہ رہا تو رہائی کی کیا امید ہو سکتی ہے غرض دین کا نام ہی نہ رہا اور صرف یہ شکایت نہیں ہے کہ دین کی طرف توجہ میں کمی ہے بلکہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ دین سے قطع تعلق اور مباینت پیدا ہو گئی ہے جس کو کسی چیز سے تعلق ہوتا ہے وہ چیز گو اس کو حاصل نہ ہو لیکن اس چیز کی خواہش اور اس کی طرف کشش اور اس سے مناسبت اور عدم حصول پر حسرت اور حصول کی تمنا تو دل میں ضرور رہتی ہے۔

طالسان) و۲۰،۲ کا تمسخر

مثلاً "تمول ایک ایسی چیز ہے کہ ہر شخص کو مرغوب ہے گو ہر شخص کو حاصل نہیں ہوتا لیکن دیکھ لیجئے کہ اس سے طبیعتوں کو مناسبت اور اس کی طرف کشش اور اس کی خواہش اور اس کے حاصل نہ ہونے پر حسرت اور حاصل ہونے کی تمنا کس قدر قلوب کے اندر موجود ہے ہر شخص کی حالت یہ ہے کہ جب کسی صاحب تمول کو دیکھے گا تو کم سے کم نظر اس کی طرف ضرور اٹھ جائے گی آپ نے یہ بھی کبھی دیکھا ہے کہ ایسا شخص جس کو تمول حاصل نہ ہو وہ صاحب تمول پر ہنستا ہو اگر بالفرض کوئی ایسا کرتا تب کہا جاسکتا تھا کہ اس کو تمول کی خواہش نہیں بلکہ یہ اس کو برا سمجھتا ہے مگر اس کا وجود ہی کہیں نہیں ہے دنیا کے بارہ میں تو کہیں اس کا وجود نہیں مگر دین کے بارہ میں علاوہ بے تعلقی کے اس کا بھی وجود ہے کہ لوگ دینداروں پر ہنستے ہیں پھر آپ ہی فرمایئے کہ اس صورت میں یہ کہنا صحیح ہے کہ ان کو دین سے مناسبت ہے یا یہ کہنا صحیح ہے کہ ان کو دین سے مباینت ہے اگر طالبان دین پر ہنستے نہیں تب بھی کسی درجہ میں یہ کہا جاتا کہ گو دین ان کو حاصل نہیں مگر مناسبت ہے لیکن ہنسنا تو صریح دلیل ہے بجائے مناسبت کے مباینت ہونے کی جو القاب طالبان دین کو دیئے گئے ہیں وہ سب کو معلوم ہیں کہا جاتا ہے یہ احدیوں کی پلٹن ہے کوئی کہتا ہے ملانے ہیں کوئی کہتا ہے بسم اللہ کے گنبد کے رہنے والے ہیں کوئی کہتا ہے یہ دیوانے ہیں خیر ہم تو اس لفظ سے نہیں گھبراتے کیوں کہ یہ لقب وہ ہے جو حضور صلی اللہ و علی آلہ وسلم کو دیا گیا تھا لیکن طالبان دین کو بعض مسلمانوں کا ان الفاظ سے یاد کرنا اس کی شہادت اور اقرار ہے کہ وہ دین سے علیحدہ ہیں اور ان لوگوں کے متبع ہیں جنھوں نے حضورؐ کو کہا تھا **اِنَّکَ لَمَجۡنُوۡنٌ** (آپ دیوانے ہیں) معلوم بھی ہے یہ کس نے کہا تھا کفار نے اور اعداء دین نے اور دشمنان خدا نے کہا تھا ہمیں تو اس کے جواب کی بھی ضرورت نہیں ہمارے لئے تو یہ خوشی کی بات کہ ہم کو وہ لقب دیئے جاتے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیئے گئے تھے ہم تو ان القاب سے خوش ہوتے ہیں پھر لوٹ کر جواب کس بات کا دیں مگر

ایک جگہ جواب بھی خوب مل گیا قصبہ کرانہ کا قصہ ہے کہ کسی دنیا دار نے کسی دینی طالب علم کو مسجد کا مینڈھا کہا تھا اس نے کہا مسجد کا مینڈھا پھر بھی دنیا کے کتوں سے اچھا ہی ہے یہ ہے پورا جواب جس میں ایک عجیب لطف ہے کہ یہ ان کا اقراری لقب ہے بعض وقت یہ لوگ خود ہی کہا کرتے ہیں اجی ہم تو دنیا کے کتے ہیں انہوں نے تو اپنے منہ ہی سے یہ خطاب لیا ہے اور اس جماعت کا کوئی آدمی اپنے آپ کو مسجد کا مینڈھا نہیں کہتا۔ تو اگر عدالت خداوندی میں یہ مقدمہ پیش ہوا تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس نے ہماری تذلیل کی اور ایسا لفظ کہا جو توہین کے لیے استعمال کیا جاتا ہے یعنی مسجد کا مینڈھا کیونکہ جو لوگ ایسا کہتے ہیں توہین ہی کے طریق سے کہتے ہیں لہٰذا وہ توہین کے مجرم ہیں اور اگر وہ دنیا دار دعویٰ کرے کہ طالب علم نے میری توہین کہ مجھے دنیا کا کتا کہا تو یہ مقدمہ نہیں چل سکتا کیونکہ اس کے تو وہ خود اقراری ہیں یہ جواب ترکی بترکی ہوا۔ مگر ہمیں یہ بھی پسند نہیں۔ بلکہ ہمارا مذاق تو یہ ہے کہ وہ ہزار پھبتیاں کہیں مگر ہم اس کے جواب میں پھبتیاں نہ کہیں گے کیونکہ انبیاء علیہم السلام کا طریقہ یہ نہیں تھا ان حضرات نے کبھی پھبتیاں نہیں کہیں ان کو حق تعالیٰ کا یہ حکم تھا **فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ** یعنی منہ پھیرلو ان سے یہ حکم نہیں تھا کہ جیسے وہ کہیں ویسے تم بھی کہو حضرات اہل اللہ میں شائستگی ہوتی ہے وہ بدگوئی کو پسند نہیں کرتے اور چھچھوروں کے ساتھ چھچھورا بننا نہیں چاہتے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کی شان تو بڑی ہوتی ہے ہمارے استاد حضرت مولانا سید احمد صاحب دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کی بچپن میں یہ حالت تھی کہ جب کھیل میں لڑکے ان کو گالیاں دیتے تو وہ جواب میں ان کو گالیاں نہ دیتے تھے بس بڑا جواب یہ تھا کہ تم ہی ہوگئے ایسے۔ کیا مزے کا جواب ہے اور یہ بھی بچپن میں تھا کہ اتنا جواب دیدیتے تھے اور بعد میں اتنا بھی نہ تھا۔ یہ طریقہ رہا ہے اہل اللہ کا۔

بزرگوں کا مذاق

ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ ان کو کسی نے برا بھلا کہا تو بجائے اس کے کہ

لوٹ کر اس کو جواب دیتے یا برا مانتے یہ کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ میرے بہت سے عیب تمہیں معلوم نہیں ہوئے ورنہ اور زیادہ برا بھلا کہتے دیکھئے کیا شان ہے بزرگوں کی۔ ان کا مذاق تو یہ ہے۔

تو بھلا ہے تو برا ہو نہیں سکتا اے ذوق
ہے برا وہی کہ جو تجھ کو برا جانتا ہے
اور اگر تو ہی برا ہے تو وہ سچ کہتا ہے
پھر برا کہنے سے کیوں اس کے برا مانتا ہے

وہ تو پروا بھی نہیں کرتے کسی کے برا بھلا کہنے کی۔ کیوں وہ عاشق ہیں اور عاشق کی شان یہ ہوتی ہے کہ اس کو تو برا بھلا سننے میں مزا آتا ہے

نہ ساز و عشق رانج سلامت
خوشا رسوائی کوئے ملامت

عشق کو سلامتی کا گوشہ اچھا نہیں لگتا۔ بلکہ اس کو محبوب کے کوچہ کی ملامت اچھی معلوم ہوتی ہے

عارف شیرازی کہتے ہیں۔

من حال دل اے زاہد باخلق نخواہم گفت
کایں نغمہ اگر گویم باچنگ و رباب اولی

اے زاہد میں اپنا حال دل خلقت سے نہیں کہوں گا اس لئے کہ یہ نغمہ اگر کہوں میں تو چنگ و رباب کے ساتھ بہتر ہے۔

اس میں چنگ و رباب سے مراد ملامت ہے نہ کہ ڈھولکی اور ستار کی تن تن۔ پھر وہ ان باتوں کا جواب کیوں دیں۔ ان کو لطف آتا ہے ان باتوں میں غرض ان باتوں کے جواب دینے کی پرواہ نہیں کرنا چاہئے۔ ہم تو طالب علموں کو یہ فہمایش کرتے ہیں کہ جواب و سوال کے قصہ کو چھوڑو۔ اپنے اللہ کا نام لو جواب سوال میں کیوں وقت ضائع کیا دیکھو تمہیں کیا تعلیم دی گئی ہے۔

فضول کام

فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ و علی آلہ و سلم **ان من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ** یعنی اسلام کی خوبی یہ ہے کہ فضول بات میں آدمی نہ پڑے جاہل آدمی کا جواب دینا فضول ہی ہے کہ کیونکہ اس کا حاصل کیا اگر جواب دے ہی دیا اور اس کو ساکت ہی کر دیا تو کتنی رکعت کا ثواب ملا اپنا جو اصلی کام تھا خواہ مخواہ اس کا حرج کیا جاہل کو تو اس کی بات کا جواب بھی نہ دے۔

حضرات صحابہؓ کو تسلی

دیکھو کفار نے حضور صلی اللہ علیہ و علی آلہ و سلم کا نام بجائے محمد صلی اللہ علیہ و سلم کے مذمم رکھا تھا۔ لیکن حضور ﷺ اس کا جواب تو کیا دیتے اس سے بڑھ کر یہ کہ صحابہ سے یہ لفظ سنا نہ جاتا اور اس گستاخی کے سننے کی تاب نہ لاتے تو حضور ﷺ ان کی تسلی کرتے اور فرماتے **الم تروا کیف صرف اللہ عنی شتم قریش یشتمون مذمما و یلعنون مذمما و انا محمد صلی اللہ علیہ و علی الہ وسلم** یعنی دیکھو حق تعالیٰ نے قریش کے برا بھلا کہنے کو اور سب و شتم کو مجھ سے کیسا ہٹایا ہے۔ اور مجھے اس سے کیسا بچایا ہے وہ مذمم کو گالیاں دیتے ہیں اور میں تو محمد ﷺ ہوں۔

حضور ﷺ اس طرح تھامتے تھے صحابہ کو اور بعض نے ایسے موقع پر جواب دینا شروع کیا تو یہ آیت اتری **وَقُلْ لِعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ** یعنی کہہ دیجئے میرے بندوں سے کہ وہ بات کہا کریں جو اچھی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بری بات کے جواب میں بری بات نہ کہیں شیطان چاہتا ہے کہ ان میں لڑائی کرا دے سبحان اللہ کیسی تعلیم ہے اور اس سے بڑھ کر لیجئے فرماتے ہیں **وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ** یعنی مشرکین کے معبودوں کو برا بھلا مت کہو کہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اس

کے جواب میں حق تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں گے اللہ اکبر کس قدر بچایا ہے بیہودہ مشغلوں سے ان سب تعلیمات کا حاصل یہی ہے کہ اپنے کام میں لگو۔ فضول جھگڑوں میں نہ پڑو بری بات کے جواب میں بری بات مت کہو۔ یہ بھی فضول حرکت ہے یہ تعلیم تو ان کے اقوال کے جواب میں تھی۔

کلمات ترحم

اب ان کے افعال کے مقابلہ میں سنئے کیا جواب دیا جاتا تھا حضور صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم طائف دعوت اسلام کے لئے تشریف لے گئے تو ان نامعقولوں نے کیا کیا کہ لڑکوں سے حضور ﷺ پر پتھر پھینکوائے جسم مبارک زخمی ہو گیا یہ حالت گذری کہ کئی وقت کھانے کو نہیں ملا سوائے اس کے کہ حضرت بلال کے پاس کچھ تھوڑی بہت باسی سوکھی روٹی تھی یا کچھ کھجور وغیرہ ہوں گی اس کو کھا کر پانی پی لیتے مگر ان کے ان افعال کے جواب میں زبان مبارک سے کچھ نہیں فرمایا بلکہ حدیث میں آیا ہے کہ ملک الجبال یعنی وہ فرشتہ جو پہاڑوں پر موکل ہے آیا اور عرض کیا کہ مجھ کو خدا تعالیٰ نے بھیجا ہے اگر آپ حکم دیں تو ان کو پہاڑوں کے بیچ میں پیس دوں جواب دیا کہ مجھے اور میری قوم کو چھوڑ دو یہ لوگ ایمان نہیں لائے تو کیا ہے شاید ان کی نسل میں سے کوئی ایمان لے آوے۔

باوجود اس قدر تصرفات اختیار میں ہونے کے کہ ملک الجبال حاضر ہے حکم کا منتظر ہے ذرا اشارہ ہو تو سب کو خاک میں ملا دے لیکن ان کی تکلیف کو گوارا نہیں کیا۔ یہ ان کے ایسے افعال کا جواب تھا جن کے سننے سے بھی غیظ پیدا ہوتا ہے اور جوش اٹھتا ہے یہ ہیں اخلاق سبحان اللہ واقعی انبیاءؑ دشمنوں کے بھی خیر خواہ ہوتے ہیں ملا دو پیازہ نے ایک آل نامہ لکھا ہے اس میں ایک جملہ یہ بھی ہے کہ الرسول خیر خواہ دشمنان۔ واقعی گر کی بات کہی ہے حقیقت میں رسول کی شان یہی ہوتی ہے کہ وہ دشمنوں کا بھی برا نہیں چاہتے دیکھ لیجئے حضور ﷺ کس قدر شفیق اور رحیم و کریم ہیں کہ ایسے دشمنوں کو بھی تکلیف پہنچانا گوارا نہ کی۔ بلکہ ان کے

ساتھ خیر خواہی کی دنیا میں بھی اور دین میں بھی دنیا میں تو یہ کہ ملک الجبال کو ان کے ہلاک کرنے سے منع کر دیا اور دین کی خیر خواہی دیکھئے کہ انہی کے واسطے ان کے افعال کے مقابلہ میں کیا دعاء فرماتے ہیں **اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ** یعنی اے اللہ میری قوم کو ہدایت کر دیجئے یہ لوگ جانتے نہیں۔

کس قدر ترحم کے کلمات ہیں بس وہ حالت ہے جیسے ایک شفیق باپ اپنے ناسمجھ بچے کی گستاخی پر کہتا ہے کہ یہ نادان ہے بھلے برے کو جانتا نہیں ایسے ہی حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ان کو ہلاک کیوں کیا جاوے یہ ناواقف ہیں جو گویا دوسرے لفظوں میں یوں فرماتے ہیں کہ یہ جو کچھ نافرمانی کرتے ہیں جان بوجھ کر نہیں کرتے آپ کو یا مجھ کو انہوں نے پہچانا نہیں ورنہ ایسا کیوں کرتے دیکھئے دشمنوں کے ساتھ کیا برتاؤ ہے ان کی تکلیف تو کیا گوارا فرماتے ان کو یہ دعاء دیتے ہیں کہ اے اللہ ان کو جنت میں بھیج دیجئے ہدایت کی دعاء کرنے کا یہی مطلب ہے کہ یہ دوزخ سے بچ جائیں اور جنت میں پہنچ جائیں اس ترحم کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ اندھے تھے ان کو یہ نہیں سوجھتا تھا کہ ایمان نہ لانے کا انجام کیا ہوگا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے سب کام پیش نظر تھے حضور ﷺ کو رحم آتا تھا کہ یہ کیا غلطی کر رہے ہیں کہ انجام کو نہیں سوچتے اور اپنے ہاتھوں دوزخ میں گرتے ہیں۔

اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک بہت چھوٹا بچہ سنکھیا کی ڈلی کو اٹھا کر منہ میں رکھنا چاہتا ہو اور باپ اس کے ہاتھ سے اس کو چھینتا ہو تو وہ بچہ مچلتا ہے اور ڈلی ہاتھ سے نہیں دیتا جب باپ زیادہ اصرار کرتا ہے تو وہ باپ کو لپٹ جاتا ہے اور مارتا ہے اور کاٹتا ہے اس کا نتیجہ کبھی یہ نہیں ہوگا کہ باپ کو غصہ آجائے اور اس کے مارنے اور کاٹنے کے جواب میں یہ بھی مارنے اور کاٹنے لگے بلکہ آپ دیکھیں گے کہ وہ ہنستا ہی رہے گا۔ نہ اس کو مارے پیٹے گا اور نہ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دے گا کہ وہ سنکھیا کی ڈلی کھا جائے۔

بعینہ یہی حالت ہوئی حضور صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم کی ان دشمنوں کے ساتھ کہ تکلیفیں اٹھائیں بھوکے رہے پائے مبارک زخمی ہو گئے مگر ذرا بھی پیشانی پر بل نہیں پڑا نہ ان کا ہلاک ہو جانا چاہا نہ یہ چاہا کہ وہ اپنے حال پر اس گمراہی میں رہیں بلکہ یہی دعاء فرمائی کہ اے اللہ ان کو ہدایت کر دیجئے یہ لوگ ناواقف ہیں۔

حضرات انبیاء علیہم السلام کا طریقہ

یہ ہے طریقہ انبیاء علیہم السلام کا کہ مخالفین کے ساتھ ان کی برائی کا جواب برائی کے ساتھ نہیں دیتے ان کے متبعین کو بھی یہی طرز رکھنا چاہئے اگر کوئی برا بھلا کہتا ہے کہے وہ اپنا منہ خراب کرتا ہے کوئی احدی کہے یا ملانا کہے یا دیوانہ کہے اس سے کچھ تعرض مت کرو اس نے تو اپنا وقت خراب کیا تم اپنا وقت کیوں خراب کرتے ہو بعض وقت بعض علماء کو یہ خیال ہوتا ہے کہ ان کی بدگوئیوں پر صبر کرنے سے ان کی دلیری بڑھتی ہے لہٰذا کچھ جواب دیا جائے میں کہتا ہوں ان کو اس کی بھی پرواہ نہیں کرنا چاہئے ان کی دلیری بڑھے گی تو اپنے واسطے برائی کو بڑھائیں گے ان کا کیا لیں گے خیر یہ تو اپنی جماعت کو مشورہ تھا۔

اصل گفتگو یہ تھی کہ آج کل دین کی طرف سے ایسی لاپرواہی ہے کہ خود تو دین کیا حاصل کرتے الٹا ان لوگوں پر ہنستے ہیں جو دین کا نام لیتے ہیں یہ کس قدر دین سے بعد کی دلیل ہے اور اگر کسی کا خیال دین کی طرف ہے بھی تو صرف ظاہر کی اصلاح کا نام دین رکھ لیا ہے نفلیں ذرا زیادہ پڑھ لیں وضع قطع مسلمانوں کی سی بنا لی بس اس کا نام دین ہے ان کی نظر بھی اس سے آگے نہیں بڑھتی جب اس سے آگے نظر ہی نہیں پہنچتی تو ان امراض کا علاج اور اصلاح کیسے ہو جو ظاہر کے علاوہ ہیں اور خطرناک بھی ہیں تو اس خفاء کی وجہ سے ان میں اور دشواری پیدا ہو گی تو اب سمجھ لیجئے کہ یہ امراض کس قدر قابل توجہ ہوئے۔

تمام امراض کی جڑ

پس اس حدیث میں ان کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور ان تمام امراض کی ایک اصل اور جڑ بیان کی گئی ہے اس کی تفصیل سے معلوم ہوگا کہ کس قدر قیمتی بات بیان فرمائی گئی ہے تفصیل یہ ہے کہ دین کے دو جزو ہیں ظاہری اور باطنی اب تو حالت یہ ہے کہ باطن کے نام سے بھی لوگ آشنا نہیں رہے باطن کی جگہ بطن کو لے لیا ہے۔ بس پیٹ بھر لیا جائے جس طرح بھی ہو حلال سے ہو یا حرام سے دھوکہ سے ہو یا اشراف نفس کے ساتھ ہو بلا طیب خاطر ہو یا جبر سے ہو جس طرح بھی مل جائے لقمہ حاصل کر لیا جائے۔ ہاں بیشک ظاہر کو بعض نے ذرا درست کر لیا ہے۔ اور بس اور اس میں بھی دو فریق ہیں ایک تعلیم یافتہ اور ایک عوام۔ عوام تو اس بارہ میں اقراری مجرم ہیں خود اپنے منہ سے کہتے ہیں کہ جی ہمارا کیا دین۔ الٹی سیدھی ٹکریں مار لیتے ہیں دل دنیا میں لگا ہوا ہے کسی وقت خدا کی یاد دل میں آتی ہی نہیں۔ خیر یہ بیچارے اقرار تو کرتے ہیں اپنے قصور کا۔

ضرورت اصلاح باطن

دوسرا گروہ جو تعلیم یافتہ ہے ان پر زیادہ افسوس ہے کہ وہ اپنے قصور کے مقر بھی نہیں۔ ان کو یہ خیال بھی نہیں آتا کہ دین کا کوئی باطنی جزو بھی ہے۔ عوام کو اتنا خیال تو ہوتا ہے کہ ہم جو کچھ دین رکھتے ہیں وہ محض ظاہری ہے اور باطنی سے ہم محروم ہیں۔ اور یہ تعلیم یافتہ لوگ محروم ہونے کا نام بھی اپنے اوپر آنے نہیں دیتے کیونکہ شان میں فرق آجائے گا انہوں نے باطنی جزو کو ذہن سے اڑا ہی دیا بس ظاہر پر کفایت کر لی اور اس پر ناز کر بیٹھے اور سمجھ گئے کہ ہم پورے دیندار ہیں اور پھر ظاہر میں سے بھی چھانٹ لیا ہے بعض اجزاء کو گویا دین میں سے انتخاب در انتخاب کیا ہے اور اپنے نزدیک ضروری اجزاء نکال لئے ہیں اس کے یہ معنی ہیں کہ گویا دوسرے اجزاء نعوذباللہ فضول اور زائد ہیں اور وہ انتخاب کن اجزاء کا کیا ہے جن میں سہولت ہے یا جن کی عادت ہوگئی ہے جیسے نام مسلمانوں کا سا رکھ لینا صورت مسلمانوں کی سی بنا لینا بہت کیا تو نماز بھی پڑھ لی بس انہی اجزاء کا نام

دین سمجھ لیا ہے۔

اجزائے دین

صاحبو! دین کے اجزاء تو یہ ہیں عقائد اعمال معاشرت معاملات اخلاق ان سب کی تکمیل سے دین کی تکمیل ہوتی ہے اب یہ حالت ہے کہ ان اجزاء میں سے بعضوں کا تو نام سن کر بھی لوگ چونکتے ہیں اور تعجب کرتے ہیں بعض وقت زبان سے بھی کہتے ہیں کہ ان کو دین سے کیا تعلق۔ معاشرات بھی کوئی دین کے سکھلانے کی چیزیں ہیں یہ تو آپس کے برتاؤ ہیں جو ملنے جلنے سے خود آدمی سیکھ جاتا ہے اس میں بھی مولویوں نے پابندیاں لگا دی ہیں علی ہذا معاملات میں بھی ایسی ہی باتیں کہی جاتی ہیں۔

اجزائے دین اور ہماری کوتاہی

غرض بعض اجزاء کو دین کا جزو ہی نہیں سمجھا جاتا بڑی دوڑ اعمال دیانات تک رہ گئی ہے اور وہ اعمال بھی سب نہیں ان میں سے بھی وہی لے لئے ہیں جن کی ایک رسم چلی آتی ہے اور جس کی بچپن سے عادت پڑ گئی ہے چنانچہ بڑی دینداری یہ ہے کہ نماز پڑھ لی۔ ڈاڑھی رکھ لی شرعی پائجامہ پہن لیا گوشت کھالیا صورت شکل وضع قطع مسلمانوں کی سی بنالی یہ ان لوگوں کا انتہائی کمال ہے جو اپنے آپ کو دیندار کہتے ہیں اور جو اپنے آپ کو دیندار بھی نہیں کہتے ان کا تو یہاں ذکر ہی نہیں۔

غرض دین کے اجزاء میں ایسا انتخاب کیا ہے کہ اب خلاصہ کا بھی خلاصہ یعنی گویا جوہر نکل آیا۔ اور دین نام رہ گیا صرف گنتی کے چند اعمال کا اور وہ بھی اس سے زیادہ نہیں کہ ظاہر کہ چند شعبوں کو درست کر لیا۔ غرض اس انتخاب میں بھی جو رہا وہ ظاہر رہ گیا اس کے سوا دوسری چیز یعنی باطن کا نام بھی نہیں آتا بس اس ناتمام ظاہر کو بنا کر خوش ہیں کہ ہم دیندار ہیں اس بیان سے ظاہر کو بگاڑنے

والے خوش نہ ہوں کہ ہم تو دیکھئے ظاہر پرست ہیں مسلمانوں میں اس خیال کے لوگ بھی بہت ہیں جو سمجھتے ہیں کہ باطن کا درست ہونا کافی ہے ظاہر کے درست کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ ان کے نزدیک ظاہر کا درست کرنا باطن کے درست کرنے میں مخل ہے' لہٰذا ظاہر کو ایسا بگاڑتے ہیں کہ یہ بھی نہیں پہچانا جا سکتا کہ یہ مسلمان ہیں۔ وضع قطع بھی مسلمانوں کی سی نہیں رکھتے بلکہ نماز بھی نہیں پڑھتے یوں کہتے ہیں کہ کسی کے سامنے نماز پڑھیں گے تو وہ ہمارا معتقد ہو جائے گا۔ اس سے ہمارے من سمجھوتہ کرنے کے لئے گھڑلی ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ ہمارا باطن درست ہے پھر ظاہر کی کیا ضرورت ہے میرے ظاہر آرائی کی مذمت سے احتمال تھا کہ یہ لوگ خوش ہوتے۔

صرف اصلاح ظاہر کافی نہیں

اس لئے کہتا ہوں کہ ان کو خوش نہیں ہونا چاہیے کیونکہ میں ظاہر کی درستی کی مذمت نہیں کرتا بلکہ اس پر اکتفا کرنے کی مذمت کرتا ہوں تاکہ اصلاح باطن کی فکر کریں۔ محض اصلاح ظاہر پر قناعت نہ کرلیں باقی ظاہر کی درستی بھی فرض ہے اس لئے کسی کو یہ گنجائش نہیں کہ اصلاح ظاہر کو ترک کر دے گو بالفرض باطن بھی درست ہو اور ان بد دینوں کا تو باطن بھی درست نہیں بلکہ انہوں نے ظاہر اور باطن دونوں کو بگاڑ رکھا ہے ظاہر کو بگاڑا ہی ہے باطن بھی بگڑا ہوا ہے اور یہ اس دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں کہ ہمارا باطن درست ہے اس سے تو یہی بہتر تھا کہ ظاہر تو درست ہوتا ایک ہی فرض ادا ہوتا اگر ان لوگوں کی طرف سے کہا جائے کہ ہم اس کو نہیں مانتے کہ ہمارا باطن بگڑا ہوا ہے باطن ہمارا بالکل اچھا ہے ہم نے ظاہر کو باطن ہی کے درست کرنے کے لئے بگاڑا ہے کیونکہ باطن کے بگاڑنے والی ایک چیز عجب بھی ہے۔ اس سے بچنے کے لئے ہم نے ظاہر کو بگاڑا ہے اس سے باطن ہمارا بالکل اچھا ہو گیا۔ پھر یہ کہنا کہاں صحیح ہوا کہ انہوں نے ظاہر اور باطن دونوں کو بگاڑ رکھا ہے میں بطور جواب الزامی کے کہتا ہوں کہ ایک شخص

بادشاہ سے باغی ہے اور ہر ہر حکم کی مخالفت کرتا ہے اور کسی بات میں اطاعت نہیں کرتا لیکن جب اس سے پوچھا جاتا ہے کہ تو ایسا کیوں کرتا ہے تو کہتا ہے واللہ میں دل سے بادشاہ کا بڑا خیر خواہ ہوں یہ جو کچھ مخالفت میں نے کر رکھی ہے صرف عجب سے بچنے کے لئے کر رکھی ہے تاکہ میرے خلوص میں فرق نہ آوے بتائیے آپ اس کو کیا کہیں گے یہی کہیں گے کہ جھوٹا بد معاش غلط کہتا ہے فرمایئے اس کی وجہ کیا ہے جب ایک شخص اپنے منہ سے کہہ رہا ہے کہ میں دل سے مطیع ہوں خیر خواہ ہوں تو آپ اس کو جھوٹا کیوں کہتے ہیں اور اس کو باغی کیوں سمجھتے ہیں۔

اب میں تحقیقی جواب کے طور پر کہتا ہوں کہ اس کی وجہ سوائے اس کے کیا ہے کہ ظاہر عنوان ہوتا ہے باطن کا جب ظاہر افعال اس کے مخالفانہ ہیں تو اس کو کوئی تسلیم نہیں کر سکتا کہ باطن اس کا موافق اور مطیع ہے۔ اور یہی کہا جاوے گا کہ وہ واقع میں بھی مخالف اور باغی ہے۔

اسی طرح سمجھ لیجئے کہ جب ایک شخص کا ظاہر خراب ہے تو یہ کیسے مانا جا سکتا ہے کہ اس کا باطن درست ہے ظاہر تو تابع ہوتا ہے باطن کے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ باطن درست ہو اور ظاہر میں اس کا اثر نہ پیدا ہو خوب سمجھ لیجئے کہ یہ ناممکن ہے کہ قلب میں کسی کی اطاعت ہو اور بدون اضطرار کے ظاہر اس کا مخالف ہو۔

یہ تقریر تو بطور جملہ معترضہ کے درمیان میں آ گئی اصل بیان یہ تھا کہ آج کل بہت سے دیندار ایسے ہیں جنہوں نے صرف چند اعمال کی درستی کو دین سمجھ لیا ہے۔ پھر اعمال سے مراد صرف اعمال ظاہری لے لئے ہیں وہ بھی سب نہیں بلکہ معدودے چند جیسے ڈاڑھی بڑھالی نماز پڑھ لی وضع قطع درست کر لی اور سمجھ لیا کہ ہم پورے دیندار ہو گئے اس تقریر سے چونکہ یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ ظاہر کا بنانا کچھ اچھی چیز نہیں۔ اور اس سے وہ لوگ خوش ہوتے جو ظاہر کو بگاڑتے ہیں اس واسطے ان کی غلطی کو بیچ میں دفع کر دیا گیا۔ باقی اصل خطاب انہی لوگوں کو ہے جو صرف

ظاہر کے بنانے کو دین سمجھے ہوئے ہیں اور جن کو اپنے مرض کی خبر نہیں اور وہ مرض ہے بھی ایسا جس کی خبر ہونا دشوار بھی ہے اور جب خبر ہونا دشوار ہے تو اس کی اصلاح بھی دشوار ہے۔ خبر کے دشوار ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ظاہر کا بگاڑ تو محسوس ہوتا ہے لہٰذا خبر بھی آسانی سے ہوگی اور اصلاح بھی اس کی آسان ذرا توجہ اور ارادہ کی ضرورت ہے۔ بخلاف مرض باطن کے کہ اس کے مریض کو اس کی اطلاع تک بھی نہیں ہوتی پھر اصلاح کیسے ہو اور جب اس مرض کی خود مریض ہی کو خبر نہیں ہوتی تو دوسروں کو نظر تو آتا نہیں اور بد گمانی کی کسی کو اجازت نہیں تو اس حالت میں دوسرا اس مرض کو سمجھے تو کیسے سمجھے

لہٰذا یہ مرض نہایت دشوار ہوا۔ پس مریض خود علاج کرے تو کیسے کرے اور دوسرا آدمی علاج کرے تو کیسے کرے کیونکہ اطلاع مفقود اور وہی شرط علاج اور اگر کسی مریض کو اپنے اس مرض کی اطلاع ہوتی بھی ہے تو اس کے ساتھ ایک مرض اور بھی لگا ہوا ہے توجیہ اور تاویل کا کہ اس کو کھینچ کھانچ کر مرض کی حد سے نکال لیں گے اور ناجائز کو جائز بنا لیں گے حالانکہ اگر ذرا بھی دین کا احساس قلب میں ہے تو قلب میں اس تاویل سے ہرگز بشاشت نہیں ہوتی بلکہ قلب میں اسی کا اقرار رہے گا کہ یہ گناہ ہے پھر جب خود ہی کو گناہ ہونے کا علم ہے تو اللہ تعالیٰ کو تو کیسے علم نہ ہوگا تو پھر اس توجیہ اور تاویل سے کیا کام چلا خدا کے سامنے تو گنہگار ہی رہے ظاہر بینوں کی نظر میں سرخرو ہو گئے تو کیا

کہ	گہے	اللہ	وروغے میزنی
ازبرائے	مسکہ	دوغے	میزنی
خلق	راگیرم	کہ	بفریبی تمام
در غلط	اندازی	تاہر	خاص و عام
کارہا	باخلق	آری	جملہ راست
بخدا	تزویر و	حیلہ	کے رواست

کار باوراست باید داشتن
رایت اخلاص و صدق افراشتن

تاویل کا مرض

ظاہر کے بنانے سے دنیا تو دھوکہ میں اس واسطے آگئی کہ ان کی نظر صرف ظاہر تک ہے۔ مگر باطن کو بگاڑ کر خدا کو دھوکہ کیسے دوگے جب کہ ان کی نظر باطن تک بھی پہنچتی ہے دنیا کی نظروں کے سامنے تاویلیں کر کے سرخرو ہوگئے تو کیا ہوا تاویل سے اصل واقعہ تھوڑا ہی بدل جاتا ہے حق تعالیٰ کو تو اصل واقعہ کا علم ہے اور تاویل میں ایک بڑی خرابی یہ ہوتی ہے کہ اس چیز کی برائی پر پردہ پڑ جاتا ہے اصل گناہ تو مرض تھا ہی یہ تاویل کا مرض اس سے بھی زیادہ سخت ہے کیونکہ یہ نہ ہو تو گناہ ایسی چیز ہے کہ اس سے طبائع سلیمہ نفرت ہی کرتی ہیں تو امید ہو سکتی ہے کہ کبھی اس سے تنبہ ضرور ہو جائے گا اور جب تاویل درمیان میں آگئی تو گناہ کی برائی پر پردہ پڑ گیا اب تنبہ ہو تو کیونکر ہو اس حالت میں دوسرا آدمی تو اس وجہ سے تنبیہ نہیں کر سکتا کہ وہ ظاہر کو درست پاتا ہے کوئی برائی اس کی نظر میں نہیں آتی اور خود تنبہ اس واسطے نہیں رہا کہ مرض پر تاویل کا پردہ پڑ گیا تنبیہ اور تنبہ سب اڑ گئے اب اصلاح کی کیا امید ہو دیکھئے کس قدر دشواری ہے باطن کی اصلاح میں بعض وقت یہ ظاہر کو بنانے والے ایک اور طرح فیصلہ کرتے ہیں کہ اس میں تاویل کی بھی ضرورت نہیں ہوتی اور نفس کا مطلب حاصل رہتا ہے وہ یہ ہے کہ اپنے عیوب کو بھی جانتے ہیں اور ان میں کچھ تاویل بھی نہیں کرتے اس لئے اس بات کو مانتے ہیں کہ ہمارے اندر یہ عیب ہیں لیکن ساتھ ساتھ اپنے کمالات کو بھی یاد کرتے ہیں کہ فلاں فلاں کمال بھی تو ہم میں موجود ہیں علم ہے عمل ہے نماز ہے۔ روزہ ہے جب اتنے کمال موجود ہیں تو وہ عیوب بھی سہی فیصلہ غلبہ سے ہوتا ہے۔ اور بھلائی زیادہ ہے برائی کم تو بھلائی ہی کا حکم ہوگا اس صورت میں کسی تاویل کی

ضرورت بھی نہیں رہی اور اچھے بن گئے اور سب بات قاعدہ کے اندر رہی یہ فیصلہ ذہن کا سب سے بڑا کمال رہا اس سے بات بھی وہی کی وہی رہی اور دل کو اچھی طرح سمجھا لیا کہ ہم اچھے ہیں یہ ایسی مدلل تقریر ہے کہ اس کا جواب دینا بھی مشکل ہے اے صاحبو! دل کو سمجھانا جب کافی ہے کہ ہمارا دل قیامت کے روز فیصلہ کنندہ قرار پاوے مگر قیامت میں تو فیصلہ دوسرے کے ہاتھ میں ہوگا اور وہ حقائق کے موافق فیصلہ کرے گا اور اس روز دل کو سمجھا لینے سے کچھ کام نہ چلے گا۔ اور حقائق کے ظہور کے وقت ممکن ہے کہ آپ کا غالب تو مغلوب ہو اور مغلوب غالب ہو۔

ضرورت اصلاح

دوسرے میں کہتا ہوں کہ آدمی کو ضرورت تو اصلاح کی ہے اور ان عیبوں کے دور کرنے کی جو اس کے اندر ہیں تو کیا اس دل کے سمجھا لینے سے ان عیبوں کی اصلاح ہوگئی ہرگز نہیں بلکہ جیسے تاویل سے ان عیبوں پر پردہ پڑ گیا تو اسی طرح اس فیصلہ سے بھی پردہ پڑ گیا تاویل بھی ایک مرض تھا یہ بھی ایک مرض ہے وہ ایک قسم کا پردہ تھا یہ دوسری قسم کا پردہ ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ یہ بھی ایک قسم کی تاویل ہی ہے اس میں اور اس میں اتنا فرق ہے کہ اس تاویل کا حاصل یہ تھا کہ گناہ کو گناہ نہ تسلیم کیا تھا اس وجہ سے نفس پر دھبہ نہ آیا اس تاویل میں اس سے بھی بڑھ کر کمال ہے کہ گناہ کو گناہ رکھا اور نفس پر دھبہ اب بھی نہ آیا خیال کر لیجئے کہ یہ کس قدر گہری تاویل ہے بہرحال اتنی لمبی تقریر سے یہ بات ذہن میں آگئی ہوگی کہ امراض باطن کا ادراک نہایت دشوار ہے کیونکہ اتنے موانع موجود ہیں اور پردوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں جب اس کی اطلاع دشوار ہے تو ظاہر ہے کہ علاج بھی دشوار ہے کیونکہ مرض کا علاج تو جب ہی ہو سکتا ہے جب مرض کی خبر ہو اور جب خبر ہی نہ ہو تو علاج کیسا اس دشواری کو دیکھ کر بعض لوگوں نے تو ہمت ہار دی ہے کہ کون علاج کرے اگر ہمارے اندر امراض ہیں تو بلا سے اللہ میاں بڑے کریم

ہیں ہم گنہگار سہی اللہ میاں معاف کرنے والے ہیں پھر کیوں مصیبت میں پڑے کہ اصلاح کرنے والے کو تلاش کرو اس کے نخرے اٹھاؤ ہر وقت اسی ادھیڑ بن میں رہو اچھی خاصی مصیبت ہے جب اللہ میاں رحیم و کریم ہیں تو کیا ضرورت ہے اس مصیبت اٹھانے کی وہ اپنی رحمت سے خود ہی سب کام بنادیں گے یہ ان لوگوں کے خیالات ہیں جو دیندار بننا چاہتے ہیں اور کوئی کام خلاف شریعت کرنا نہیں چاہتے ان کے ذہن میں نماز کی بھی ضرورت ہے حج کی بھی ضرورت ہے روزے کی بھی ضرورت ہے ڈاڑھی کی بھی ضرورت ہے مگر قلب کی طرف کبھی ان کو توجہ نہیں ہوتی کہ اس کے بھی کسی مرض کے اصلاح کی ضرورت ہے یا نہیں۔

امراض قلب

پس سن لیجئے کہ قلب میں بھی کچھ امراض ہیں اور ان کے دور کرنے کی بھی ویسی ہی ضرورت ہے جیسے کہ ظاہر کے سنوارنے کی ضرورت ہے جیسا کہ میں نے طویل تقریر سے ثابت کر دیا۔

اب یہاں دو چیزیں قابل غور ہیں ایک یہ کہ وہ باطنی امراض کیا کیا ہیں دوسرے یہ کہ خدا کے ساتھ ہم کو کیا تعلق ہونا چاہئے یہی دو امر خلاصہ ہیں آج کے بیان کے ان دونوں کا جوڑا بھی سمجھ میں نہ آیا ہوگا لیکن آگے چل کر معلوم ہو جاوے گا یہاں اجمالاً" اتنا سمجھ لیجئے کہ ان دونوں میں سے ایک اصل ہے اور دوسرا اس کی فرع یعنی نتیجہ اور اثر ہے۔ وہ اصل امر ثانی ہے یعنی یہ کہ ہم کو خدائے تعالیٰ کے ساتھ کیا تعلق ہونا چاہئے اور امر اول یعنی تحقیق امراض اس کی فرع ہے اگر یہ اصل سمجھ میں آگئی تو سب امراض کی حقیقت اور ان کا علاج معلوم ہو جاوے گا اس اصل کا بیان سنئے یعنی یہ بات کہ خدائے تعالیٰ کے ساتھ ہم کو کیا تعلق ہونا چاہئے ایسی کھلی ہوئی بات ہے جس کی زیادہ شرح کی ضرورت نہیں۔

تعلق مع اللہ قائم کرنے کی ضرورت

ایک مختصر سی بات یہ ہے کہ تمام تعلقات کی بناء ہوتی ہے احسان پر جتنا کسی کی طرف سے کسی پر احسان زیادہ ہوتا ہے اتنا ہی اس کو تعلق زیادہ ہوتا ہے خدا تعالٰی کے احسانات ہم پر جس قدر ہیں محتاج بیان نہیں ہم کو جو کچھ حاصل ہے وہ سب خدا ہی کے دینے سے ہے کوئی وقت بھی ایسا نہیں جو خدا تعالٰی کے احسان سے خالی ہو اتنے احسانات ہمارے اوپر کسی کے بھی نہیں ہیں اور نہ ہو سکتے ہیں جتنے خدا تعالٰی کے احسانات ہیں تو بنا بر قاعدہ مذکورہ ہم کو کسی سے بھی اتنا تعلق نہ ہونا چاہئے جتنا خدا تعالٰی سے ہونا چاہئے اور اس کی بھی شرح ہو جانی چاہئے کہ تعلق کس چیز کا نام ہے تعلق کے معنی ہیں لگاؤ اور لگاؤ سے مراد ہے دل کا لگاؤ مگر دل کا لگاؤ یہ نہیں ہے کہ دل کسی کے ساتھ دیکھنے میں چپک جائے بلکہ دل کے لگاؤ کے صرف یہی معنی ہیں کہ دل اس کی طرف متوجہ رہے اور دل میں اس درجہ اس کی یاد رہے جس کو عرف میں دل میں بس جانا کہتے ہیں۔

اب آپ غور کر لیجئے کہ ہم کو خدائے تعالٰی کے ساتھ یہ تعلق حاصل ہے یا نہیں ہر شخص غور کرلے کہ رات دن میں کتنا وقت اس کے لئے ملتا ہے اگر کوئی خیال کر کے دیکھے گا تو یہ بات صحیح پائے گا کہ سب چیزوں کی یاد اور دھیان سے کم زمانہ خدا تعالٰی کی یاد کا ہوتا ہے جن جن چیزوں کا ہمارے دل میں خیال اور دھیان رہتا ہے سب سے کم زمانہ خدا کی یاد کے لئے ملتا ہے چنانچہ مال کا دھیان بھی ہم کو بہت کچھ رہتا ہے جان کا دھیان بھی اکثر رہتا ہے اگر کوئی کسی کا نوکر ہے تو اس کو آقا کا دھیان بھی اکثر اوقات رہتا ہے بچوں کا دھیان بھی زیادہ رہتا ہے مگر نہیں رہتا تو اللہ میاں کا دھیان نہیں رہتا رات دن اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے دل میں یہ ادھیڑ بن رہتی ہے کہ مال یوں کمائیں گے یوں بڑھائیں گے بچوں کے لئے فلاں فلاں چیز لائیں گے نوکری میں کام اس طرح کریں گے آقا کو یوں کارگزاری دکھائیں گے وہ خوش ہوگا یوں ہماری عزت ہوگی غرض کسی وقت دل اس سے خالی نہیں رہتا میں پوچھتا ہوں کہ آخر یہ کیا بیہودہ شغل ہے میاں نوکری کے کام سے تو

روپے ملیں گے لیکن یہ بتلاؤ کہ اس خیال سے کیا ملتا ہے اس سے کتنے روپے ملتے ہیں کچھ بھی نہیں مگر با ایں ہمہ ان خیالات سے کوئی خالی نہیں۔

دل کو فارغ رکھنے کی ضرورت

یہ اس بات کا جواب ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہر وقت یاد خدا میں رہیں تو دنیا کا کام کیسے ہو آخر کھانا پینا رہنا سہنا یہ کام بھی تو کرتے ہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سب کام چھوڑ کر بس یاد خدا میں لگ جائیں۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ دنیا کے کاموں کو منع نہیں کیا جاتا جو کام دنیا کی معیشت کے لئے ضروری ہے جتنا وقت اس میں صرف ہو اس کا مضائقہ نہیں مگر اس کے علاوہ اس کام کے خیال اور ادھیڑبن میں کیوں وقت صرف کیا جاتا ہے دل کو فارغ کیوں نہیں رکھا جاتا اور اس وقت کو خدا کے دھیان اور خدا کی یاد میں کیوں صرف نہیں کیا جاتا دنیا کے کاموں کی جو ضرورت بیان کی جاتی ہے تو ان میں کام کی ضرورت ہے نہ کہ خیال کی سو کام کو منع نہیں کیا جاتا بلکہ خیال کو منع کیا جاتا ہے۔ دنیا کا کام تو کام کرنے سے ہوتا ہے۔

خیال محض فضول چیز ہے

خیال سے تھوڑا ہی ہوتا ہے تو خیال محض فضول چیز ٹھہری بس اس فضول چیز سے منع کیا جاتا ہے خیال تو محض بیکار ہے اس سے تو نفع کچھ بھی نہیں ہاں کچھ نقصان ضرور ہے خیال کی حالت شیخ چلی کی کہانی کی سی ہے کہ وہ ایک شخص کا شیرہ کا گھڑا سر پر لے کر چلے دو پیسے مزدوری کے ٹھہرے راستہ میں آپ نے خیال باندھا کہ ان دو پیسوں کے دو انڈے خریدیں گے پھر ان کو مرغی کے نیچے رکھیں گے ایک میں مرغی ایک میں مرغا بچہ نکلوالیں گے ان بچوں کو بیچ کر بکریاں خریدیں گے پھر ان کے بچے ہوں گے انہیں بیچ کر بیل پھر گھوڑے پھر ہاتھی خرید گے اور ان سب تجارتوں کے بعد ہم مالدار ہو جائیں گے پھر وزیر زادی سے نکاح کریں گے

اس سے لڑکا ہوگا وہ سیانا ہو کر ہم سے پیسہ مانگے گا تو ہم کہیں گے ہشت یہ جو کہا تو ان کا سر ہل گیا اور مٹکا گر گیا شیرہ سب بہہ گیا مالک ساتھ تھا وہ بہت خفا ہوا کہ میاں یہ کیا کیا میرا نقصان ہوگیا کہنے لگا جا اپنا کام کر تیرا تو روپیہ دھیلی کا نقصان ہوا ہوگا یہاں سارا بنا بنایا کنبہ غارت ہوگیا۔

حضرت خیال یہ چیز ہے کہ اس سے حاصل تو کچھ بھی نہ ہوا ہاں یہ نقصان ضرور ہوا کہ ایک شخص کا گھڑا پھوٹ گیا اور شیرہ بہہ گیا صاحبو! اسی طرح جس ادھیڑ بن اور خیال میں آپ رہتے ہیں اس سے دنیا کا بھی تو کوئی نفع نہیں کیونکہ دنیا کا نفع تو کام سے ہوتا ہے خیال سے کیا ہوتا ہے ہاں اتنا نقصان ضرور پہنچتا ہے کہ وہ وقت ضائع گیا اور یاد خدا سے محرومی رہی۔

خیال پر ایک معقولی کی حکایت

خیال پر ایک معقولی کا قصہ اور یاد آیا۔ جنہوں نے خیال سے انڈے کے سو انڈے ذرا دیر میں بنا دیئے اور ہاتھ نہ آیا خاک بھی۔

ایک شخص کے دو لڑکے تھے ایک گھر سے نکل کر سکول پڑھنے چلا گیا اور مدتوں پڑھتا رہا جب اس فن میں خوب کمال حاصل کر لیا تو گھر لوٹ کر آیا باپ اور دونوں بھائی کھانا کھانے بیٹھے ایک پیالہ میں دو انڈے سامنے لاکر رکھے گئے آپ کو معقول کا جوش تھا کہنے لگے دیکھو یہ پیالہ میں دو انڈے رکھے ہیں: ان کو ہم معقول کے زور سے ابھی سو کئے دیتے ہیں۔

باپ نے کہا کرو آپ بولے دیکھو ایک یہ انڈا ہے اور ایک یہ دو ہوئے اور ایک ان کا مجموعہ تین ہوئے پھر تین یہ اور ایک تینوں کا مجموعہ چار ہوگئے پھر چار یہ اور ایک چاروں کا مجموعہ پانچ ہوئے۔

اسی طرح انہوں نے سو تک تعداد بڑھا کر دکھا دی اور اپنے نزدیک بڑا کمال کیا اس میں دیر بھی لگی کیونکہ اچھا خاصا عمل کرنا پڑا اور سمجھانا پڑا مگر اس تقریر کا جواب ایسا ہوا کہ اس میں ذرا دیر بھی نہ لگی جو بالکل اس کا مصداق تھا کہ

سو سنار کی اور ایک لوہار کی باپ نے کیا کیا کہ وہ دونوں انڈے اٹھا کر ایک اپنے منہ میں رکھ لیا اور ایک دوسرے بیٹے کے حوالے کیا اور کہا مولوی صاحب یہ دو انڈے تو ہم لئے لیتے ہیں اور ۹۸ جو بچے وہ آپ کھا لیجئے۔

معقولی صاحب منہ دیکھتے رہ گئے گو یہ کہہ سکتے تھے کہ سو انڈے جو بن گئے تھے ان میں کے ۹۸ انہی دو کے ساتھ تھے کیونکہ وہ انتزاعی تھے اور ان کا منشا انتزاع یہی دو تھے جب یہ تمہارے پیٹ میں اتر گئے تو وہ سب بھی تمہارے ہی پیٹ میں اتر گئے مگر اس جواب سے معقولی کو انڈا نہ ملتا

خیال کی حقیقت

تو خیال کی یہ حقیقت ہے کام تو خیال سے کوئی بھی نہیں بنتا تو محض خیال ایک فضول چیز ہوئی اس سے منع کیا جاتا ہے کام جو کچھ بنتا ہے وہ تو کام کرنے سے بنتا ہے اس سے منع نہیں کیا جاتا جو کام دنیا کا آپ کو کرنا ہے کرو مگر اس کی ادھیڑ بن میں ہر وقت کیوں رہتے ہو بلکہ کام کرنے کا جب وقت آیا اور اس کام کو طریقہ کے موافق کیا اور قلب کو فارغ کر لیا بتاؤ اس میں کیا تنگی ہوئی اور کونسا کام معیشت کا بند ہوا یہ جو حالت ہے کہ رات دن عورت کا خیال بچوں کا خیال نوکری کا خیال دوستوں کا خیال کسی وقت ان سے فرصت نہیں ہوتی یہ حالت کیوں ہے حتی کہ نماز بھی ان خیالات سے خالی نہیں ہوتی۔

ذرا یہ تو سوچو کہ یہ سارے کام نماز کے اندر تو ہونے ہی کے نہیں جو کچھ ہوگا نماز کے بعد ہوگا پھر دل ان کی ادھیڑ بن میں کیوں رہتا ہے پھر اگر آپ سے یوں کہا جاتا ہے کہ خیالات سے دل کو خالی رکھا کرو تو کیا بیجا کہا جاتا ہے یہ جو نماز میں اول سے آخر تک دل میں خیالات بھرے رہے ان سے کونسا کام بنا پھر دل کو کیوں خراب کیا لیکن کیا کیا جائے کہ ہم لوگوں نے اس کی ایسی عادت ڈال لی ہے جیسے تمباکو کھانے والوں کی تمباکو کی عادت ہو جاتی ہے کہ بدون تمباکو کے چین ہی نہیں آتا منہ خالی خالی ادھار ادھار سا معلوم ہوتا ہے وہی حالت ہماری ہے کہ

جب تک دل میں یہ خیالات نہ ہوں بے چینی رہتی ہے اور دل خالی خالی سا معلوم ہوتا ہے اگر یہ بھی ہوتا کہ دو ایک چیزوں کا خیال دل میں رہا کرتا تب بھی کچھ تسلی رہتی لیکن حالت یہ ہے کہ دنیا بھر کے بکھیڑے اور خیالات موجود اور غیر موجود فرضی اختراعی ہر وقت دل میں بھرے رہتے ہیں۔ کیا خراب زندگی ہے سارا دن اور ساری رات انہیں فضولیات کے ساتھ مشغول رہتی ہے جو کام کی بات ہے اس کا گزر بھی دل میں نہیں ہوتا وہ کام کی بات کیا ہے؟ اللہ کی یاد اللہ کا خیال یہ کسی وقت آتا ہی نہیں اور جو کبھی آتا ہے تو چشم زدن کے واسطے اور ذرا دیر کے بعد پھر وہی بقول مولانا۔

گہ ادا پیماؤ باغ و راغ
گہ خیال مغ دماغ و لیغ و لاغ

اگر یہ کہا جائے کہ بلا خیال کے دنیا کا کام ہوتا ہی نہیں اور کام انسان کے بہت سے ہیں تو خیال سے بھی کوئی وقت خالی ہونا مشکل ہے چنانچہ کہا ہے۔

ہر خیال صلح شان و جنگ شاں
ہر خیال نام شان و ننگ شاں

خیال کی مثال ایسی ہے جیسے دریا اور دنیا کے کاموں کی مثال ایسی ہے جیسے کشتی جس طرح کشتی دریا پر دوڑتی ہے اسی طرح تمام کام دنیا کے خیال پر چلتے ہیں دریا نہ ہو تو کشتی نہیں چل سکتی اسی طرح خیال نہ ہو تو کوئی کام نہیں ہو سکتا تو خیال ضروری ٹھہرا پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آدمی دل کو خیالات سے خالی کرے۔

قلب کو خیالات سے پاک رکھنے کی ضرورت

اس کا جواب یہ ہے کہ ایک تو خیال ہوتا ہے مقرون بالفعل یعنی وہ خیال جو کسی کام کے کرنے سے ذرا دیر پہلے دل میں پیدا ہوتا ہے کام کے لئے یہ خیال تو ضروری ہے اور یہ خیال مانع مقصود سے نہیں اس سے منع نہیں کیا جاتا مگر یہ خیال کام کے قریب ہوا کرتا ہے اور واقعی بدون اس کے کام نہیں ہو سکتا کیونکہ کام

فعل اعضاء کا ہے اور اعضاء تابع ہیں قلب کے جب تک قلب میں ارادہ نہ ہو اعضاء فعل نہیں کر سکتے اور قلب میں ارادہ جب پیدا ہوتا ہے جب کہ اول اس فعل کا خیال پیدا ہوتا ہے تو خیال کا قلب میں پیدا ہونا ہر فعل سے پہلے ضروری ہوا پس یہ تو مسلم ہے کہ ہر کام سے پہلے خیال کی ضرورت ہے لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قلب میں ہر وقت خیال کے رہنے کی ضرورت ہے کیونکہ خیال کی ضرورت فعل کے لئے ہے اور فعل ہر وقت نہیں ہوتا کوئی وقت ایسا بھی تو نکلتا ہے جو فعل سے خالی ہو سو اس وقت قلب بھی خیال سے خالی ہونا چاہئے یہ جو ہماری عادت ہے کہ ہر وقت دل میں خیالات بھرے رہتے ہیں قطع نظر اس سے کہ کوئی کام کرنا ہو یا نہ ہو گذری ہوئی باتوں کے تصور فرضی خیالات آئندہ کی لمبی چوڑی بے ضرورت باتیں دل میں بھری رہتی ہیں یہ ضرور روکنے کے قابل ہیں اور یہ ضرور دل سے بالکل بھلا دینے کی چیز ہے جس کے ہم لوگ عادی ہو رہے ہیں اور ہم کو اس سے ایسا انس ہوا ہے کہ بلا اس کے چین ہی نہیں آتا کسی وقت خالی بیٹھے ہوں تو وحشت ہوتی ہے اور فوراً دل کو اس کے ساتھ مشغول کر لیتے ہیں۔

امر حیرت

حیرت کی بات ہے کہ وہ چیز جو یاد رکھنے کی تھی جس سے کسی وقت دل کو خالی نہیں ہونا چاہیے (وہ کیا ہے؟ یاد حق) اس کو تو ہم لوگ یوں بھول گئے ہیں کہ اس کے لئے وقت ہی نہیں ملتا بلکہ ذہنوں سے اس کی ضرورت ہی جاتی رہی اور وہ چیز جو بھلا دینے اور مٹا دینے کی تھی اور صرف ضرورت کے لئے اس کی اجازت ہو سکتی تھی اس کو ہم لوگوں نے ایسا یاد کیا ہے کہ بلا اس کے چین ہی نہیں آتا۔

صاحبو! ذرا غور سے کام لیجئے یہ مانا کہ خیال کسی وقت ضروری چیز ہے لیکن ہر وقت اسی میں مشغول رہنا یہ کیسے روا ہے اس کی مثال تو ایسی ہوئی جیسے پاخانہ میں جانا اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ یہ بھی ضروری چیز ہے لیکن کوئی یوں کرے کہ ایک دفعہ کی جگہ دو دفعہ پاخانہ میں جائے ایک دفعہ تو رفع ضرورت کے

لئے اور ایک دفعہ وہاں کا مزہ لینے کے لئے کہ وہاں بیٹھ کر یہ دیکھے کہ ایسی لینڈی ہے ایسا قدمچہ ہے ایسی موری ہے ایسے گجر گجر کیڑے اس میں چل رہے ہیں فرمایئے یہ کیسا ہے آپ ایسے شخص کو منع کریں گے یا نہیں اور دوبارہ پاخانہ میں جانے سے اسے روکیں گے یا نہیں؟ اور اگر آپ منع کریں تو کیا وہ اس کا یہ جواب دے سکتا ہے کہ میاں تم پاخانہ میں جانے سے منع کرتے ہو پاخانہ میں جانا تو ضروری چیز ہے تو آپ یہی کہیں گے کہ ارے کمبخت! پاخانہ میں جانا تو ضروری چیز ہے مگر اس کو ہر وقت سونگھنا کیا ضرورت ہے پاخانہ میں جانا جس ضرورت کے لئے ہے وہ تو ایک دفعہ میں پوری ہو چکی اب دوبارہ جانا اس بات کی دلیل ہے کہ رفع ضرورت مقصود نہیں کچھ پاخانہ سے طبیعت مانوس ہی ہے اور وہ اچھا لگتا ہے۔

صاحبو! ایسے ہی یہ بھی حماقت ہے کہ آدمی دل کو ہر وقت خیالات میں مشغول رکھے یہ مانا کہ خیال ضروری چیز ہے لیکن اس کو اسی حد تک تو ضروری کہہ سکتے ہیں جس حد تک اس کو رفع ضرورت میں دخل ہے جس کی وجہ سے وہ ضروری ہوا اور وہی مرتبہ ہے جس کو میں نے خیال مقرون بالفعل کہا ہے اس سے زیادہ اس میں مصروف رہنا ایسا ہی ہے جیسے بجائے ایک دفعہ کے دو دفعہ پاخانہ میں جانا اور اس سے مزہ لینا اگر حس ہو تو ان خیالات سے ایسے ہی نفرت ہو جائے جیسے لطیف الطبع آدمی کو پاخانہ کا خیال آجاوے تو اس کو قے آنے لگتی ہے۔

دل کی اصل غذا

صاحبو! اصل غذا قلب کی ذکر اللہ ہے جو چیز اس سے مانع ہو اس کو قلب سلیم ایسا ہی سمجھتا ہے جیسے پاخانہ کو کہ اس کے تصور سے بھی نفرت ہوتی ہے اور قے آتی ہے خصوصاً" معاصی کے خیالات وہ تو بالکل ہی گندی چیز ہیں وہ تو سچ مچ پاخانہ کے برابر ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ گھن کی چیز ہیں ان گندے خیالات کا تو ذکر ہی نہیں یہ تو ان خیالات کا ذکر ہو رہا ہے جو کہ معصیت نہ ہوں مگر غیر ضروری ہیں جب یہ بھی ہیں تو خیالات معصیت تو مفر زہر ہیں غرض ضروری خیالات کو منع

نہیں کیا جاتا ہاں غیر ضروری سے ضرور روکا جاتا ہے کیونکہ یہ مانع ہیں ذکر اللہ سے دیکھئے کسی کو طلب معاش کے لئے کچہری جانا ہوتا ہے یہ ضروری کام ہے پھر وہاں کچہری کے کاموں میں اور ان کے خیالات میں مصروفیت رہتی ہے یہ بھی ضروری ہے اور ان دونوں سے منع نہیں کیا جاتا لیکن کچہری میں چھ ہی گھنٹے تو رہنا ہوتا ہے ان چھ گھنٹوں میں مصروفیت سہی باقی ۱۸ گھنٹے کیوں خراب کئے ان میں مصروفیت کیوں رہتی ہے ان میں دل کو فارغ کیوں نہیں رکھتے ان گھنٹوں میں قلب کو خیالات سے پر رکھنے کی کیا وجہ ہے بتلایئے یہ زاید ازکار اور فضول ہے یا نہیں بس اسی پر ہمارا اعتراض ہے کہ اس فاضل وقت میں قلب کے اندر خیالات کیوں بھرے رہتے ہیں پھر اکثر خیالات بھی کسی امر مباح کے نہیں بلکہ ناجائز اور حرام چیزوں کے کہیں اجنبی عورت کو سوچ رہے ہیں کہیں حرام خوری کی تجویزیں کر رہے ہیں کہیں رشوت کے ذرائع سوچ رہے ہیں یہ ۱۸ گھنٹے بھی اسی مشغلہ میں گزر جاتے ہیں ۶ گھنٹے جو کچہری میں رہنے کے ہیں اس کی نسبت تو کہا جاتا ہے کہ ضروری ہے خیر یہ ضروری سہی مگر ۱۸ گھنٹے جو ان فضول مشغلوں میں گزار دیئے جس سے ۲۴ گھنٹے پورے ہو گئے یہ کون سے ضروری کام میں صرف ہوئے کسی میں بھی نہیں پھر خدا کی یاد کے واسطے کونسا وقت رہا کوئی سا بھی نہیں کچھ وقت ضروری مشغلوں میں گیا اور کچھ غیر ضروری بلکہ مضر اور معصیت میں میزان پوری ہو گئی دن رات کے ۲۴ گھنٹے ختم ہو گئے پھر ایک دن ختم ہوا دوسرا ختم ہوا تیسرا ختم ہوا اسی طرح سلسلہ جاری رہا اور ساری عمر ختم ہو گئی شاید ذکر اللہ کا وقت مرنے کے بعد آئے گا۔

اصلاح باطن کی ضرورت

تو صاحبو سمجھ لیجئے کہ مرنے کے بعد ذکر اللہ کا وقت نہیں آئے گا اس وقت تو حسرت اور افسوس کرنے کا وقت آئے گا مگر اس وقت کی حسرت اور افسوس سے کچھ فائدہ نہ پہنچے گا اگر یہ بھی ہوتا کہ خیر وقت ضائع کیا گیا کچھ اس کا وبال آئندہ کے لئے نہ رہتا تو چنداں ملامت نہ تھی مگر یہاں تو معاصی کے خیالات میں وقت

صرف ہوا ہے جس کا وبال آئندہ کے لئے باقی ہے جس سے پیچھا چھوٹنا مشکل ہے ذکر اللہ سے محرومی رہی اور وبال اور عذاب سر رہا نہایت افسوس کی حالت ہے یہ ان لوگوں کی حالت ہے جو شریعت کا نام لیتے ہیں اور گناہ سے پرہیز رکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہم شریعت کے متبع رہیں کہ ان کی نظر بھی صرف ظاہری تک پہنچتی ہے حالانکہ حق تعالیٰ باطن کو بھی دیکھتے ہیں اگر کسی نے ظاہری صورت درست کر ہی لی تو کیا ہوا اصل درستی تو باطن کی ہے صرف ظاہر کی درستی کی حالت تو یہ ہے۔

از بروں چوں گور کافر پر حلل
واندروں قہر خدائے عزو جل
از بروں طعنہ زنی بر بایزید
وز دروںت ننگ می دارد یزید

ظاہر کی درستی کی مثال تو ایسی ہے جیسے کافر کی قبر کہ باہر سے اچھے اچھے لباس سے آراستہ ہے اور اندر اس کے اللہ تعالیٰ کا قہر اور غصہ نازل ہو رہا ہے صرف ظاہر کو اچھا رکھ کر بایزید پر بھی طعنہ زنی کرتا ہے حالانکہ باطن تیرا ایسا ہے کہ اس کو دیکھ کر یزید تک کو شرم آئے۔

یہ وہ حالت ہے کہ دیکھنے والے تو سمجھتے ہیں بڑے دیندار ہیں متشرع ہیں پرہیز گار ہیں۔ اللہ والے ہیں اور حقیقت میں نہ دیندار ہیں نہ متشرع معاصی سے دل بھرا ہوا ہے اس میں اللہ کی یاد کہاں حیف ہے کہ صورت ایسی اور سیرت ایسی کہلاتے ہیں اللہ والے اور اللہ تعالیٰ کے نام کا وہاں گزر ہی نہیں اللہ کی یاد کسی وقت بھی دل میں نہیں دوسری ہزاروں چیزیں دل میں بھری ہوئی ہیں یہ تحقیق تو امر ثانی یعنی تعلق مع اللہ کی جو کہ اصل ہے جس کا حاصل ہوا اللہ کی یاد اب رہا دوسرا امر یعنی امراض باطنہ کی تحقیق سو سمجھنا چاہیے کہ گو امراض بے شمار ہیں لیکن ان سب کی اصل مشاہدہ و تجربہ سے صرف ایک ہے یعنی غفلت عن اللہ جو کہ اس تعلق مذکور کی ضد ہے اور اسی سے جوڑ سمجھ میں آگیا ہوگا ان دونوں امروں

یعنی اصل چیز ہے تعلق مع اللہ جب یہ نہ ہو گا تو اس کی ضد یعنی غفلت ہو گی اور وہ اصل ہے جمیع امراض باطنہ کی پس تعلق مع اللہ کے احکام و آثار معلوم ہونے سے تمام امراض کی تحقیق ہو گئی اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ خود غفلت اور امراض میں بھی علاقہ اصل و فرع کا ہے یعنی ان دونوں میں سے ایک اصل ہے اور ایک فرع اصل کیا ہے؟ غفلت اور فرع کیا ہے باقی امراض یعنی غفلت ہی منشا ہے جملہ امراض کا تو اور امراض سے پہلے اس کے علاج کی طرف توجہ ضروری ٹھہری اور معلوم ہے کہ علاج بالضد ہوا کرتا ہے اور غفلت کی ضد ہے یاد تو یاد کو اختیار کرنا چاہیے اور یاد سے مراد کسی لفظ کو زبان سے رٹنا نہیں ہے کیونکہ صرف لفظ زبان پر لانے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا دیکھو لڈو میٹھی چیز ہے لیکن لڈو لڈو زبان سے رٹنے سے کبھی منہ میٹھا نہیں ہو گا خواہ ساری عمر اسی میں گزر جائے اسی کی نسبت کہا ہے۔

میم و واؤ میم و نون تشریف نیست
لفظ مومن جز پئے تعریف نیست

مومن کا لفظ زبان سے کہہ لینے سے آدمی مومن نہیں ہو جاتا جیسا کہ لڈو کا لفظ زبان سے کہنے سے منہ میٹھا نہیں ہو جاتا منہ میٹھا جب ہی ہو گا جب بجائے لفظ اور اسم کے لڈو کا مسمی منہ میں آئے گا معلوم ہوا کہ خالی الفاظ کافی نہیں اسی واسطے کہا ہے کہ میم و واؤ و میم و نون کہنے سے مومن نہیں ہوتا اور فرماتے ہیں۔

مست ولا یعقل نہ از جام ہو
اے زہو قانع شدہ بر نام ہو

یعنی تو خدا کا نام صرف زبان سے لیتا ہے اور اس پر قناعت کئے ہوئے ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ تو ابھی جام محبت سے سرشار نہیں ہوا ہے ورنہ مست اور مدہوش ہو جاتا تو نے صرف لفظ کو رٹا ہے اس لئے جو حالت محبت والے کی ہوا کرتی ہے وہ نہیں پیدا ہوئی وہ نشہ اس لئے سوار نہ ہوا کہ تو نے صرف نام سیکھا

ہے اور کام نہیں کیا اور اس سے علاقہ نہیں پیدا کیا تجھ کو محبت والا اور عاشق اور اللہ والا کیسے کہا جائے اگر صرف الفاظ کافی ہوا کریں تو الفاظ کے درجہ میں تو شیخ چلی نے بھی شادی کرلی تھی اور بچے بھی ہو گئے اور وہ ایک منٹ میں غارت بھی ہو گئے اور نرے خیال کی دوسری مثال یہ سنو۔

نرا خیال کافی نہیں

ایک طالب علم سے ان کے دوست نے پوچھا آج کل کیا شغل ہے؟ کہنے لگے یہاں کی شہزادی سے نکاح کرنے کی فکر میں ہیں ان دوست نے پوچھا پھر کیا ہوا؟ کہنے لگے آدھا سامان تو ہو گیا آدھا نہیں ہوا پوچھا کیسے۔ کہنے لگے کہ ہم تو راضی ہیں وہ راضی نہیں۔ مطلب یہ کہ نکاح کے دو جزو ہیں ایجاب اور قبول ہم ایجاب کرنے کو تیار ہیں اس کے قبول کی دیر ہے۔

کیا اس خیال باندھ لینے سے شہزادی مل گئی نرے قال اور نرے خیال کی بس ایسی ہی مثال ہے حاصل یہ ہے کہ نرا خیال کافی نہیں ہے ہاں یہ دوسری بات ہے کہ خیال بھی بے کار چیز نہیں اس سے یہ فائدہ ہے کہ اس کی مزاولت سے استحکام ہو جاتا ہے چنانچہ اول ہر کام کا خیال ہی پیدا ہوتا ہے پھر کام شروع ہوتا ہے پھر اس شروع کے بعد تکمیل ہوتی ہے پھر اس تکمیل پر نتیجہ اور غایت کا ترتب ہو جاتا ہے جیسے نکاح کہ اول دل میں خیال پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ذرائع اختیار کئے جاتے ہیں پیغام دیا جاتا ہے طرفین سے رضامندی ہو جاتی ہے پھر ایجاب و قبول ہو جاتا ہے بس نکاح کا وجود ہو گیا پھر خدا نے چاہا تو توالد و تناسل ہوتا ہے یا کاشتکاری ہے کہ اول خیال پیدا ہوتا ہے پھر زمین تلاش کی جاتی ہے پھر معاملہ طے کر لیا جاتا ہے اور کام شروع کر دیا جاتا ہے پھر اس کی تکمیل پر پیداوار ہو جاتی ہے۔

خیال خود مقصود بالذات نہیں

تو خیال بھی ایک درجہ میں مفید چیز ضرور ہے مگر اس کے مفید ہونے میں یہی

شرط ہے کہ مقرون بالعمل ہو جاوے یعنی خیال وہی مفید ہے جس کے بعد کام بھی شروع کر دیا جاوے بلفظ دیگر خیال مقصود بالذات چیز نہیں بلکہ ذریعہ ہے مقصود کا اور ذریعہ اس وقت کار آمد ہوتا ہے جب کہ مقصود کے حاصل کرنے کے لئے استعمال کیا جائے مثلاً سیڑھی کہ ذریعہ ہے چھت پر چڑھنے کا تو سیڑھی کا بنانا درست ہے اور ضروری ہے لیکن اسی شرط سے کہ چھت پر چڑھنے کے کام میں لائی جائے نہ یہ کہ سیڑھی بنا کر احتیاط سے گھر میں رکھ لی جائے اور اس کو مقفل کر دیا جائے اور کبھی اس کو استعمال نہ کیا جائے یا بہت سی سیڑھیاں بے ضرورت بنا بنا کر گھر میں رکھ لی جاویں۔

علی ہذا خیال بھی گو کار آمد چیز ہے مگر خود مقصود بالذات نہیں بلکہ ذریعہ ہے کام کا تو اسی درجہ تک اس کو اختیار کرنا چاہیے جس درجہ تک کام کے وجود میں اس کو دخل ہے اور اس کا معیار یہ ہے کہ وہ مقرون بالعمل ہو دیکھئے کاشتکاری کا خیال پیدا ہوتا ہے یہ مفید ہے لیکن اسی وقت جب کہ اس کے بعد کام شروع کر دیا جائے زمیندار سے کاغذ پٹہ لکھوایا جائے بیج بہم پہنچایا جائے بیل خریدے جائیں پانی دینے کا انتظام کیا جائے تخم ریزی کی جائے پھر جب کھیتی پیدا ہو جائے تو اس کی حفاظت کا سامان کیا جائے اب امید ثمرہ کی ہو گی تو یہ خیال مفید ہوا مگر اسی وجہ سے کہ مقرون بالعمل ہو گیا اور اگر صرف خیال ہوتا یعنی اس کے بعد عمل نہ شروع ہوتا تو بے کار تھا گو تمام عمر اسی میں گزر جاتی غرض خیال کار آمد اسی وقت ہے کہ بعد اس کے عمل بھی ہو۔

یاد اور خیال میں فرق

اور یہ بھی یاد رہے کہ عمل جب ہو سکتا ہے جب علم ہو اور علم حاصل ہو سکتا ہے سیکھنے سے اور کسی کا اتباع کرنے سے تو حاصل یہ ہوا کہ خیال اس وقت مفید ہے کہ اس کے ساتھ عمل اور اتباع کسی محقق کا ہو ہر خیال کی یہی حالت ہے پس اسی طرح اللہ کا خیال بھی ہے کہ وہ جب مفید ہے کہ کام بھی شروع کر دیا

جائے اور یہ نہ ہو تو نرے خیال سے مقصود حاصل نہیں ہوتا وہ مقصود کیا ہے تعلق مع اللہ جو صرف یاد سے حاصل ہوتا ہے کیونکہ یاد اور خیال میں فرق ہے خیال تو وہ ہے جو شیخ چلی نے باندھا تھا اور یاد وہ ہے جو دن رات آپ کے محاورات میں موجود ہے آپ کے دوست کا خط آتا ہے کہ میاں تم نے تو ہم کو بھلا دیا کبھی ملتے نہیں خط نہیں بھیجتے کبھی ہم کو بلاتے نہیں کیا آپ اس کے جواب میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے بھلایا نہیں ہر وقت تمہارا خیال دل میں رہتا ہے اس جواب کو کوئی تسلیم نہیں کرے گا بات کیا ہے؟ وہی کہ خیال کو یاد نہیں کہتے خیال اور یاد میں فرق ہے مجھے اس کی شرح کرنے کی اور فرق بتلانے کی ضرورت نہیں اس مثال سے بخوبی سمجھ میں آگیا ہو گا کہ دونوں میں فرق ہے۔

ثابت ہوا کہ خدا کے اس خیال میں جس کو تصور کہتے ہیں اور اس میں جس کو یاد کہتے ہیں فرق ہے اور حکم کیا گیا ہے یاد کا چنانچہ ارشاد ہے اُذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا (یاد کرو اللہ کو بہت زیادہ) تو مجرد خیال سے کام نہ چلے گا بلکہ یاد کرنے کی ضرورت ہے اور چونکہ یاد میں دوام کی ضرورت ہے اس لئے یاد کرنے کی جگہ یاد رکھنے کا لفظ زیادہ موزوں ہو گا تو معنی یہ ہوئے کہ حق تعالی کو یاد رکھو اور بہت یاد رکھو یعنی کسی وقت مت بھولو اور جس طرح دوست کے یاد رکھنے کے یہ معنی ہیں کہ ہر کام میں اس کو یاد رکھو جس کی علامت یہ ہے کہ کوئی کام ان کے خلاف مرضی نہ کرو اسی طرح یاد حق کے معنے سمجھو اسی کو خیال مقرون بالعمل کہا جاتا ہے۔

غفلت کا علاج

دیکھو اذکروا اللہ کے بعد وسبحوہ بھی ہے کیا معنی کہ صرف ذکر ہی پر کفایت نہ کرو تسبیح بھی کرو ظاہر ہے کہ تسبیح از جنس عمل ہے تو یہ معنی صاف طور سے نکل آئے کہ خیال مقرون بالعمل ہونا چاہیے تو خدا کا خیال وہی معتبر ہوا جس کے ساتھ عمل بھی ہو جب یہ حالت ہے تو یہ بات کیسے مان لیں کہ خدا تعالی کی یاد یا خیال

ہمارے دل میں ہے جب کہ اس کے ساتھ عمل نہیں ایسی یاد تو غفلت ہی میں داخل ہے اور یہی غفلت اصل ہے تمام معاصی کی جس کو میں نے اوپر بھی عرض کیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے یہاں اسی غفلت کو ذکر فرمایا ہے کیونکہ مقصود علاج ہے اور اصل اور فرع میں سے علاج اصل ہی کا کرنا کافی ہوتا ہے جب اصل زائل ہو جاتی ہے تو جو مرض اس کی فرع ہیں وہ خود زائل ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَجِیْبُ الدُّعَاءَ عَنْ قَلْبٍ لَاہٍ یعنی حق تعالی وہ دعا قبول نہیں فرماتے جو غافل دل سے نکلی ہو اس میں مذمت ہوئی غفلت کی جس کا میں نے اب تک بیان کیا ہے اس لئے اس کے مزید بیان کی تو حاجت رہی نہیں اب صرف یہ سمجھنا رہ گیا کہ غفلت کے چند درجے ہیں بڑا درجہ تو یہ ہے کہ عین حالت طاعت میں بھی غفلت ہو جیسی ہماری حالت ہے کہ وہ اوقات میں تو غفلت ہے ہی عین طاعت کے وقت بھی غفلت ہی رہتی ہے سارا وقت غفلت ہی میں گزرتا ہے مثلاً نماز پڑھ رہے ہیں اور یہ بھی خبر نہیں کہ ہم کس کے سامنے کھڑے ہیں یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ رکوع سجدہ کیسے کیا کیا پڑھا اور کیا زبان سے دعا کی چونکہ عادت پڑ گئی ہے زبان سے الفاظ ادا ہو جانے کی اس وجہ سے قرات اور تسبیح پوری ہو جاتی ہے ورنہ اول کو تو یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ ہم کہاں ہیں ذرا سوچنے کی بات ہے کہ حاکم کا ادب تو یہ ہوتا ہے کہ حاکم اگر سامنے بھی نہ ہو تب بھی ادب کیا جائے چنانچہ حاکم کے مکان میں گھستے ہیں تو اس کی ہیبت کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ہاتھ پیر کانپنے لگتے ہیں قدم آگے کو نہیں بڑھتا حالانکہ حاکم اس وقت اس مکان میں نہیں ہے مگر یہ حالت ہوتی ہے کہ اس خالی مکان میں بھی اگر بیٹھتے ہیں تو چپکے بیٹھے رہتے ہیں غل مچانے کی بلکہ بولنے کی بھی ہمت نہیں ہوتی۔

یہ تو حاکم کی غیبت میں حالت ہوتی ہے اور جب حاکم سامنے ہوتا ہے تو اس

وقت تو کچھ نہ پوچھو کیا حالت ہوتی ہے ہوش و حواس درست نہیں رہتے بات منہ سے نہیں نکلتی اگر حاکم ان سے بات کرنا چاہیے تو جواب کے لئے زبان کام نہیں دیتی جب ایک ذرا سے حاکم کا ادب اور ہیبت یہ ہے تو خدائے احکم الحاکمین کا کیا ادب ہونا چاہیے اور کیا ہیبت ہونی چاہیے حاکم سے تو غیبت بھی ہو جاتی ہے خدا تعالیٰ سے تو غیبت بھی نہیں ہو سکتی اس کا مقتضا تو ضروری یہ ہونا چاہیے کہ ہر وقت آدمی ڈرتا کانپتا رہے معصیت تو بہت دور ہے بولنا چالنا بھی بند ہو جانا چاہیے لیکن اگر ایسا ہوتا تو دنیا کے کام سب بند ہو جاتے اس واسطے اس درجہ کی حضوری کا احساس کم کر دیا گیا ہے اور ایسا پردہ ڈال دیا گیا ہے کہ باوجودیکہ ہم جانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ حاضر و ناظر ہیں اور ان سے کسی وقت غیبت نہیں ہو سکتی لیکن اس کے مقتضاء کے درجہ کا اثر نہیں ہوتا اور وہ ادب اور ہیبت ہم پر طاری نہیں ہوتی خیر اگر ہر وقت اور اس درجہ تک بھی طاری نہ ہو تاہم کسی وقت اور کسی درجہ میں تو اس کا احساس ہونا چاہیے اگر ہیبت حضوری ہر وقت طاری نہیں ہوتی تو غفلت دوری بھی تو ہر وقت طاری نہیں ہونی چاہیے کوئی وقت تو ایسا ہونا چاہیے جس وقت غفلت محض نہ ہو اور حضوری کے آثار پیدا ہوں ایسا وقت وہی تجویز کر لو جس وقت ارادہ کر کے حضوری میں کھڑے ہوتے ہو یعنی جس وقت طاعت میں مشغول ہوتے ہو اس وقت تو حضوری میں گزارو اس میں تو آثار حضوری کے پیدا کر لو نماز پڑھنے کھڑے ہوئے ہو تو آموختہ سا تو نہ پڑھو اس وقت تو اتنا خیال کر لو کہ ہم کسی سے بات کر رہے ہیں اگر کسی معمولی آدمی سے بھی بات کرتے ہو تو اس کی طرف منہ کر کے بات کرتے ہو اور اپنے الفاظ کو سمجھ کر زبان سے نکالتے ہو اور اس کے جواب کی طرف کان لگائے رہتے ہو اور جو وہ کہتا ہے اس کو سمجھ کر جواب دیتے ہو اور اگر اس مخاطب سے تم کو خاص محبت ہوتی ہے تو اس سے بات کرنے میں اور اس کا جواب سننے میں مزہ آتا ہے اور چاہتے ہو کہ بات کو جلدی نہ ختم کرے جب ایک اپنے ہم جنس کے ساتھ یہ برتاؤ ہے تو سوچ لو خدائے احکم

الحاکمین اور سلطان المحبوبین کے ساتھ کیا برتاؤ ہونا چاہیے اور ان سے کس طرح بات کرنی چاہیے کیا اس کا یہی طریقہ ہونا چاہیے کہ جب سامنے پہنچے منہ پھیر کر تو کھڑے ہو گئے اور آموختہ سا یاد کر کے لے گئے وہ سب ایک سانس میں پڑھ کر ختم کر دیا یہ بھی پتہ نہ چلا کہ ہم نے کیا سنایا آموختہ بھی صحیح پڑھا گیا یا نہیں پھر یہ انتظار ہے کہ کہیں جلدی ختم ہو اور بھاگیں میں پھر کہتا ہوں کہ کیا خدا سے بات کرنے کا یہی طریقہ ہونا چاہیے ذرا انصاف کیجئے اور ذرا خدا سے ڈریئے خدا سے غفلت کرنا یہی خدا کی طرف پشت کرنا ہے نماز اس طرح پڑھنا کہ دل کہیں ہے زبان سے الفاظ نکل رہے ہیں یہی خدا کی طرف پشت کرنا ہے کبھی تو دل میں یہ سوچنا چاہیے کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔

غفلت کے درجات

غرض یہ غفلت کا بڑا درجہ ہے کہ طاعت کی حالت میں بھی غفلت ہو جس کو ہم بھی سمجھتے ہیں کہ حضوری کا وقت ہے حقیقت میں تو خدا تعالیٰ سے ہر وقت ہی حضوری ہے مگر خیر اور وقتوں کو چھوڑ کر اطاعت کے وقت تو غفلت نہ ہو۔

دوسرا درجہ غفلت کا یہ ہے کہ طاعت میں تو کچھ یاد ہو جاتی ہے مگر اور وقت میں نہیں ہوتی اس میں وہ لوگ بھی مبتلا ہیں جو ذاکرین کہلاتے ہیں ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ جس طرح زبان کا ایک شغل ہے ایسے ہی قلب کا بھی ایک شغل ہے یعنی زبان کا شغل ذکر لسانی ہے اور قلب کا شغل ذکر قلبی اور توجہ الی اللہ اور خدا کی یاد اور خدا کا خیال۔ سو اکثر ذاکرین زبان کو مشغول ذکر رکھتے ہیں لیکن دل کو مشغول نہیں رکھتے قلب کی غفلت میں یہ ذاکرین بھی مبتلا ہیں اس لئے ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ جیسے ذکر لسانی ضروری چیز ہے ایسے ہی ذکر قلبی بھی ضروری چیز ہے یعنی ہر وقت قلب کو حق تعالیٰ کی طرف متوجہ رکھنا چاہیے ضرورت کے وقت دوسری طرف خیال کر لینا جائز ہے لیکن بلا ضرورت غیر کا خیال نہ لاویں یہ مشغلہ تو نہ رکھیں کہ ہر وقت دل غیر اللہ ہی کے خیال میں لگا رہتا ہے اس سے دل کو فارغ

رکھنا چاہیے ضرورت کے وقت اگر خیال کسی طرف ہٹ جاوے خیر مگر اس کے رفع ہونے کے بعد تو فوراً پھر اسی طرف آجائیں اس ضرورت کے وقت دوسری طرف خیال کی اجازت دے دینے سے میں نے ساری دنیا کو سنبھال لیا اب کوئی یہ نہ سمجھے کہ مجھے ضروریات کا علم نہیں ہے صاحبو! مجھے بھی آپ کی طرح ضروریات کا علم ہے چنانچہ دیکھئے اس کی کس قدر رعایت کر دی گئی۔

حاصل یہ ہے کہ اصل چیز ذکر اللہ کو سمجھو غیر کا خیال اگر آوے تو بضرورت اور میں کہتا ہوں کہ اگر یہ عادت ہو جائے گی کہ غیر ضرورت کے وقت میں یعنی دنیا کے کاموں سے فراغت کے وقت میں خدا تعالیٰ کی یاد رکھو گے تو اس کا اثر ان شاء اللہ تعالیٰ یہ ہوگا کہ اس ضرورت کے وقت میں بھی یعنی دنیا کے کاموں میں مصروفیت کے وقت بھی خدا تعالیٰ کی یاد رہے گی اور یہ بات پیدا ہو جائے گی کہ ہر وقت اللہ ہی کی یاد دل میں بسی رہے گی غیر اگر دل میں آوے گا بھی تو اچٹتا اچٹتا جب ایک مکان میں کرایہ دار کو بسا دیا تو اب غیر آدمی اس مکان میں آتا ہے تو بطور مہمان کے آتا ہے مگر اب اس کا الٹا ہو رہا ہے کہ مکان پر تو غیر کا قبضہ ہو گیا ہے کرایہ دار اگر آنا چاہتا ہے تو اندر اپنا دخل نہیں کر سکتا بطور دیکھنے والوں اور تماشائیوں کے آتا ہے کہ ایک نظر ڈالی اور لوٹ گیا اس لئے ضرورت ہے کہ غیر کے قبضہ سے مکان کو نکالو اور اس میں اللہ کو بسا لو تاکہ دوسرا آوے تو ادب سے مہمان داخل آوے۔

اور میری اس تقریر سے یہ بات بھی سمجھ میں آگئی ہوگی کہ غیر سے تعلق رکھنے کو مطلقاً منع نہیں کیا جاتا تعلق کی اجازت دی جاتی ہے مگر اتنا ہی تعلق جتنا مہمان سے ہوتا ہے یا جتنا تعلق ایک اجنبی سے ہوتا ہے دیکھو ہمارے نوکر بھی گھر میں آتے ہیں مگر ادب سے آتے ہیں مکان پر قبضہ کرنے نہیں آتے اور نہ ہم پر حکومت کرنے آتے ہیں پس غیر اللہ کو دل میں لاؤ مگر اس طرح لاؤ میں یہ نہیں کہتا کہ غیر اللہ کو بالکل دل میں نہ لاؤ ضرورت سے لاؤ مگر اجنبیانہ اور عارضی طور پر

اصل رہنے والا دل کے مکان کا اللہ میاں کو بنا لو یہ فرق خوب یاد رکھنے کا ہے کہ اللہ میاں میں اور غیر میں اصلی اور عارضی کا فرق رکھو اب دیکھئے میں نہ دنیا چھوڑاتا ہوں۔ نہ کسی کام کو بند کراتا ہوں کام سب کرو مگر اصلی کام اپنا خدا کی یاد سمجھو دوسرا کام کیا اور اپنے اصلی کام میں لگ گئے اب ذرا غور کر کے دیکھ لیجئے کہ آپ کے دل کی کیا حالت ہے اللہ کی یاد میں اور غیر کی یاد میں جو فرق ہونا چاہیے آیا اس میں یہی فرق ہے یا نہیں کہ اللہ کی یاد بطور اصلی رہنے والے کے ہے اور غیر کی یاد بطور اجنبی آنے والے کے اگر یہ فرق نہیں ہے تو عنقریب ہی سر پکڑ کر رونا ایک وقت وہ آئے گا جس وقت حسرت ہو گی کہ ایک جلسہ کو بھی خدا کی یاد سے خالی کیوں چھوڑا تھا اس وقت اس کی تلافی کچھ بھی نہ ہو سکے گی اگر میں دنیا کو اور غیر کے خیال کو چھوڑاتا تب تو آپ کے پاس عذر تھا اور اب کیا عذر ہے میں تو کسی ضروری کام کو منع ہی نہیں کرتا بس یہ کہتا ہوں کہ اصلی اور عارضی کا فرق رکھو اللہ کی یاد کو غالب رکھو اور غیر کی یاد کو مغلوب وہی مثال نوکروں والی یاد کرو گھر کے کاموں کے لئے نوکروں کا گھر میں آنا ضروری ہے مگر ان کا گھر پر قابض ہو جانا ضروری نہیں نوکر نوکر کی طرح آویں گھر کے مالک بننے کو اور تم پر حکومت کرنے کو تو نہ آویں یہ موٹی بات ہے اس مثال کو خوب یاد کر لو مالک اور قابض دل کا اللہ میاں کو بناؤ اور غیر اللہ کو صرف نوکروں کی طرح آنے دو اور یہ بات اختیاری ہے واللہ ثم واللہ اختیاری ہے کوئی یہ نہ سمجھے کہ ہم سے ایسا نہیں ہو سکتا ہو سکتا ہے اور بہت آسانی سے ہو سکتا ہے ہم لوگ توجہ نہیں کرتے اور اس کو ضروری نہیں سمجھتے ورنہ بہت آسانی سے اس کا حاصل کرنا ممکن ہے کر کے دیکھو اس کے بعد کہنا یہ کیا مشکل ہے کہ یاد سب کی رکھو مگر خدا کی یاد کو غالب کر لو اگر اس کو بھی مشکل سمجھو تو ایک ڈنڈا سیڑھی کا اس سے نیچے اور ہے وہاں ہی تک چڑھ جاؤ اس سے بھی بام تک پہنچ جاؤ گے وہ یہ کہ خدا کی یاد دل میں بسانے میں شاید یہ عذر ہو کہ خدا کو دیکھا نہیں ہے نہ بعینہ نہ بنظیرہ اور ایسی بے دیکھی چیز

کی یاد بار بار آنا یا دل میں جمانا مشکل ہے اور ایسی چیز کی یاد میں ابتداء مزا بھی نہیں آتا تو دل کیسے اس کا خوگر ہو۔

دل سے مانع خیالات نکالنے کا عمدہ علاج

سو میں اس عذر کا بھی جواب دیتا ہوں اور ایک مزے دار چیز کا جس کی نظیر کو تم نے دیکھا بھی ہے پتہ بتاتا ہوں اس کی ہی یاد کیا کرو وہ کیا ہے تمہارا گھر جنت جہاں سے تم دنیا میں آئے ہو اس کو یاد کرو اس کی یاد تو مزے دار ہے اور اس کی نعمتوں کے نظائر دیکھے ہوئے بھی ہیں۔ ان کا خیال جم بھی جائے گا تم اس کو ایک دفعہ بقصد و اہتمام دل میں لاؤ گے تو دل اس کے مزے کی وجہ سے دس دفعہ اعادہ کا تقاضا کرے گا لیجئے اس میں تو بہت سہولت ہو گئی اگر خدا کی یاد ویسے نہیں بنتی ہے تو یوں چلو ابتداء اس سے کرو انتہا خدا کی یاد پھر ہو جائے گی۔

اس پر بھی شاید یوں کہا جائے کہ جنت بھی بہت دور ہے کیونکہ وہ آخرت ہے اور اس کا دور ہونا ظاہر ہے ذہن وہاں تک پہنچنے میں لنگڑاتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ تم کو دھوکا ہوا کہ جنت ایک مکان کا نام ہے دور نہیں البتہ اس کا ملنا کہ متعلق زمان کے ہے ضرور دور ہے پس زمان آخرت بیشک دور ہوا خدا جانے کتنی صدیاں ابھی باقی ہیں مگر مکان آخرت دور نہیں وہ مکان آسمان پر ہے اور یہ ثابت ہے کہ جنت موجود بالفعل ہے وَفِی السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ کے عموم میں وہ بھی داخل ہیں تو اب اس کے سوچنے میں تو کچھ دشواری نہیں یوں سوچا کرو کہ ہمارے سر کے اوپر آسمان میں جنت ایک جگہ ہے جو دنیا سے کہیں اچھی ہے دنیا اس کے سامنے کوئی چیز نہیں اس میں حوریں ہیں محلات ہیں۔ اشجار ہیں انہار ہیں یہ ایسی چیزیں ہیں کہ ان کا تصور آیا پھر دل اس کو چھوڑنے ہی کا نہیں اور بار بار یاد کرے گا۔ اور اس میں زیادہ سوچنا بھی نہیں پڑے گا کیونکہ سر کے اوپر موجود ہے بعید زمانی کا سوچنا البتہ مشکل ہوتا ہے سو وہ آخرت کا زمانہ گرچہ وہ بھی بہت بعید نہیں ہے کیونکہ جو چیز آنے والی ہے وہ ضرور آجاوے گی

اس کا بعد قابل لحاظ نہیں ہوتا مگر خیر وہ بعید سہی تم ایسی چیز کو سوچو جو اس وقت بھی موجود ہے صاحبو! دیکھئے کتنی آسانی ہو گئی جب خالی بیٹھو بجائے اس کے کہ اور فضول خیالات کے ساتھ دل کو مشغول رکھو یہ سوچا کرو کہ ہمارے اوپر ایک مکان ہے جس کا نام جنت ہے اس میں انگور ہیں حوریں ہیں نہریں ہیں طرح طرح کی نعمتیں ہیں اس خیال سے شوق پیدا ہو گا پھر یہ سوچو کہ ان چیزوں کے ملنے کا مدار اعمال پر ہے اعمال ہوں گے تو یہ چیزیں ملیں گی اور نہیں تو حسرت ہی حسرت ہو گی اس سے ہمت پیدا ہو گی اور قلب اور اعضاء مستعد ہو جائیں گے اعمال کے لئے جب اعمال ہوں گے تو خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے جنت کیوں نہ ملے گی دیکھو کیسا سہل راستہ ہو گیا کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ جنت کا تصور کیا جائے پھر دل یہ نہ کہے کہ اس باغ کو اپنا بناؤ اور اپنا بنانا موقوف ہے اعمال پر پھر اعمال کی برکت سے خدا کے ساتھ تعلق پیدا ہو گا جب خدا سے تعلق پیدا ہو گیا اسی کا نام یاد خدا ہے لیجئے جنت کی یاد کیا ہوئی تمام بھلائیوں کی جڑ ہو گئی اور دل سے مانع خیالات نکالنے کا عمدہ علاج ہو گیا۔

دل سے خیالات مٹانے کی عمدہ تدبیر

اس طرح سے کہ جب دل میں دنیا کی کوئی چیز آوے تو فوراً" یہ سوچو کہ ہماری بی بی وہاں منتظر ہے کہ دیکھئے کب ملاقات ہوتی ہے سو مجھ کو ایسے کام کرنے چاہئیں جس سے یقیناً" ملاقات ہو جائے یہ خیال ایسا ہے کہ دوسرے سب خیالوں کو فوراً" دبا لے گا کیونکہ دنیا میں ایسا کوئی نہیں جس کو بی بی کا شوق نہ ہو اور وہ بی بی بھی کیسی جس کی صفت حدیث میں یہ آئی ہے کہ اگر اس کے دامن کا ایک کنارہ دنیا میں لٹکا دیں تو اس کی روشنی کے سامنے چاند سورج ماند ہو جائیں یہ تو ان کے کپڑے کی صفت ہے اور ان کے جسم کی یہ کیفیت آئی ہے کہ متعدد حلوں اور گوشت پوست اور ہڈی کے اندر سے گودا نظر آئے گا اس کی نظیر کہیں بھی دنیا میں ہے یا ہو سکتی ہے ایسی بی بی کا خیال ایسی چیز نہیں ہے کہ سرد سے سرد آدمی کو بھی

ایک دفعہ گرم نہ کر دے اور سست سے سست کو بھی اعمال کے لئے مستعد نہ بنا دے اس کے سامنے کوئی خیال دل میں نہیں رہ سکتا۔

لیجئے یہ آسان تدبیر ہے خیالات کے دل سے مٹانے کی اور لوگ ذکر اللہ کی تعلیم کرتے ہیں اور میں ذکر الزوجہ کی تعلیم کرتا ہوں مگر یہ کہے دیتا ہوں کہ اس کے بعد آگے بھی چلو زوجہ ہی تک نہ رہ جاؤ اور میرے اس کے کہنے کی کہ آگے کو چلو چنداں ضرورت بھی نہیں کیونکہ یہ زوجہ اپنی طرف کھینچے گی اور اس کی طرف کھینچنے کا راستہ صرف اعمال ہیں اعمال کے بغیر ہاتھ آ نہیں سکتی تو جس کو اس کا شوق پیدا ہو گا اس کو اعمال کا شوق پہلے پیدا ہو گا تو میں نے در حقیقت ذکر الزوجہ کی نہیں تعلیم کی بلکہ اس کی آڑ میں تمام اعمال کی اور تعلق مع اللہ کی تعلیم کی ہے۔

امر تحریص

اور یہ تعلیم میں اپنی طرف سے نہیں کر رہا ہوں بلکہ حق تعالیٰ یہی تعلیم دے رہے ہیں حور قصور اور نعیم جنت کا ذکر کر کے فرماتے ہیں وَفِیْ ذٰلِكَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ یعنی یہ ایسی چیزیں ہیں کہ اس میں حرصا حرصی کریں حرصا حرصی کرنے والے۔

دیکھئے اس میں امر تحریص فرما دیا ہے حوروں کی حرصا حرصی کا لیجئے ذکر زوجہ کی تعلیم کا قرآن سے ثبوت ہو گیا پھر ان کے تصور کے ساتھ حق تعالیٰ کا تصور بھی پیدا ہو گا کہ ان نعمتوں کے دینے والے وہی ہیں پھر حق تعالیٰ کے اس تصور اور اعمال کی برکت سے یہ ہو گا کہ ان کا تصور مضمحل اور حق تعالیٰ کا تصور مستحکم ہوتا جائے گا یہاں تک کہ وہی رہ جائے گا یہی مقصود ہے تو ذکر الزوجہ کی تعلیم ذکر اللہ حاصل کرنے کے لئے ہوئی سائنس کی رو سے فلاسفی اس کی یہ ہے کہ آخرت کے تصور سے اعمال کی ہمت ہو گی اور اعمال سے قرب ہوتا ہے حق تعالیٰ کا اور اس پر حق تعالیٰ فضل فرماتے ہیں وہ فضل یہ ہو گا کہ وہ خود توفیق دیں گے اور آپ کے دل میں اپنی یاد پیدا کر دیں گے خوب کہا ہے۔

آب کم جو تشنگی آور بدست
تا بجو شد آبت از بالاؤ پست
تشنگاں گر آب جویند از جہاں
آب ہم جوید بعالم تشنگاں

پیاسے تو پانی کو ڈھونڈتے ہی ہیں پانی بھی پیاسوں کو ڈھونڈتا ہے بلکہ واقع یہ ہوا ہے کہ پیاسوں کی تلاش کے لئے پانی پہلے آیا ہے۔ چنانچہ آپ کی پیاس کے پیدا ہونے سے پہلے پانی پیدا ہوا ہے۔

حق سبحانہ تعالیٰ کا غایت کرم

ادھر سے فضل پہلے ہوتا ہے تب کچھ ادھر سے ہوتا ہے۔

خود بخود آں شہ ابرار بیری آید
نہ بزور نہ بزاری نہ بزری آید

یہ جو کچھ اپنے عمل آپ دیکھتے ہیں پہلے ادھر سے ارادہ دل میں پیدا کیا جاتا ہے اور توفیق ہوتی ہے پھر آپ کے ہاتھ سے ان کا ظہور ہو جاتا ہے اس ظہور سے آپ کا نام ان میں لگ جاتا ہے ارر آپ مستحق ثمرات کے ہو جاتے ہیں اس کی حقیقت سوائے اس کے نہیں کہ ان کو خود ہی کرم فرمانا اور کچھ دینا مقصود ہوتا ہے یہ غایت کرم ہے کہ آپ کی سعی کی نفی کر کے احسان بھی رکھنا نہیں چاہتے اور جو کچھ دیتے ہیں آپ کے کسب کا نام لگا کر دیتے ہیں بس عمل کے اسی درجہ کے اعتبار سے یہ حکم کیا گیا ہے کہ آخرت کے تصور سے اعمال کی ہمت ہوگی پھر حق تعالیٰ کا فضل متوجہ ہوگا اور وہ اپنا مقرب بنالیں گے یہ فلاسفی ہوئی ذکر آخرت کے نفع کی اور اس کی ضرورت تھی جس کی میں نے ہندی کی چندی کر دی۔

جو اس پہ بھی وہ نہ سمجھے
تو اس بت کو خدا سمجھے

مطلب یہ ہے کہ ہر وقت کا فضول دھندا ادھر ادھر کا چھوڑو صرف ضرورت

کے وقت کام میں اور کام کی ضرورت سے اس کے خیال میں لگ جایا کرو پھر جب وہ کام ہو جائے تو اس دھندے کو الگ کرو آخر مومن کو حق تعالیٰ کے ساتھ عشق کا دعویٰ ہے اور عشق کی خاصیت سب کو معلوم ہے کہ عاشق کا غیر کی طرف التفات کرنا محبوب کو کس قدر ناگوار ہوتا ہے

آج کل کی عاشقی

ایک قصہ اختتام مثنوی میں ہے کہ ایک عورت جارہی تھی ایک شخص اس کے پیچھے ہو لیا اس نے مڑ کر دیکھا پوچھا کہ میرے پیچھے کیوں آتا ہے اس نے کہا میں تیرے اوپر عاشق ہو گیا ہوں اس نے کہا بیوقوف میرے اوپر کیا عاشق ہوتا ہے پیچھے میری بہن آرہی ہے وہ مجھ سے کہیں زیادہ خوبصورت ہے عاشق ہونا ہے تو اس پر عاشق ہو اس شخص نے پیچھے کی طرف دیکھا کہ وہ اس کی بہن کہاں آرہی ہے آج کل عاشقی ایسی ہی ہے یہ عاشق نہیں فاسق ہیں۔

وفا داری مدار از بلبلاں چشم
کہ ہر دم بر گلے دیگر سرایند

بلبلوں کی آنکھ سے وفاداری کی امید مت رکھ کہ ہر گھڑی ایک پھول کو چھوڑ کر دوسرے پھول کو چاہنے لگتی ہیں۔

جوں ہی اس نے مڑ کر دیکھا کہ عورت نے اس کے سر پر ایک دھول رسید کی اور کہا۔

گفت اے ابلہ اگر تو عاشقی
در بیان دعویٰ خود صادقی
پس چرا بر غیر افگندی نظر
این بود دعوائے عشق اے بے ہنر

اس نے کہا اے بیوقوف اگر تو عاشق تھا اور اپنے اس دعوے عشق میں سچا تھا تو پھر غیر پر کس لئے نظر ڈالی اے بے خبر کیا تیرا دعویٰ عشق یہی تھا؟

جب ایک عورت کو غیر کی طرف التفات کرنے سے اتنی غیرت آتی ہے تو خدائے تعالیٰ کو کتنی غیرت آوے گی دل تو حق تعالیٰ کا محل ہے اس میں وہ یہ نہیں پسند کرتا کہ غیروں کو بسا ہوا دیکھے۔

صاحبو! دل میں کسی کو بساؤ نہیں اگر اجنبی کی طرح آجاوے تو مضائقہ نہیں اجنبی کسی مکان میں ہر وقت نہیں آیا کرتا ضرورت کے وقت آتا ہے اور اجازت لے کر آتا ہے اس کا قبضہ مکان پر نہیں ہوتا بس یہی برتاؤ کرو ذکر اللہ اور غیر ذکر اللہ کے ساتھ بتائیے اس میں کیا دقت ہے میں مکرر کہتا ہوں کہ آخر اس تعلیم میں کون سی دشواری ہے ہاں ایک وجہ بیشک ہے دشوار ہونے کی وہ یہ کہ ہمارا خاصہ ہے کہ ہم پر وہ کام آسان ہوتا ہے جس کی غیروں کو بھی خبر رہے دکھلانا اور سنانا ہمارے کام میں گویا خمیر رہتا ہے ذکر اللہ بھی اگر آسان ہوتا ہے تو اسی صورت سے کہ الا اللہ الا اللہ پکار کر کہہ رہے ہیں زور زور سے ضربیں لگا رہے ہیں سارے محلے کو خبر ہو رہی ہے غرض ذکر بالجہر میں دشواری نہیں ہوتی ذکر خفی میں دشواری ہوتی ہے وجہ کیا ہے کہ جہر کو دوسرے سنتے ہیں اور خفی کو کوئی سنتا نہیں اسی طرح وضع قطع صورت شکل صلحاء کی سی بنالی ہے نیچا کرتا ہے پاجامہ اونچا کر لیا ہے یہ سب آسان ہے کسی میں دشواری نہیں دشواری ہے تو اندر کی اصلاح میں ہے کیونکہ اندر کی کسی کو خبر نہیں کہ گوہ بھرا ہے یا کیا کیونکہ اندر کو دوسرا شخص دیکھتا نہیں اندر کچھ ہی رکھیں مثلاً عورتیں جمع رکھیں یا رشوت اور سود بھر ارکھیں تو کسی کو کیا خبر ان سے اگر دل پاک کریں تو اس میں مشقت تو بہت اور محنت کی خبر کسی کو ہوگی نہیں تو نفس کہتا ہے کہ سر سے اتنی محنت بھی کی اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں تو ناحق گھٹ کر مرے بس یہ عمل اس وجہ سے دشوار ہو جاتا ہے اور اگر یہ بھی کسی طرح سے دکھا کر کیا جا سکتا تو اس میں بھی ذرا دشواری نہ رہتی یہ ہماری اسی خاصیت کا اثر ہے کہ ہم کو وہی کام آسان ہوتا ہے جس کی لوگوں کو خبر ہو اور جس کی لوگوں کو خبر نہ ہو وہ دشوار ہوتا ہے۔

پابندی اعمال میں حکمت

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہمارا جو عمل بھی ہے وہ سب مخلوق کے دکھانے کو ہے جتنا ظاہر ہم نے بنا رکھا ہے اور جو کچھ ضربیں لگاتے ہیں اور جو کچھ وضع قطع درست کر رکھی ہے وہ سب لوگوں کے دکھانے کے لئے ہے اور یہ بہت خطرناک بات ہے باطن کے عمل تو کرتے نہیں اس واسطے ان سے محروم رہے اور ظاہر کے کچھ عمل کرتے ہیں مگر وہ اس واسطے ضائع کہ ان میں للیت نہیں وہ دوسروں کے لئے ہیں لہذا اعمال سے مطلقاً" خالی رہے اور مزید برآں دکھلاوے کا گناہ سر پر رہا یہ حالت تو بعض وجوہ سے اس سے بھی زیادہ بری ہوئی کہ ظاہر کے اعمال بھی نہ کرتے اس صورت میں یہی ہوتا کہ اعمال سے محروم رہتے گناہ تو سر نہ ہوتا اب تو محرومی بھی ہے اور گناہ بھی سر رہا گو ریا کے ساتھ بھی اعمال کی پابندی میں یہ مصلحت ضرور ہے کہ اس سے اعمال کی عادت ہو جاتی ہے پھر عادت کے بعد ریا رخصت ہو جاتی ہے اور اس لئے محققین اعمال ریائیہ کے ترک کی بھی اجازت نہیں دیتے لیکن تاہم ریاء کے مذموم ہونے کا تو انکار نہیں کیا جا سکتا جس کی اس مقام پر شکایت کی جارہی ہے اور اگر کوئی خدا کا بندہ اعمال ظاہری میں ریاء سے پاک ہے اور اللہ ہی کے واسطے کر رہا ہے تو اس سے یہ سوال پھر بہت سہل ہے کہ اگر اعمال ظاہری کو اللہ کے واسطے کیا ہے تو اعمال باطنی میں کون چیز اس سے مانع ہے بلکہ اللہ کے واسطے کا تو وہاں مفہوم بطریق احسن ثابت ہے کہ اس میں مخلوق کی نمائش کا احتمال ہی نہیں پھر وہ تم کو کیوں دشوار ہوتے ہیں جب اعمال باطنی دشوار ہوتے ہیں اور اعمال ظاہری دشوار نہیں ہوتے تو اس سے تو صاف شبہ ہوتا ہے کہ اللہ کے واسطے کا دعوی غلط ہے بس جو کچھ ہے مخلوق کے دکھلانے کے لئے ہے۔

نفس کا ایک دھوکہ

یہاں نفس ایک اور دھوکہ دیتا ہے اور ریاء میں ایک مصلحت بیان کرتا ہے

وہ یہ کہ یوں تو اعمال میں بہت مشقت ہے اس کے سہل کرنے کے لئے ضرورت ہے بشاشت کی اور کسی کے سامنے ظاہر ہو جانے سے بشاشت ہو جاتی ہے اور عمل صادر ہو جاتا ہے اور اس سے دل نہیں اکتاتا اور اس لئے اس پر مداومت بھی ہو جاتی ہے۔

اس دھوکہ کا جواب یہ ہے کہ یہ مصلحت اس میں بیشک ہے مگر اس کی جڑ تو دیکھو کس قدر ناپاک ہے یوں مصلحت سے تو کوئی کام بھی خالی نہیں چوری میں بہت سی مصلحتیں ہیں کتنے آدمیوں کی روزی اس کی بدولت چلتی ہے لوہار تالے کیوں بناوے اگر چور نہ ہوں چوکیدار کس بات کی تنخواہ پائے اگر چور نہ ہوں پس اگر مصلحت مطلق پر نظر کی جاوے تو کوئی کام بھی محل منع نہیں ہو سکتا مصلحت سے اول نظر اصل مبنی اور منشاء پر کرنا چاہیے سو یہاں منشاء عمل کا اس قدر برا ہے کہ اس کو شرک خفی فرمایا گیا ہے اور وارد ہوا ہے کہ جب یہ ذکر و طاعت جو مخلوق کے دکھانے کے لئے کیا جاتا ہے قیامت کے دن پیش ہو گا تو کہہ دیا جاوے گا انہی سے انعام لو جن کے دکھلانے اور خوش کرنے کے لئے کیا تھا۔

ریاء کا انجام بد

دوسری حدیث میں اور مفصل آیا ہے کہ قیامت کے دن سب سے اول ایک شہید کو بلایا جائے گا اور پوچھا جائے گا کہ تم نے ہماری نعمتوں کا حق ادا کیا؟ عرض کرے گا کہ میں نے جان و مال سب آپ کے نام پر فدا کیا یہاں تک کہ جہاد کیا اور مارا گیا۔

جواب ملے گا کہ تو نے جان ہمارے واسطے نہیں دی قتل و قتال جو کچھ کیا تھا وہ صرف اس واسطے کیا تھا کہ لوگ کہیں بڑا بہادر ہے لوگوں کو سنانے اور شہرت کے لئے یہ کام کیا تھا فقد قیل (بس تحقیق کہا گیا) یہ شہرت ہو گئی اور جو مقصود تھا یعنی نام وہ دنیا میں حاصل ہو چکا اب ہم سے کیا چاہتے ہو حدیث میں ہے **فیومر به فلیسحب علی وجهه فیلقی فی النار** بس حکم ہو گا کہ لیجاؤ اس کو دوزخ میں ڈال دو

یہ شہادت کی جزا ملی۔

ایک مولانا بھی پیشی میں تشریف لائیں گے پوچھا جائے گا کہ آپ نے کیا کیا؟ عرض کریں گے میں نے ساری عمر آپ کی راہ میں صرف کی پڑھا اور پڑھایا دنیا کے لذات چھوڑ کر یہی کام کیا جواب ملے گا یہ کام ہمارے واسطے نہیں کیا اس واسطے کیا تھا کہ کہا جاوے کہ فلانا بڑا قاری یعنی عالم ہے بڑا مولوی ہے سو یہ غرض حاصل ہو چکی دنیا میں شہرت ہو گئی اب ہم سے کیا چاہتے ہو۔ فیو مربہ الخ

ایک سخی صاحب تشریف لائیں گے ان سے پوچھا جائے گا آپ نے ہمارے واسطے کیا کیا کہیں گے میں نے اپنا تمام مال آپ کی راہ میں خرچ کیا جواب ملے گا جھوٹا ہے ہمارے واسطے نہیں خرچ کیا بلکہ اس واسطے خرچ کیا کہ کہا جائے کہ فلانا بڑا سخی ہے فقد قیل یہ کہا جا چکا شہرت ہو چکی تمہاری غرض حاصل ہو چکی اب ہم سے کیا چاہتے ہو فیو مربہ الخ

یہ کیسے کیسے اعمال صالحہ ہیں مگر جزا کیا ملی جہنم یہ گت ہے دکھلاوے کی اسی واسطے کہا گیا ہے۔

کلید در دوزخ است آں نماز
کہ در چشم مردم گذاری دراز

جو نماز کہ لوگوں کے دکھلانے کو لمبی اور طویل کر کے پڑھی جائے وہ دوزخ کی کنجی ہے۔

نماز افضل الاعمال ہے اور اس پر جو کچھ اجر و ثواب موعود ہیں سب جانتے ہیں مگر وہ بھی کلید دوزخ بن جاتی ہے جب کہ اس میں قصد غیر اللہ کے خوش کرنے کا ہو۔

پر سکون زندگی

اس سے صاف طور پر ثابت ہو گیا کہ ہر فعل میں اس کے منشاء اور مبنی پر نظر کرنا چاہیے تو ذکر کے اظہار میں گو یہ مصلحت ہو کہ اس سے دل کو ابھار ہوتا

ہے اور بلا اس کے ذکر افسردگی کے ساتھ اور مردہ دل سے ہوتا ہے لیکن جب اصل منشاء اس کا ریاء ہوا اور غیر اللہ کو مقصود بنانا تو اس عارضی مصلحت پر حکم نہیں ہو سکتا اصل ہی کا حکم رہے گا اور بجائے ثواب کے ریاء کا گناہ ہو گا اسی طرح اپنے تمام افعال میں غور کرتے رہا کیجئے کیونکہ نفس کے بہت سے کید ایسے ہیں کہ وہ ایک عمل کو اچھی صورت میں دکھلاتا ہے اور حقیقت اس کی نہایت بری ہوتی ہے یہ اس دھوکہ کا جواب ہو گیا اور ریاء کا مذموم ہونا بحالہ رہا غرض اپنے اس خاصہ کو تبدیل کیجئے کہ آپ پر وہ کام آسان ہوتا ہے جس کی دوسرے کو خبر ہو اور جس کی دوسرے کو خبر نہ ہو وہ دشوار ہوتا ہے اور چونکہ ظاہر کی خبر دوسرے کو ہوتی ہے اس کی درستی آسان ہوتی ہے اور دل سے غیر اللہ کو خالی کرنا کسی کو معلوم نہیں ہوتا اس لئے وہ مشکل ہوتا ہے جب اس خاصہ میں کچھ تبدیلی کر لو گے اور یہ عادت چھوٹ جائے گی تو اس وقت اس تعلیم پر عمل کرنے میں کہ کام کے وقت اس میں مصروف ہو گئے اور اس کو ختم کر کے پھر قلب کو فارغ کر لینا کچھ بھی دشواری نہ رہے گی بلکہ اس وقت قدر معلوم ہو گی کہ اس میں کس قدر راحت ہے کہ کام کے وقت کام کیا پھر دل کو فارغ کر لیا اور سکون اور چین اور اطمینان اور فراغ کے ساتھ بیٹھے رہے اور اپنے اصل شغل یعنی ذکر اللہ میں لگے رہے اس میں یہ بھی فائدہ ہو گا کہ بہت سے اشغال جو کہ پریشانی کی اصل ہے بچے رہے صرف ایک شغل رہ گیا اور ایک شغل میں لگنا طبعاً اطمینان کا باعث ہے دوسرے ذکر اللہ خود اطمینان پیدا کرنے والی چیز ہے اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ اب فرمائیے اطمینان کی زندگی اچھی ہوتی ہے یا پریشانی کی۔

ذاکرین کے ایک مغالطہ کا جواب

یہاں ایک اور مغالطہ کا بیان کر دینا بھی ضروری ہے جس میں عوام و خواص سب ہی مبتلا ہو جاتے ہیں وہ یہ کہ جب غیر اللہ کی طرف التفات سے عمل خراب ہو جاتا ہے اور یہ داخل ریاء ہے اور بظاہر اس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ مثلاً ذکر

خفی کرنا دشوار ہو اور ذکر بالجہر دشوار نہ ہو تو یہ بات تو سب ذاکرین کو پیش آتی ہے کہ ذکر بالجہر میں لطف زیادہ آتا ہے اور دل نہیں اکتاتا اور ذکر خفی سے جلد دل اکتا جاتا ہے اور اس میں ایسا لطف نہیں آتا جیسا ذکر بالجہر میں آتا ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں دکھلاوے کا خیال موجود ہے اگر ایسا ہے تو اس کا تو سب پر برا اثر ہو گا کیونکہ ذاکرین تو اس کو ریاء سمجھ کر تنگی میں پڑ جائیں گے اور گو وہ ذکر کرتے رہیں گے مگر دل خوش نہیں ہو گا اور بشاشت نہیں پیدا ہو گی اور ریاء جیسے گناہ کا ڈر سر پر سوار رہے گا جس سے ہمت ان کی ٹوٹ جائے گی۔

یہ اثر تو سالکین پر ہو گا اور عوام پر یہ اثر ہو گا کہ ان کو بہانہ مل جاوے گا شرارت کا اور عمل کے چھوڑ دینے کا یوں کہیں گے کہ ہمارا عمل ریاء سے خالی ہو نہیں سکتا اور ریاء کے ساتھ عمل بیکار ہے اور مقبول نہیں تو عمل سے فائدہ کیا پھر کیوں مشقت میں پڑے چلو سہل چھوٹے آرام کرو کہاں کا جھگڑا۔

بشاشت کی دو قسمیں

سو سمجھ لیجئے کہ یہ مغالطہ ہے اور ایسے شبہات غلط فہمی سے پیدا ہوتے ہیں اس کو میں کھول کر بیان کرتا ہوں ذاکرین کے بہت کام کی بات ہے اور علمی قواعد پر منطبق ہے سمجھ لیجئے کہ بشاشت ایک طبعی ہے ایک عقلی تو اظہار عمل سے طبعی بشاشت کا ہونا کہ غیر اختیاری ہے ریاء نہیں بلکہ عقلی بشاشت کہ اختیاری ہے ریاء ہے اب سمجھو کہ ذکر جہر میں ایک خاصیت ذاتی ہے کہ اس میں بہ نسبت ذکر خفی کے زیادہ لذت ہے جیسے قلاقند میں گڑ سے زیادہ لذت ہے اور اس کا طبعی احساس ہونا کچھ مضر نہیں ہاں اس سے عقلی بشاشت اس لئے کہ دوسروں کو ہمارے عمل کی خبر ہو رہی ہے اور وہ ہم کو بزرگ سمجھیں گے یہ مضر ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ ریاء بیشک گناہ ہے مگر گناہ ہمیشہ فعل اختیاری سے ہوتا ہے ورنہ اس کے قائل ہوں کہ کوئی گناہ ایسا بھی ہے جو اختیاری نہیں یعنی اس سے بچنا اختیار اور قدرت

سے خارج ہے تو تکلیف مالا یطاق لازم آئے گی جس کی نفی آیت میں صراحت موجود ہے لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی برداشت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے) غرض یہ مسئلہ عقائد کا ہے کہ تکلیف مالا یطاق شریعت میں نہیں ہے نتیجہ یہ ہوا کہ ریاء سے بچنا خارج عن الوسع نہیں ہے۔

وسوسہ ریاء

تو یہ خیال تو غلط ہوا کہ کوئی عمل بدون ریا کے نہیں ہو سکتا باقی جو خیال ذاکرین کو پیش آتا ہے اور ان کو پریشان کرتا ہے وہ حقیقت میں ریاء نہیں بلکہ ریاء کا وسوسہ ہے اور گناہ ریاء ہے نہ کہ ریاء کا وسوسہ یعنی قصداً ریاء کرنا گناہ ہے نہ کہ ریاء کا بلا قصد آجانا جب قصد حق تعالیٰ کی رضا کا ہے اور خیال ریا کا آگیا تو کچھ پروا نہیں کرنا چاہیے اور مطلق پریشان نہ ہونا چاہیے اس سے کسی قسم کا نقصان عمل میں نہیں آتا بلکہ اس کشاکشی میں اجر بڑھتا ہے کہ شیطان چاہتا ہے کہ اس قسم کے خیالات اور وسوسے دل میں ڈال کر آدمی کو عمل سے روک دے مگر جب آدمی نہیں رکتا اور اس کشاکشی میں بھی کام کئے جاتا ہے تو اس کو ایک ثواب تو عمل کا ہوتا ہے اور ایک اس مجاہدے کا تو ذاکر کو اور خوش ہونا چاہیے کہ اتنی ہی دیر عمل کرنے میں ثواب دوہرا ہو گیا شیطان کوئی کسر انسان کے نقصان پہنچانے میں نہیں کرتا ہے لیکن اس سے بھی غلطی ہوتی ہے بسا اوقات وہ ایک کام کرتا ہے نقصان پہنچانے کے لئے اور ہو جاتا ہے اس سے نفع

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

اگر اللہ چاہے تو دشمن بھی بھلائی کا سبب ہو جاتا ہے۔

مسلمان کے لئے ہر حالت خیر ہے

اس لئے سالک کو کسی حال میں بددل نہیں ہونا چاہیے بس خدائے تعالیٰ پر نظر رکھنا چاہیے اس کو شیطان سے بھی نفع ہی پہنچتا ہے دیکھئے شیطان کے اس

نقصان پہنچانے کے قصد سے یوں نفع پہنچا کہ اجر بڑھ گیا مسلمان کے لئے تو ہر حالت خیر ہی ہے جیسے کسی پرانے ہندو نے کہا تھا کہ مسلمان بھی عجیب آدمی ہیں گھٹ جائیں تو فقیر مطلب یہ ہے کہ جب ان کے پاس کچھ نہیں رہتا تو فقیر بن جاتے ہیں اس میں بھی دو حالتیں ہوتی ہیں اگر خاموشی اختیار کرلی تو چپ شاہ ہو گئے اور جو واہی تباہی بکنا شروع کر دیا تو کہا جاتا ہے کہ یہ رموز ہیں حضرت کے سوا دوسرا کوئی نہیں سمجھ سکتا غرض گھٹ جائیں تو فقیر بڑھ جائیں تو امیر اور مر جائیں تو پیر یعنی لگے قبر پر چڑھاوے چڑھنے غرض ہر حال میں اونچے ہی۔

مسلمان کی یہ واقعی حالت ہے اگر فہم ہو تو اس کو کسی چیز سے نقصان نہیں پہنچتا اور مقصود سے اسے کوئی نہیں ہٹا سکتا یہ فہم کی غلطی ہوتی ہے کہ شیطان سے ڈر کر اس کے پیچھے ہو لیتا ہے اور خسارہ میں پڑ جاتا ہے۔

وسوسہ ریاء ریا نہیں

چنانچہ ذاکر کو بھی جب شیطان ذکر سے روکتا ہے تو محض وسوسہ سے اس کو پریشان کرتا ہے اور اس کو اتنی قدرت نہیں کہ کسی کو پکڑ کر عمل سے روک دے پس وہ اگر ذاکر ناداں ہے تو اس کو اس طرح نقصان پہنچ جاتا ہے کہ شیطان نے اس وسوسہ سے اس کو ڈرایا اور وہ دفع وسوسہ کے لئے اس کے مقابلہ کو کھڑا ہو گیا اور وسوسہ سے ڈر کر اس کے پیچھے ہو لیا پھر جتنی دیر اس کے پیچھے چلتا رہا اتنی دیر ذکر سے رہ گیا اس طرح شیطان کا کام بن گیا اور اس کی غرض حاصل ہو گئی کہ ذاکر کو اتنی دیر کے لئے ذکر سے روک دیا تو اے ذاکرین ہوشیار رہو اور خوب سمجھ لو کہ یہ بھی شیطان کا مکر ہے اور گہرا مکر ہے کہ تم کو وسوسہ سے ڈرا کر اپنا کام بنا لیتا ہے اس سے ہرگز مت ڈرو اور یاد رکھو کہ ذکر کرنے میں اگر ریاء کا وسوسہ آئے تو اس کی کچھ پرواہ مت کرو یہ وسوسہ ریاء کا ہے ریاء نہیں ہے اسی طرح اس کا محل قعر قلب نہیں حوالی قلب ہے اور قلب میں جو متوہم ہوتا ہے تو وہ اس کا عکس ہے۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے آئینہ کے اوپر کوئی مکھی بیٹھی ہو تو ایک مکھی آئینہ کے اندر بھی نظر آئے گی مگر وہ مکھی آئینہ کے اندر نہیں ہے بلکہ خلاف واقع ایک چیز نظر آتی ہے اس کو دیکھ کر وہ شخص جو آئینہ کی خاصیت کو نہیں جانتا یہ سمجھتا ہے کہ آئینہ کے اندر مکھی ہے چنانچہ بچوں کے سامنے جب آئینہ لاتے ہیں تو وہ اس کے اندر اپنا عکس دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ اس کے اندر ہمارا بھائی بیٹھا ہے اور خوش ہوتے ہیں اور اس کو پکڑنے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہیں وجہ اس کی یہی ہے کہ ان کو آئینہ کی اس خاصیت کی خبر نہیں کہ اس کے اندر باہر کی چیز کا عکس نظر آیا کرتا ہے جس کا وجود واقع میں کچھ بھی نہیں ہوتا۔

اور سمجھدار آدمی جو اس آئینہ کی خاصیت کو جانتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ اس کے اندر کچھ بھی نہیں ہے۔

تو اے سالکین! تم بچے مت بنو سمجھ لو کہ اس ریاء کا کچھ وجود نہیں ہے شیطان باہر سے عکس ڈال کر تم کو ڈراتا ہے اور چاہتا ہے کہ تم کچھ دیر کو اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور اس سے لڑنے میں اور دفع کرنے میں مشغول ہو جاؤ اور اتنی دیر ذکر سے رہ جاؤ یہ ایسا ہے جیسے ایک بچہ کے سامنے کوئی ڈراونی صورت آئینہ میں دکھائی جائے کہ وہ اس کو دفع کرنے میں اور اس سے لڑنے میں مصروف ہو جاتا ہے کبھی آئینہ کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے کبھی آئینہ کے پیچھے ہاتھ لیجاتا ہے مگر ہاتھ اس کے کچھ بھی نہیں آتا۔

اضاعت وقت سے بچنے کا طریقہ

اس اضاعت وقت سے بچنے کا طریقہ اگر ہے تو یہی ہے کہ کسی طرح اس کو سمجھا دیا جائے کہ یہ صورت جو آئینہ میں نظر آرہی ہے اس کا کچھ وجود نہیں اور یہ تجھ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتی اگر یہ بات اس کے ذہن میں آگئی تو اب وہ ہر طرح مطمئن ہو جا ہو جائے گا۔

اسی طرح یہ ریاء کی ڈراؤنی صورت جو تم کو نظر آتی ہے سمجھ لو کہ اس کا

کوئی وجود نہیں اور اس سے ذرا مت ڈرو یہ تمہارا کچھ نہیں کر سکتی یہ ایک خارجی چیز کا عکس ہے جو تمہارے دل میں نظر آیا ہے بس اطمینان سے بیٹھے رہو اور اپنا کام کئے جاؤ لیکن میں یہ بھی کہے دیتا ہوں کہ اس وقت باوجودیکہ اتنی کچھ شرح کر دی گئی اور اس کی حقیقت بتلا دی گئی مگر جس وقت سالک کو یہ مغالطہ پیش آتا ہے اس وقت اس سے نہ ڈرنا اور مطمئن و مستقل رہنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

شیخ کامل کی ضرورت

نیز بعض اوقات اس میں کچھ ریاء کا بھی حصہ ہوتا ہے سو اس امتیاز کے لئے بھی اور اگر وہ وسوسہ ہے تو اس میں تسلی کرنے کے لئے بھی دوسرے کی دستگیری کی ضرورت ہوتی ہے اس وقت کوئی دستگیر موجود ہو تو بڑا کام نکلتا ہے کیونکہ خود اپنی حالت کو سمجھنا آسان نہیں ہے اور شیخ کو بصیرت ہوتی ہے کیونکہ وہ بہت سے مغالطے دیکھ چکا ہے اور بہت سے گرم و سرد چکھ چکا ہے جو پریشانی تم کو پیش آتی ہے وہ بارہا پیش آچکی ہے اس کو بھی کسی صاحب بصیرت نے سنبھالا تھا بار بار تجربہ ہونے سے اس کو پوری بصیرت حاصل ہو گئی ہے تو وہ ہر حالت کو پہچانتا ہے کہ اسمیں کتنا حق اور کتنا باطل شامل ہے اور کتنی واقعیت اور کتنا دھوکہ ہے اور اپنے آپ اپنی حالت کو اگر کوئی شخص کسی وقت پہچان بھی لے لیکن اپنی تشخیص پر اطمینان نہیں ہو سکتا پوری پہچان اسی کو ہے جو بارہا تجربہ کر چکا ہے پھر اس کے ساتھ حق تعالیٰ کی مدد بھی شامل ہوتی ہے اس کا بتایا ہوا علاج سہل اور کامل ہوتا ہے پس مغالطہ کے وقت اپنی تجویز پر اطمینان نہ کرو اپنے مربی اور دستگیر سے مشورہ کرو اور سہل اور بے خطر طریقہ تو یہی ہے تاہم اس وقت کا بیان بھی بیکار نہیں کیونکہ کام کی بات کان میں پڑی رہے تو اچھا ہے اس واسطے اس مغالطہ کو حل کر دیا گیا اور طریقہ علاج کا بتلا دیا گیا اور اس کی پہچان بھی بتلا دی کہ دھوکہ کس صورت میں ہے اور واقعی گناہ کس صورت میں ہوتا ہے اس کا حاصل بعنوان دیگر یہ ہے کہ غور کر کے دیکھو کہ اصل بناء کار کیا ہے اگر عمل شروع اس واسطے کیا گیا

ہے کہ مخلوق دیکھے اور ہماری طرف نظریں اٹھیں تو یہ بیشک ریاء ہے اس سے ڈرو اور خدائے تعالیٰ کی غیرت کا خیال کرو دنیا میں کوئی بھی اپنے حق میں غیر کو شریک کرنا پسند نہیں کرتا تو خدائے تعالیٰ عبادت میں کسی کو شریک کرنا کیسے پسند کریں گے اور اگر اصل بناء کار مخلوق کو دکھلانا نہیں ہے بلکہ رضا حق مطلوب ہے اور اس پر بے اختیار مخلوق کا خیال طاری ہو گیا تو اس کو کچھ نہ سمجھو یہ ریاء نہیں ہے یہ ریاء کا وسوسہ اور خیال ہے اس کی کچھ پرواہ مت کرو اور اپنا کام کئے جاؤ یہ بحث درمیان میں آگئی تھی لیکن بہت کار آمد ہے اور یاد رکھنے کی باتیں ہیں اصل شکایت یہ تھی کہ صرف وہی عمل کیوں کئے جاتے ہیں جن پر مخلوق کی نظر پڑتی ہے وہ عمل کیوں نہیں کئے جاتے جن پر مخلوق کی نظر نہیں پڑتی بلکہ صرف خالق کی نظر پڑتی ہے یہ بات کیوں ہے کہ ظاہر کو بنایا جاتا ہے صلحاء کی سی صورت وضع قطع بنائی جاتی ہے میں یہ نہیں کہتا کہ یہ ظاہر کی درستی بری بات ہے بلکہ یہ بھی ضروری ہے مگر اس کے ساتھ یہ بات کیوں ہے کہ باطن کو نہیں سنوارا جاتا اس سے تو پتہ چلتا ہے کہ مخلوق کے دکھلانے کا خیال ہے یہی تو ریاء ہے ظاہر کو بناتے ہو اور دل کو محفوظ نہیں رکھتے (میں خود بھی اسی میں داخل ہوں کوئی یہ نہ سمجھے کہ میں دوسروں ہی پر اعتراض کر رہا ہوں بلکہ ایک واقعی حالت بیان کی جاتی ہے جو سب میں مشترک ہے پس ہم کو اصلاح کی ضرورت ہے) آخر اس کی کوئی وجہ ہے اس میں غور کرو اور ظاہر کی اصلاح بھی کرو اور باطن کی اصلاح بھی کرو اس طرح سے کہ دل کو اللہ تعالیٰ سے لگاؤ فضول دھندوں میں بے ضرورت نہ لگاؤ کام کے وقت کام میں لگو اور خالی وقت میں اللہ میاں کا دھیان لاؤ جنت کا دھیان لاؤ یہ تو آسان ہے موت تو یقینی چیز ہے روزانہ اس کے منظر آنکھوں کے سامنے رہتے ہیں اس کا تصور آنے میں کیا دقت ہے نیز جنت ایسی مزے دار چیز ہے کہ اس کے تصور سے بھی مزہ آئے گا اس کا تصور بہت آسانی سے آسکتا ہے خالی وقت میں اسی کو سوچا کرو کہ جنت میں یوں میوے ہیں یوں پانی ہے یوں مکان ہیں یوں حوریں ہیں اور گو ایک طریق

مقصود کا دوزخ کا مراقبہ بھی ہے مگر خیر آپ کو اس سے وحشت ہوتی ہے تو دوزخ کا ذکر نہ سہی جنت ہی کو سوچو دوزخی کیوں بنو گو احتمال ہی کے درجہ میں ہو جنتی بنو گو امید ہی کے درجہ میں ہو یہ بھی مقصود کے لئے مفید و کافی ہو جاوے گا۔

دوزخ پر ایک قصہ یاد آیا ایک امام تھے روڑکی میں وہ جمعہ کی نماز میں بڑی بڑی سورتیں پڑھا کرتے تھے گرمی کا موسم دھوپ میں لوگوں کو سخت تکلیف ہوتی تھی ایک دن کسی نے نماز کے اختصار کے لئے کہا تو کہنے لگے اب تم قیامت کے دن جہنم میں کس طرح رہو گے جب تم سے اتنی سی گرمی کی سہار نہیں ہوتی یہ حضرت لوگوں کو ابھی سے عادت ڈالتے تھے جہنم کی گرمی کی سہار کی گویا ان کے نزدیک سب جہنمی تھے جن کا جہنم میں جانا یقینی تھا اس واسطے ابھی سے گرمی کے برداشت کرنے کی عادت ڈالتے تھے مگر وہ خود بھی دھوپ میں کھڑے ہوتے تو ہم جانتے کیسے سہار ہوتی ہے شاید انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ وہاں بھی امام کی ضرورت ہوگی ہر گروہ کا ایک امام ہوگا یَقْدُمُ قَوْمَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فرعون کے بارہ میں وارد ہے کہ وہ اپنے گروہ کا امام ہوگا اور سب سے آگے جہنم میں جائے گا اگر یہ مقتدی جہنمی ہوں گے تو یہ امام صاحب وہاں بھی آگے ہوں گے اور سب کی امامت کریں گے اور آگے آگے دوزخ میں جائیں گے یہ حکایت بطور لطیفہ کے دوزخ کے لفظ پر یاد آگئی تھی ذکر یہ تھا کہ جنت کو سوچو دوزخ کو نہ سہی دوزخ کو ہم کیوں سوچیں جب ہمارا کام جنت ہی کے نام سے بن جاوے تو دوزخ کا نام کیوں لیں گو افعال تو ہمارے جہنم ہی کے ہیں جنت کی امید لگانا خیال خام معلوم ہوتا ہے مگر کیا کیا جاوے طبیعتیں ضعیف بہت ہیں دوزخ کے ذکر سے احتمال ہے کہ شاید بددلی پیدا ہو جائے۔

لہٰذا جنت ہی کے ذکر کو بتلایا جاتا ہے اور وہ بھی کافی اس طرح ہوگا کہ جب جنت کے مراقبہ سے اس کا شوق پیدا ہوگیا تو گناہ آپ ہی چھوٹ جائیں گے اور یہی مقصود ہوتا دوزخ کے ذکر سے کہ آدمی گناہوں سے توبہ کرلے اور اعمال صالحہ کی ہمت کرے جب یہ مقصود جنت کے ذکر سے حاصل ہے تو جہنم کے ذکر پر کیوں زور

دیا جائے بلکہ آج کل کی طبیعتوں کو دیکھتے ہوئے یہ تجربہ ہے کہ شوق دلانے والے مضامین سے زیادہ نفع ہوتا ہے بہ نسبت خوف دلانے والے مضامین کے اسی واسطے میں ترہیب کے مضامین زیادہ نہیں بیان کرتا ہوں ترغیب کے مضامین زیادہ بیان کرتا ہوں۔

خلاصہ بیان

غرض خلاصہ یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ سے تعلق زیادہ کرنے کی کوشش کرو دنیا کے ذکر فکر میں بھی رہو مگر اس کو عارضی کام سمجھو اپنا اصلی کام ذکر اللہ کو سمجھو اور اگر تعلق مع اللہ براہ راست پیدا نہیں ہوتا تو اسی طرح سہی کہ جنت کی یاد کیجئے اس کا شوق دل میں بھر جائے گا تو فضول چیزوں سے دل خالی ہو جائے گا جب دل فضولیات سے خالی ہو جائے گا تو اس میں استعداد ہو جائے گی خدا کی یاد بھرنے کی پس شوق جنت بھرنے سے فضولیات سے خلو ہو گا اور اس خلو سے خدا کی یاد بھرے گی جس طرح ایک بوتل میں ہوا ہے اس کو پانی سے بھر دیں تو ہوا سے خالی ہو جاوے گی اور پانی سے خالی کر دیں تو ہوا سے بھر جائے گی اسی طرح یہاں ایک ملاء سے دوسرا خلاء اور اس خلاء سے دوسرا ملاء حاصل ہو گا کیسی واضح مثال ہے اس سے بہت اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے کہ جنت کے ذکر سے کیا فائدہ ہے پس ذکر جنت مقصود اصل نہیں بلکہ اس واسطے اختیار کیا گیا ہے کہ اس سے ذکر اللہ کے حاصل ہونے اور غیر اللہ سے انقطاع ہونے میں سہولت ہو جنت کے ذکر سے حور کے ذکر سے انہار کے ذکر سے دل کو بھرو اس کے بعد وہ دولت جو اصلی مقصود ہے یعنی ذکر خدا بواسطے خلو عن الموانع کے وہ بھی دل میں بھر جائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ دیکھ لینا لیجئے میں نے جواہرات کو کوڑیوں کے مول کر دیا اب بھی کوئی ہمت نہ کرے تو اس کی قسمت۔

قلب کا اصل مرض

الحاصل اصل مرض قلب کا ذکر اللہ سے غفلت ہے جس پر ہم لوگوں کی نظر نہیں اسی کی مذمت فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث میں اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَجِیْبُ الدُّعَاءَ عَنْ قَلْبٍ لَاہٍ اللہ تعالی غافل دل کی دعا قبول نہیں فرماتے) اور عجیب عنوان سے مذمت فرمائی ہے کہ اس کی برائی کی حد بیان فرمادی کہ ایسی بری چیز ہے غفلت جس سے آدمی کی دعاء بھی قبول نہیں ہوتی حالانکہ دعاء عنداللہ سب سے احب ہے جس کا مقتضا تھا قبول ہوتا مگر یہ غفلت ایسی چیز ہے کہ اس میں بھی مانع ہو جاتی ہے اس کے ہوتے ہوئے دعا قبول نہیں ہو سکتی یہ کس قدر برائی ہے چھوٹے سے لفظ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی بڑی بات بیان فرما دی جو بڑے لفظ میں بھی بیان نہیں ہو سکتی تھی یہ ایسا ہے جیسے کوئی سنکھیا کی برائی ان لفظوں سے بیان کرے کہ سنکھیا آنتوں کو کاٹ دیتا ہے کہنے کو تو یہ ذرا سے لفظ ہیں ان میں یہ بھی نہیں کہا گیا کہ سنکھیا قاتل ہے اور اس سے انسان مرجاتا ہے صرف ایک ذرا سا اثر اس کا بیان کیا گیا ہے کہ آنتوں میں زخم ڈال دیتا ہے مگر یہ اثر ایسا ہے کہ اس کا انجام قتل ہی ہے گو آنتیں بدن میں عضو رئیس نہیں ہیں اور اس اعتبار سے اس کی یہ برائی کہ آنتوں کو کاٹ دیتا ہے کچھ زیادہ برائی میں داخل نہ ہونا چاہیے تھا بجائے اس کے یہ لفظ زیادہ موثر ہوتا کہ سنکھیا اعضائے رئیسہ کو خراب کر دیتا ہے لیکن در حقیقت وہی لفظ زیادہ بلیغ ہے کہ آنتوں کو کاٹ دیتا ہے اس وجہ سے کہ اعضائے رئیسہ کی بقا آنتوں کی بقاء پر موقوف ہے تو ان کو کاٹنے والی چیز اعضائے رئیسہ کو بطریق اولی خراب کر دے گی اسی طرح غفلت کا یہ نقصان بیان کرنا کہ اس سے دعا قبول نہیں ہوتی معمولی سی بات معلوم ہوتی ہے لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہت بڑا نقصان ہے جیسا عنقریب اس عنوان کی تفصیل میں آتا ہے۔

دعا کا مفہوم

سو اول دیکھنا چاہیے کہ دعاء کیا چیز ہے قرآن مجید میں غور کرنے سے معلوم

ہوتا ہے کہ دعاء کے دو معنے ہیں اور دونوں یہاں ممکن ہیں ایک معنی ہیں مانگنا اس معنی میں دعاء کا لفظ جا بجا آیا ہے اور عام و خاص سب جانتے ہیں کہ دعاء کے معنی مانگنا اور سوال کرنا ہیں اور دوسرے معنی ہیں عبادت چنانچہ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ (عبادت کرتے ہیں اللہ کے غیر کی) کے ساتھ کرتے ہیں اور حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَقَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِیْنَ (حکم دیا ہے تمہارے رب نے کہ مجھ کو پکارو میں تمہارے پکارنے کو قبول کروں گا جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ جہنم میں ذلیل ہو کر جائیں گے۔

اس آیت میں دعاء کا امر فرمایا اور اس پر ایک وعدہ فرمایا پھر عبادت کے ترک پر ایک وعید بیان فرمائی ظاہر ہے کہ اگر دعا عبادت دونوں ایک معنی میں نہ ہوں تو کلام غیر مربوط ہوتا ہے پس یہ قرینہ ہوا اس بات کا کہ دعاء اور عبادت سے ایک مراد ہے خواہ ادعونی کے معنی اعبدونی ہوں خواہ عبادتی بمعنی دعائی ہو اور گو اس میں دونوں احتمال ہیں کہ دعاء بمعنی عبادت ہو یا عبادت بمعنی دعاء ہو مجھ کو حق حاصل ہے ایک معنی لے لینے کا خصوصاً" جب دوسری اکثر جگہوں میں وہی معنی متعین ہیں یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ میں یقیناً اور تعیینا" دعاء عبادت ہی کے معنی میں ہے تو اس احتمال سے تائید ہوتی ہے اس بات کی کہ ادعونی بمعنی اعبدونی راجح ہے اس بنا پر اس حدیث لَا یَسْتَجِیْبُ الدُّعَاءَ عَنْ قَلْبٍ لَاہٍ میں بھی دعاء بمعنی عبادت ہو گی۔

دعا عبادت کا مغز ہے

اور اس مضمون کی مزید تائید بلکہ قریب قریب فیصلہ اس حدیث سے ہوتا ہے اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَۃِ اس میں دعاء کی ایک خاص فضیلت بیان فرمائی گئی ہے کہ دعاء مغز ہے عبادت کا یہ حدیث صریح ہے اس میں کہ دعاء افضل افراد عبادت ہے تو اگر دعاء عبادت نہ ہو تو اس حدیث کے کوئی معنی نہ ہوں گے تو ہر دعاء پر عبادت کا

صادق آنا ضرور ہے تو حدیث زیر بیان میں بھی دعاء پر عبادت صادق آوے گا تو اس صورت میں لا یستجیب الدعاء عن قلب لاہ کے یہ معنی ہوں گے لایقبل العبادۃ عن قلب لاہ یعنی حق تعالیٰ عبادت کو خواہ مطلق درجہ میں یا فرد خاص کے درجہ میں قلب غافل سے قبول نہیں فرماتے۔

بہر حال ان الفاظ میں دلالت ہے اس بات پر کہ عبادت قلب غافل سے قبول نہیں ہوتی اب دیکھئے کہ یہ کتنی بڑی مذمت ہوئی غفلت کی کہ غفلت کی وجہ سے انسان کی عبادت مطلقہ یا خاصہ قبول نہیں ہوتی حالانکہ انسان پیدا کیا گیا ہے عبادت ہی کے واسطے اصلی غایت خلق انسان سے عبادت ہی ہے جب وہی قبول نہیں تو انسان محض بیکار ہوا گویا انسان انسان ہی نہ رہا اس سے زیادہ کیا برائی ہو سکتی ہے۔

غفلت کی مذمت

دیکھ لیا آپ نے کہ غفلت کس قدر بری چیز ہے اور اس چھوٹے سے اور معمولی عنوان ان اللہ لایستجیب الدعاء عن قلب لاہ میں کتنا بڑا مضمون ادا ہوا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان پیدا ہوا ہے عبادت کے لئے اور غفلت مانع ہے اس کی صحت سے تو غفلت وہ چیز ہوئی جس سے انسان انسانیت سے نکل جاتا ہے۔

اب یہاں ایک شبہ ہو سکتا ہے وہ یہ کہ اس وقت کی تمام تر تقریر مذمت غفلت کا حاصل یہ ہے کہ کسی وقت بھی غفلت نہیں چاہیے حالانکہ ابھی یہ بھی کہا گیا ہے کہ غفلت قبول عبادت کے لئے مانع ہے یعنی قبول عبادت کے لئے عدم غفلت شرط ہے اس جملہ کا حاصل یہ ہے کہ جس وقت عبادت کی جائے اس وقت غفلت نہ ہونا چاہیے اور ظاہر ہے کہ ہر وقت عبادت نہیں کی جاتی تو ہر وقت غفلت کا نہ ہونا بھی ضروری نہ ہوا تو یہ حکم کہاں صحیح ہوا کہ کسی وقت غفلت نہیں چاہیے عدم غفلت کا شرط ہونا قبول عبادت کے لئے ایسا ہوا جیسا وضو کا ہونا شرط ہے صحت نماز کے لئے اور سب جانتے ہیں کہ وضو کا ہونا نماز کے وقت ضروری

ہے دوسرے وقت ضروری نہیں یہ کوئی نہیں کہتا کہ ہر وقت باوضو رہنا ضروری ہے اسی طرح یوں کہنا لازم ہو گا کہ غفلت کا نہ ہونا عبادت کے وقت تو ضروری ہے کیونکہ یہ عبادت کے قبول کا موقوف علیہ ہے اور دوسرے وقت ضروری نہیں جیسے وضو کا ہر وقت رہنا ضروری نہیں جواباً" عرض کرتا ہوں کہ حقیقت میں اس عنوان کا مقتضا تو یہی ہے یعنی جب یہ کہا گیا کہ عبادت قبول ہونا موقوف ہے غفلت کے نہ ہونے پر تو اس کے معنی یہی ہوں گے کہ عبادت ہی کے وقت اس کی ضرورت ہے دوسرے وقت ضرورت نہیں۔

دل کو خیالات سے خالی کرنا آسان کام نہیں

لیکن میرا یہ دعویٰ ہے کہ عبادت کے وقت یاد اور ذکر جب ہی ہو سکتا ہے جب کہ دوسرے وقت بھی غفلت نہ ہو یہ نہیں ہو سکتا ہے کہ آدمی کا دل تمام اوقات میں تو خیالات سے بھرا ہو اور جب نماز پڑھنے کھڑا ہو تو ان خیالات سے ایک دم دل کو خالی کر لے دل کو خیالات سے خالی کرنا آسان کام نہیں اس کے لئے بڑی مشق کی ضرورت ہے اور کچھ دیر پہلے سے تہیہ کرنا چاہیے اس پر بھی اگر کچھ کامیابی ہو جائے تو بڑی بات ہے تو اس کو وضو پر قیاس کرنا صحیح نہیں بلکہ قیاس مع الفارق ہے وہ فارق یہ ہے کہ وضو کے لئے دیر سے تہیہ کرنے کی ضرورت نہیں جس وقت نماز کا ارادہ ہوا دو منٹ پہلے ارادہ کر کے وضو کر لیا بخلاف ذکر اور یاد قلبی کے کہ اس میں یہ نہیں ہو سکتا کہ جب عبادت کا وقت آیا اس کو حاصل کر لیا ذکر قلبی صرف اس بات میں تو وضو کے مشابہ ہے کہ موقوف علیہ ہے قبول عبادت کے لئے لیکن اس بات میں مشابہ نہیں کہ جیسے وضو سہل کام ہے کہ عین وقت پر حاصل ہو جاتا ہے ایسے ہی یہ بھی سہل ہو اور عین وقت پر حاصل کر لیا جائے تو وضو پر اس کو قیاس کر کے یہ حکم اس پر جاری نہیں کر سکتے کہ جیسے وضو صرف عبادت کے وقت ضروری ہے اور دوسرے وقت ضروری نہیں ایسے ہی فراغ قلب اور ذکر صرف عبادت کے وقت ضروری ہو اور دوسرے وقت تو ضروری نہ ہو یہ

ذکر قلبی ایسی چیز ہے کہ جب دیگر اوقات میں بھی اس کی کوشش کی جائے تب ممکن ہے کہ کچھ عبادت کے وقت میں بھی حاصل ہو جائے۔

اس تقریر سے دونوں کا فرق سمجھ میں آگیا ہو گا اور راز اس کا یہ ہے کہ وضو امر حسی ہے اور جوارح کا کام ہے جب چاہا کر لیا اس پر پورا اختیار ہے علی ہذا وضو کا ٹوٹنا بھی اختیاری ہے گو اس درجہ کا اختیاری نہیں جس درجہ کا وضو کا کر لینا ہے مگر ہے تو اختیاری ہی چونکہ وضو وجودا" وعدما" اختیاری ہے اس واسطے کہہ سکتے ہیں کہ تمام وقت میں باوضو رہنا ضروری نہیں کیونکہ وضو کی ضرورت عبادت کے لئے ہے اور اس پر اس درجہ اختیار حاصل ہے کہ جب چاہیں کر سکتے ہیں تو عبادت کے سوا دوسرے وقت میں اس کی کیا ضرورت ہے اور ذکر امر قلبی ہے اور یہ تجربہ ہے کہ امر قلبی پر اتنا اختیار نہیں ہوتا جتنا فعل جوارح پر ہوتا ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ امر قلبی اختیار سے خارج ہے کیونکہ اگر اختیار سے خارج کہا جائے تو اس کا امر کرنا تکلیف مالایطاق کو مستلزم ہو گا قلب پر بھی اختیار ہے اور اسی بنا پر امور قلبیہ کی تکلیف دی گئی ہے لیکن وہ اختیار کالاضطرار ہے اس پر اتنا قابو نہیں ہوتا جتنا فعل جوارح پر ہوتا ہے تو فعل جوارح میں اور فعل قلبی میں فرق ہونا چاہیے اس واسطے کہا جاتا ہے کہ وضو ہر وقت کرنا ضروری نہیں صرف عبادت کے وقت کر لینا کافی ہے اور ذکر جو مقابل ہے غفلت کا اس کا ہر وقت کرنا ضروری ہے اس بھروسہ میں نہیں رہنا چاہیے کہ عبادت کے وقت کر لیں گے اب یہ ایسا ہو گیا جیسے اس شخص کی حالت ہے جس کا وضو دو گھنٹے سے کم میں نہیں ہوتا بعضے ایسے وہمی ہوتے ہیں کہ وضو میں ان کو بہت بہت دیر لگتی ہے ایسے آدمی کو کہا جائے گا کہ اس کو نماز سے دو گھنٹے پہلے تیار ہونا ضروری ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ کوئی حکم شرعی ہے کہ نماز سے دو گھنٹے پہلے وضو کرنا چاہیے حکم شرعی تو یہی ہے کہ نماز بلا وضو نہیں ہو سکتی تکبیر تحریمہ سے پہلے وضو ہونا ضروری ہے باقی اس شخص کو جو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ دو گھنٹے پہلے سے تیاری کرے اس کی وجہ یہ

ہے کہ اس کے لئے وضو وقت پر یعنی تکبیر تحریمہ سے پہلے موجود کر لینا مثل غیر اختیاری کے ہے گو واقع میں اختیاری ہے ایسے ہی اگر اس بات کو مان بھی لیا جائے کہ ذکر اور عدم غفلت صرف عبادت کے وقت ضروری ہے اور غیر اوقات میں ضروری نہیں لیکن ہماری حالت اسی شخص کی سی ہے جو وضو دو گھنٹے سے کم میں نہیں کر سکتا کیونکہ ہم عبادت کے وقت ایک دم دل کو فارغ نہیں کر سکتے اس واسطے ضرورت ہے کہ پہلے سے تیاری کریں اسی واسطے کہا جاتا ہے کہ اس بھروسے نہ رہو کہ عبادت کے وقت دل کو فارغ کر لیں گے اور غفلت کو دور کر دیں گے بلکہ عبادت کے سوا دوسرے اوقات میں بھی دل کو فارغ رکھو اور غفلت سے بچاؤ جب ایسا کرو گے تب کہیں عبادت کے وقت ذکر اور یاد ہو سکے گی اور غفلت نہ ہو گی یہ نہیں ہو سکتا کہ پہلے سے تیار نہ ہو اور عین وقت عبادت پر تیار ہو جاؤ اور سب خیالات کو دل سے مٹا دو ان وہمیوں کے وضو کی مثال سے سمجھ میں آگیا ہو گا کہ عبادت کے سوا دوسرے اوقات میں غفلت ترک کرنے اور ذکر حاصل کرنے کے لئے کیوں کہا جاتا ہے اس میں اتنا اور اضافہ کرتا ہوں کہ وہمی کے وضو کی تبلیت کے لئے تو ایک حد ہے مثلاً "دو گھنٹے کہ کیسا ہی وہمی ہو اتنے وقت میں وضو کر ہی لے گا لیکن ذکر کی تبلیت کے لئے کوئی حد نہیں کہ مثلاً" یوں کہا جائے کہ نماز سے گھنٹہ بھر پہلے یا دو گھنٹے پہلے غفلت کو چھوڑ کر ذکر میں لگو تا کہ نماز میں ذکر اور فراغ قلب حاصل ہو اس کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں کیا جا سکتا اور بجز اس کے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ ہر وقت قلب کو غیر اللہ سے اور فضول باتوں سے خالی رکھو جب ہر وقت اس کی کوشش کرتے رہو گے تب نماز کے وقت اس میں کامیابی ہو گی۔

ہر وقت ذکر اللہ کی ضرورت

نتیجہ یہی نکلا کہ ہر وقت ضرورت ہوئی ذکر کی اور توجہ الی اللہ کی کوئی وقت ایسا نہیں ہونا چاہیے جس میں ذکر نہ ہو اور غفلت ہو آپ کہیں گے اچھے بھلے کسی

وقت بھی فرصت نہیں. ذکر کی ضرورت تو تھی عبادت کے وقت مگر سارا وقت اسی میں آگیا یہ خیال آپ کا صحیح ہے ذکر اللہ کی حقیقت ہے تعلق مع اللہ اور تعلق مع اللہ واقعی ایسی ہی چیز ہے کہ اس سے کسی وقت فراغ نہیں ہو سکتا۔

بحرے است بحر عشق کہ ہیچش کنارہ نیست
اینجا جز آنکہ جاں بسپارند چارہ نیست

بحر عشق ایسا دریا ہے کہ اس کا کوئی کنارہ نہیں اس جگہ سوائے اپنی جان سونپنے کے کوئی دوسرا چارہ نہیں۔

یہ تو جنم روگ ہے اس سے کبھی پیچھا نہیں چھوٹ سکتا اور نہ پیچھا چھوٹنا چاہیئے ہم جو اس سے گھبراتے ہیں اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ یہ نعوذ باللہ کوئی گھبرانے کی چیز ہے بلکہ وجہ یہ ہے کہ ہم لوگوں کو حس نہیں ہے ہماری حس الٹی ہو گئی ہے کہ جو چیز گھبرانے کی ہے اس سے تو گھبراتے نہیں اور جو چیز گھبرانے کی نہیں ہے بلکہ تمام چیزوں سے بڑھ کر راحت کی چیز اور لذیذ ہے اور ہر چیز کی جان اور روح ہے اس سے گھبراتے ہیں صاحبو! یہ تعلق مع اللہ تو واقعی ایسی ہی چیز ہے کہ ایک لحہ کے لئے بھی اس سے خالی نہ ہونا چاہیے۔

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نہ باشی
شاید کہ نگاہ کند آگاہ نہ باشی

پلک جھپکنے کے برابر بھی شہنشاہ سے غافل مت ہو ممکن ہے کہ اس کی نگاہ لطف تجھ پر پڑتی ہو اور تجھ کو خبر نہ ہو۔

جن لوگوں کو یہ حس پیدا ہو گئی ان کے حالات پڑھیے کہ بات کرنے سے بھی وہ گھبراتے تھے اور ملنے جلنے سے بھی وہ گھبراتے تھے دیکھنے والا ان کو وحشی سمجھتا لیکن وہ ایسے وحشی تھے کہ تمام دنیا کے عاقل ان کے سامنے سر جھکاتے تھے یہ وحشت ان کی اس واسطے تھی کہ ان کی حس صحیح ہو گئی تھی گھبرانے کی چیز سے گھبراتے تھے اور انس کی چیز سے انس کرتے تھے انس کی چیز کیا ہے اللہ اور ذکر اللہ

سے انس رکھتے تھے اور گھبرانے کی چیز کیا ہے ماسوی اللہ اور ماسوی اللہ کا ذکر اس سے ان کو وحشت اور نفرت ہوتی تھی سو حضرت یہ جنم روگ بے شک آپ کے پیچھے لگ گیا مگر اس سے گھبرایئے نہیں بلکہ جس کو صحیح کر لیجئے پھر معلوم ہو جائے گا کہ یہ کس قدر راحت کی چیز ہے پھر اس وقت اگر کوئی آپ سے اس کو چھڑا دے گا تو آپ جان دینا پسند کریں گے مگر اس کو چھوڑنا پسند نہ کریں گے۔

وضو اور ذکر باہم مشابہت

غرض ذکر اللہ سے گھبرایئے نہیں بلکہ اس کو حاصل کیجئے ہر وقت نہ ہو تو اتنا تو ہو کہ عبادت کے وقت حاصل ہو لیکن جب عبادت کے وقت اس کا قصد کرو گے تب معلوم ہو گا کہ اس کا عبادت کے وقت حاصل ہونا بھی بلا اس کے مشکل ہے کہ دوسرے اوقات میں بھی اس کا شغل رکھا جائے۔

اور اس کو وضو پر قیاس نہ کرنے کی ایک اور وجہ سمجھ میں آئی وہ یہ ہے کہ وضو میں وضو کے مزاحم غالب نہیں ہوتے یعنی یہ نہیں ہوتا کہ جب ہم وضو کرنے بیٹھیں تو کوئی ہم کو ہاتھ پکڑ کر کھینچ لے بلکہ جب تک خود ہم ہی قطع وضو کا قصد نہ کریں وہ قطع نہیں ہو سکتا بخلاف ذکر کے کہ اس میں بدون ہمارے قصد کے بھی مزاحم غالب ہونے لگتے ہیں جن میں ہمارے قصد کو کچھ دخل نہیں ہوتا ہم تو چاہتے ہیں کہ ذکر قطع نہ ہو مگر قطع ہو جاتا ہے پھر شروع کرتے ہیں پھر قطع ہو جاتا ہے وضو میں ایسا کہاں ہوتا ہے کہ وضو کرنا شروع کریں اور بیچ میں رہ جائے پھر شروع کریں پھر بیچ میں رہ جائے غرض موقوف علیہ ہونے میں تو وضو اور ذکر باہم مشابہ ہیں کہ بلا وضو نماز نہیں ہو سکتی اور بلا ذکر عبادت قبول نہیں ہوتی لیکن ان دو وجہ میں باہم تخالف ہے کہ وضو اختیاری کامل ہے اور ذکر گو غیر اختیاری اور وضو کرنے میں مزاحم نہیں پیش آتے اور ذکر میں مزاحم پیش آتے ہیں اس واسطے یہ اجازت نہیں دی جاوے گی کہ جیسے وضو کا عبادت کے متصل ہو جانا کافی ہے ایسے ہی ذکر کا عبادت کے متصل موجود ہو جانا کافی ہو بلکہ یہ کہا جائے گا کہ ذکر کی ضرورت ہر

وقت ہے تاکہ غفلت کی عادت چھوٹے اور عبادت کے وقت ذکر حاصل ہو۔

ضرورت مشق ذکر

غرض ذاکر بننے کے لئے مشق کی ضرورت ہے ورنہ بدون مشق کے صرف یہی نہ ہو گا کہ دوسرے وقتوں میں غفلت ہو بلکہ یہ ہو گا کہ عبادت میں بھی غفلت ہو گی اور ذکر حاصل نہ ہو گا چنانچہ ہم لوگوں کی یقینی حالت یہ ہے کہ اول تو ذکر کی طرف توجہ نہیں اور اگر توجہ ہوتی ہے تو یہ حالت ہوتی ہے کہ ہم تیار ہوئے ذکر کے لئے اور دل کو متوجہ کیا مگر ذکر دل سے نکل گیا پھر متوجہ کیا پھر نکل گیا ذکر کیا کرتے ہیں ادھر سے ادھر بھاگے بھاگے پھرتے ہیں فرمائیے جب یہ حالت ہے تو کیسے مان لیا جائے کہ ہم کو عبادت کے وقت ذکر حاصل کر لینے اور غفلت کو دور کر دینے کی کامل قدرت ہے اور ہم کو ذکر کی مشق کی ضرورت نہیں ہے یہ مانا کہ ذکر جو بلا اختیار دل سے نکل جاتا ہے یہ عبادت میں مخل نہیں ورنہ آپ کہیں گے کہ غیر اختیاری چیز کی تکلیف دی جاتی ہے جس کو تکلیف مالایطاق کہا گیا ہے جو شریعت میں وارد نہیں ہے لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ ذکر کا دل سے نکل جانا اس وقت تو بلا اختیار ہے لیکن یہ شروع تو ہوتا ہے اختیار ہی سے یعنی ہم لوگوں نے عادت ڈال لی ہے دل کو ہر وقت فضول خیالات سے پر رکھنے کی یہ عادت ایسی طبیعت ثانیہ بن گئی ہے کہ اب اس کے چھوڑنے پر قریب قریب قدرت نہیں معلوم ہوتی تو یہ ذکر کا نکل جانا اس وقت بلا اختیار معلوم ہوتا ہے لیکن اس کا شروع تو اختیار ہی سے ہوتا ہے پھر غالب آ کر غیر اختیاری ہو جاتا ہے پس اس اختیار سے ابتداء کرنے پر نکیر کی جاتی ہے کہ اس عادت کو بدلئے اور بدلنا اختیار سے ممکن ہے جیسا کہ یہ عادت ڈالنا اختیار سے ہوا ہے اس کا ازالہ بھی اختیار سے ہو سکتا ہے اس واسطے اس کی تکلیف دی جاتی ہے۔

اب سمجھ میں آ گیا ہو گا کہ یہ تکلیف مالایطاق نہیں ہے یہ جو کچھ ہوا ہے تمہارے قصد سے اور پرواہ نہ کرنے سے ہوا ہے اور ایک بات قابل غور ہے کہ

وضو میں اول تو مزاحم پیش نہیں آتا اور اگر کوئی مزاحمت کرے مثلاً ہاتھ پکڑ لے اور وضو نہ کرنے دے تو ہم کو اس مزاحم کا موجود ہونا فوراً معلوم ہو جائے گا کیونکہ وہ محسوس چیز ہے ہم اس کو فوراً دفع کریں گے اور یہاں ذکر میں مزاحم بار بار پیش آتا ہے اور ہم کو فوراً معلوم نہیں ہوتا کیونکہ وہ محسوس چیز نہیں ہے تھوڑی دیر تک جب وہ اپنا اثر کر لیتا ہے تب ہم کو معلوم ہوتا ہے پھر ہم اس کو دفع کرتے ہیں پھر وہ اسی طرح اثر کرتا ہے کہ ہم کو خبر نہیں ہوتی پھر ہم خبر ہونے کے بعد اس کو دفع کرتے ہیں غرض اس مزاحم کا اثر ہم پر ہو ہی جاتا ہے کہ تھوڑی تھوڑی دیر کے لئے غفلت ہو جاتی ہے اور وضو میں یہ بات نہ تھی جیسے ہی مزاحم پیش آیا ہم نے دفع کر دیا اور وضو کر لیا تو وضو اور ذکر میں یہ بھی فرق ہو گیا کہ وضو میں بوجہ اطلاع ہو جانے کے مزاحم غالب نہیں آتے اور ذکر میں بوجہ اطلاع نہ ہونے کے غالب آجاتے ہیں۔

غرض ایک وہ فرق تھا کہ وضو فعل جوارح سے ہے اور ذکر فعل قلب فعل جوارح پر زیادہ اختیار ہوتا ہے بہ نسبت فعل قلب کے تو وضو پر تو پورا اختیار ہے اور ذکر پر اتنا اختیار نہیں تو ذکر پر اختیار حاصل کرنے کے لئے اہتمام اور پہلے سے تیار ہونے کی ضرورت ہے بہ نسبت وضو کے اور ایک یہ فرق ہوا کہ وضو میں مزاحم غالب نہیں آتے اور ذکر میں غالب آتے ہیں یہ بھی اسی کو مقتضی ہے کہ ذکر کے لئے زیادہ اہتمام اور پہلے سے تیاری کی جائے جب دونوں میں فرق ہے تو دونوں کے حکم میں بھی فرق ہو گا اب جواب ہو گیا اس بات کا کہ جب ذکر عبادت کی قبولیت کا موقوف علیہ ہے تو عبادت ہی کے وقت اس کا وجود کافی ہے ہر وقت اس کی کیا ضرورت ہے وہ جواب یہ ہے کہ یہ مانا کہ ذکر شرط فی العبادۃ ہے لیکن اس کی ضرورت ہر وقت ہے کیونکہ اس کا عبادت میں حاصل ہونا خود موقوف ہے دوام پر۔

ضرورت ہر وقت ذکر کی

دوسری ایک بات اور ہے اور وہ اسی وقت سمجھ میں آئی وہ یہ کہ مانا کہ ذکر کی ضرورت عبادت ہی کے وقت ہے مگر ہم پوچھتے ہیں کہ کیا عبادت کے لئے بھی کوئی وقت ہے تم نے عبادت کے معنی نماز پڑھنے ہی کے کیوں لے لئے عبادت کے معنی ہیں عبد شدن یعنی بندہ ہونا تو کیا اس کے لئے بھی کوئی وقت مقرر ہو سکتا ہے اگر اس کے لئے کوئی وقت ہے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ دوسرے وقت انسان عبد نہیں ہے اس وقت کیا ہو گا عبد تو ہے نہیں الہ ہو گا کیونکہ عبد کا مقابل تو الہ ہی ہے جب عبد نہیں تو پھر آلہ ہو گا۔

صاحب اگر آپ عبادت سے کسی وقت نکلنا چاہتے ہیں تو آلہ ہونے کا حوصلہ کیجئے کیا آپ اس کے لئے بھی تیار ہیں جیسے ایک گنوار کا قصہ ہے کہ وہ اپنے لڑکے کو میانجی کے پاس لے گیا اور کہنے لگا میانجی اسے قرآن پڑھا دو اور زیادہ نہ پڑھائیو کہیں لوٹ پوٹ پگمبر (پیغمبر) ہو جاوے ایک اور قصہ ہے کہ ایک کم ذات آدمی کسی جگہ جا کر پٹھان بن گیا اس کے بعد کوئی پٹھان پہنچا اس نے اپنے کو سید بتایا پھر کوئی سید پہنچا اس نے اپنے کو خدا کا بیٹا بتایا کسی نے پوچھا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کہنے لگا جب ایک کم ذات پٹھان بن گیا اور پٹھان سید تو سید سوائے اس کے کہ خدا کا بیٹا بن جاوے اور کیا کرے۔

تو حضرت جب آپ بندہ بننے سے نکلے تو پھر خدا ہی کا درجہ ہے اگر انسان بندہ بننے کے لئے نہیں ہے تو کیا خدا بننے کے لئے ہے پس عبادت سے کسی وقت مستثنیٰ نہیں ہو سکتا۔

انسان بندہ بننے کے لئے ہے

اس خدا بننے پر ایک واقعہ یاد آیا میں نے استاد رحمتہ اللہ علیہ سے موکل تابع کرنے کا عمل پوچھا تو فرمایا کیا کرو گے میں نے عرض کیا جی چاہتا ہے کہ موکل تابع ہو جائیں جس کام کو جی چاہا ان کے ذریعہ سے فوراً" ہو گیا فرمایا عمل تو اس قسم کے ہیں مگر میں پوچھتا ہوں کہ انسان بندہ بننے کے لئے ہے یا خدا بننے کے لئے

میاں خود تابع بن جاؤ خدا! کے بس یہی دولت ہے حکومت کر کے کیا کرو گے۔

عبودیت عجیب چیز ہے

واقعی عبودیت عجب چیز ہے دوسروں کو تابع بنانا بھی فضول ہے اور اگر کسی درجہ میں اس کی ضرورت بھی ہے تو اس کی تدبیر بھی یہی ہے کہ آدمی خدا کا بندہ بن جائے غالباً" حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہ کے وقت میں محدث محمد غوث بڑے عامل تھے گوالیار میں انہوں نے ایک بار شیخ کی اشتیاق زیارت میں موکلوں کو حکم دیا کہ حضرت شیخ کو یہاں اٹھا لاؤ موکل شیخ کے یہاں پہنچے تو دیکھا کہ حضرت نماز میں ہیں ان کی ہمت نہ پڑی کہ کچھ تصرف کر سکیں با ادب ایک طرف کھڑے ہو گئے سچ ہے۔

ہر کہ ترسید از حق و تقوٰے گزید

ترسد ازوے جن وانس و ہر کہ دید

جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرا اور تقویٰ اختیار کیا تو اس سے جن اور انسان اور ہر چیز ڈرتی ہے۔

جب حضرت فارغ ہوئے تو ان پر نظر پڑی پوچھا کیا ہے عرض کیا ہم اس واسطے بھیجے گئے ہیں فرمایا ہاں اچھا ہم حکم دیتے ہیں کہ ان کو ہی پکڑ لاؤ چنانچہ وہ لوٹ کر گئے اور ان کو پکڑنے لگے انہوں نے پوچھا یہ کیا کرتے ہو تم تو میرے تابع ہو وہ بولے بے شک مگر اوروں کے مقابلہ میں نہ کہ شیخ کے مقابلہ میں چنانچہ لا حاضر کیا۔

خدا کا نام وہ چیز ہے کہ ہر چیز کو مسخر کر لیتا ہے موکل تابع تھے کس کے اور کام دے رہے ہیں کس کو حضرت شیخ نے عامل صاحب سے پوچھا یہ کیا حرکت تھی عرض کیا حضرت کی زیارت کو دل چاہتا تھا فرمایا زیارت کا یہی طریقہ ہوتا ہے کہ نوکروں سے پکڑ کر بلواؤ پھر فرمایا کہ تم کس خرافات میں مبتلا ہو بندگان خدا کو مجبور کر کے اپنا محکوم کیوں بنا رکھا ہے ان کی آنکھیں کھلیں اور حضرت سے بیعت ہوئے

اور عملیات سے توبہ کی۔

ہروقت عبادت کی ضرورت

یہ حکایتیں خدا بننے کے لفظ پر یاد آگئی تھیں ذکر یہ تھا کہ انسان بندہ ہے کسی وقت خدا نہیں بن سکتا ہروقت بندہ ہی ہے پیدا اسی واسطے ہوا ہے کہ بندہ بنے اور بندہ بننے ہی کا ترجمہ ہے عبادت تو اس کے کیا معنی ہوں گے کہ عبادت کے لئے بھی کوئی خاص وقت ہے اس کے تو وہی معنی ہو جائیں گے کہ ایک وقت بندہ بننے کا ہے ایک وقت خدا بننے کا۔

غرض انسان ہروقت بندہ ہے اور ہروقت اس کو عبادت کی ضرورت ہے اور حدیث کا مضمون آپ نے سن لیا کہ عبادت غافل قلب سے مقبول نہیں ہوتی تو ثابت ہوگیا کہ ہروقت ہی ذکر کی ضرورت ہے اس طرح ثابت ہوگیا کہ غفلت کسی وقت جائز نہیں۔

پہلی تقریر کا حاصل تو یہ تھا کہ ذکر کی ضرورت عبادت ہی کے وقت سہی لیکن ذکر خود عبادت کے وقت بھی بدون اس کے نہیں ہوتا کہ دوسرے اوقات میں بھی اس کا اہتمام واستحضار رہے اس واسطے ضرورت ہوئی اس پر مداومت کرنے کی۔

عبادت اور ذکر دائمی مطلوب ہیں

اور اس تقریر کا حاصل یہ ہے کہ مانا ذکر صرف عبادت ہی کے وقت ضروری سہی مگر عبادت خود دائمی چیز ہے تو ذکر بھی دائمی مطلوب ہوا دونوں تقریروں میں امر مشترک یہ ہے کہ غفلت کسی وقت جائز نہیں اور خیال تو کیجئے کہ آیا خدا کے ذمہ زیادہ ضروری ہے کہ ہم کو یاد رکھیں یا ہمارے ذمہ زیادہ ضروری ہے کہ ہم خدا کو یاد رکھیں وہ خدا اور غیر محتاج اور ہم بندے اور ہروقت محتاج ظاہر ہے کہ ان کو یاد رکھنا ہمارے ذمہ زیادہ ضروری ہے وہ اگر ہم کو کبھی بھی یاد نہ کریں تو ان سے کون پوچھنے والا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ تو تم کو کسی وقت بھی نہیں بھولتے

اگر وہ ایک آن کے لئے بھی بھول جائیں یعنی رحمت کے ساتھ توجہ نہ فرماویں تو عالم درہم برہم ہو جائے پھر کیا اس کا یہی صلہ ہے کہ تم ان کو ہر وقت بھولے ہی رہتے ہو کتنی سخت بات ہے ذرا تو انصاف کرنا چاہیے کیا اس کا کوئی جواب ہو سکتا ہے۔

خلاصہ وعظ

خلاصہ تمام وعظ کا یہ ہوا کہ ہمارے اندر بڑا مرض غفلت کا ہے اور غفلت بھی کونسی محض فضول ادھیڑبن کی بدولت ان بے بنیاد باتوں میں دل لگائے رکھتے ہیں جن کا سر نہ پیر کہیں گذشتہ باتوں کو یاد کر رہے ہیں کہیں آئندہ کی وہ تجویزیں سوچ رہے ہیں جو واقع میں بھی نہیں ہو سکتیں اس کا نتیجہ یہ ہے کہ تمام وقت ضائع جارہا ہے حتی کہ عبادت کے وقت بھی ان خیالات سے دل خالی نہیں ہوتا اور ایسی عبادت موافق حدیث مذکور کے قبول نہیں ہوئی اس لئے یہ عبادت کا وقت بھی ضائع ہو گیا اسی طرح ساری عمر ختم ہو جاتی اور بیکار ضائع جاتی ہے اور سب سے غفلت ہوتی تو خیر غضب تو یہ ہے کہ سب سے تو غفلت نہیں بس غفلت ہے تو اللہ سے ہے اور تو سب کی یاد ہے اگر یاد نہیں ہے تو بس اللہ کی نہیں ہے اگر اللہ کی یاد دل میں نہیں رکھ سکتے تو اور ساری دنیا کو بھی بھلا دیا ہوتا تاکہ کہہ سکتے کہ ہم تو کسی کی یاد بھی نہیں رکھتے نہ ان کی نہ ان کی جیسے ایک ولایتی کا قصہ ہے کہ ہندوستان میں آیا اور ایک حلوائی کی دکان پر سے حلوہ اٹھا کر بھاگا لوگ اس کے پیچھے دوڑے تو جھٹ منہ میں رکھ کر فرماتے ہیں۔ جاؤ نہ ہمارا رہا نہ تمہارا تو یہ بھی ہوتا تو غنیمت تھا کہ نہ ہمارا خیال ہوتا نہ تمہارا نہ اللہ کی یاد ہوتی نہ کسی اور کی یہاں تو غضب یہ ہے کہ اللہ ہی کو بھلا رکھا ہے قلب سے اور دوسرے سارے جہان کو اس میں آباد کر رکھا ہے۔

صاحبو! ان سب کو چھوڑو اور اللہ کی یاد دل میں بساؤ اگر اس کی یاد براہ راست نہیں بنتی ہے تو بجائے اس کے کہ فضولیات کی ادھیڑبن میں رہو جنت ہی

کا تصور کیا کرو اور بیوی کا اور حور کا قصور کا اور کبھی اپنے قصور کا بھی اس سے اعانت ہو گی ذکر اللہ کے حصول میں اور غفلت کے دور ہونے میں بحمد اللہ اس وقت میں نے غفلت دور کرنے کی ضرورت اور اس کا طریقہ وغیرہ سب بتا دیا ہے اب میں ختم کرتا ہوں دعاء کیجئے کہ حق تعالی ہمارے قلوب کو غفلت سے نجات دیں اور اپنی یاد اور محبت سے پر کر دیں تاکہ سب امراض دفع ہو جاویں۔

خلاصہ

یہ کہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے غفلت کی مذمت بیان فرمائی ہے پس اس میں باطن کی اصلاح ہے انتہی (ملفوظ حضرت مولانا مدظلہ العالی) وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد وعلی الہ واصحابہ اجمعین واخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

التوجہ

ہمہ تن خدا کی طرف متوجہ ہونا

توجہ اللہ کے متعلق جامع مسجد تھانہ بھون میں ۹ جمادی الاخری ۱۳۳۱ ہجری دو گھنٹہ پانچ منٹ بیٹھ ارشاد فرمایا جسے مولانا محمد عبد اللہ صاحب نے قلم بند فرمایا۔ سامعین کی تعداد ۲۰۰ تھی۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

چند سوچا لیکن مطلق یاد نہ آیا صرف اس کے متعلق اس قدر یاد رہ گیا کہ میں نے اس مضمون کا لقب توجہ تجویز کیا تھا جیسا کہ گذشتہ جمعہ کے مضمون کو تنبہ سے ملقب کیا تھا اس لقب توجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی ایسا مضمون تھا جس کا یہ لقب ہو سکتا ہے اور وہ مضمون انابت الی اللہ ہے اسی واسطے میں نے یہ آیت تلاوت کی ہے کہ اس آیت میں حق تعالیٰ نے انابت کا وجوب اور اس پر ثمرہ بیان فرمایا ہے اور یہ مضمون گذشتہ مضمون تنبہ کے بھی مناسب ہے اس لئے کہ تنبہ کے بعد دوام پھر توجہ کی ضرورت ہے حاصل دونوں بیانوں کا یہ ہو گا کہ ہم کو دو چیزوں کی ضرورت ہے اول تنبہ کی پھر توجہ کی اور ہر چند کہ تنبہ اور توجہ کا حاصل ایک ہے اس لئے کہ تنبہ کے معنی بھی یہی ہیں کہ حوادث و واقعات سے آدمی کی غفلت دور ہو کر آخرت کی طرف توجہ ہو اور توجہ بھی یہی ہے لیکن یہاں مراد تنبہ سے حدوث توجہ اور توجہ سے بقاء اور دوام اس توجہ کا مراد ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ہر شے کے اندر دو مرتبے ہیں ایک حدوث کا دوسرا بقاء کا مثلاً نماز پڑھنے والے دو قسم کے لوگ ہیں ایک وہ جنہوں نے پہلے کبھی نماز نہیں پڑھی اور اس وقت پڑھنا شروع کیا ہے یہ مرتبہ حدوث صلوۃ کا ہے اور ایک وہ ہیں جو ہمیشہ سے پڑھتے ہیں اور کبھی ناغہ نہیں کرتے ان کو دوام و بقاء صلوۃ کا مرتبہ حاصل ہے اسی طرح توجہ الی اللہ کی بھی دو قسم ہیں ایک حدوث توجہ دوسرے اس کا دوام حدوث توجہ تو اس وقت ہوتا ہے جبکہ کوئی واقعہ اور حادثہ ہو چنانچہ جب انسان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو ہر وقت کھڑے بیٹھے لیٹے اللہ کو یاد کرتا ہے اور جب وہ مصیبت جاتی رہتی ہے پھر بھول جاتا ہے پس یہ مصیبت کے وقت توجہ جو ہوتی ہے یہ حدوث توجہ ہے اور اسی کا نام میں نے تنبہ رکھا ہے۔ اور دوسرا مرتبہ دوام ہے اس توجہ کا یعنی آئندہ بھی ہر وقت یاد رکھنا جیسے شاگرد کو استاد جب زدوکوب کرتا ہے تو اس کو تنبہ ہو جاتا ہے اور سبق یاد کرنا شروع کر دیتا ہے۔ یہ اول مرتبہ توجہ کا ہے پھر اگر وہ سعید ہے تو اس یاد کے سلسلہ کو برابر جاری رکھتا ہے یہ دوسرا

مرتبہ توجہ کا ہے اسی طرح بندہ کی سعادت یہ ہے کہ جب اس کو کسی واقعہ سے توجہ الی اللہ ہو تو اس کو برابر قائم رکھے بھولے نہیں پس جمعہ گذشتہ کا بیان تنبہ کے متعلق تھا اور یہ بیان توجہ دائمی یعنی دوسرے مرتبہ کے متعلق ہے اسی دوسرے مرتبہ کو حق تعالی نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے اور یہ مضمون نہایت اہم ہے دنیا کے اعتبار سے بھی اور آخرت کے اعتبار سے بھی یعنی اس مضمون توجہ الی اللہ کے ساتھ جیسے کہ آخرت کی مصلحت وابستہ ہے اسی طرح دنیا کی مصلحت کا بھی اس کے ساتھ تعلق ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ مقاصد دو قسم کے ہیں ایک دنیوی دوسرے اخروی

طالبین کی قسمیں

طالبین کی تین قسمیں ہیں بعض مقاصد دنیوی کے طالب ہیں اور بعض مقاصد اخروی کے اور بعض دونوں کے پس اگر کوئی شئے ایسی ہو کہ اس سے صرف دنیوی مقصود حاصل ہوتا ہو اور دینی نہ ہو تو اس کے طالب صرف قسم اول کے لوگ ہوں گے اور اگر کوئی شئے صرف مقصد اخروی کی محصل ہو تو اس کے طالب صرف طالب آخرت ہوں گے اور اگر کوئی شئے جامع ہو کہ اس سے دنیا و آخرت دونوں ملتے ہوں تو اس کے طالب ہر دو قسم کے ہوں گے پس ہم دعوے کرتے ہیں کہ توجہ الی اللہ ایسی دولت ہے کہ اس میں دنیا و آخرت دونوں کے مصالح کی رعایت ہے۔ چنانچہ عنقریب یہ دعوے مع دلائل ثابت ہو جاوے گا۔

طاغوت کا مفہوم

اب آیت کی تفسیر عرض کی جاتی ہے ارشاد ہے وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ الخ لفظ طاغوت طغیان بمعنی تجاوز عن الحد سے ہے۔ اس کا اطلاق شیطان اور بت اور نفس پر آتا ہے مشترک معنوی ہے مشترک لفظی نہیں ہے اور انابت بمعنی رجوع ہے مجھ کو مقصود بیان سے صرف لھم البشرے تک ہے باقی آیت تتمیم

فائدہ کے لئے پڑھ دی ہے کیونکہ اصل تو مجھ کو انابت یعنی توجہ الی اللہ اور اس کے ثمرہ کو بیان کرنا ہے اور وہ لَهُمُ الْبُشْرٰى تک ہے باقی انابو کا جو معطوف علیہ تفسیری کے طور پر اجتنبوا الطاغوت ہے جس میں نفی ہے اس کے ضد کی وہ بھی اس حیثیت سے مقصود ہے کہ انابو کی توضیح اس پر موقوف ہے اس لئے کہ شئے اپنی ضد سے خوب واضح ہوا کرتی ہے پس حاصل ترجمہ کا یہ ہوا کہ جو لوگ اجتناب کرتے ہیں طاغوت سے یعنی شیطان اور بتوں اور نفس سے اور اجتناب ان سے کرنا ہر چند کہ واضح تھا اس لئے کہ ہر ایک کوئی سمجھ سکتا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ جو معاملہ ان سے پہلے سے کیا جاتا ہو ان سے بچیں لیکن حق تعالیٰ نے چاہا کہ کلام پاک میں ذرا سا بھی ابہام نہ رہے اور مقصود بالکل متعین ہو جاوے چنانچہ اسی واسطے ان یعبدوھا فرمایا گویا یوں فرماتے ہیں کہ اجتناب کے معنی یہ نہیں ہیں کہ مثلاً ان کو ہاتھ نہ لگاؤ بلکہ مطلب یہ ہے کہ پرہیز کرتے ہیں ان کی عبادت کرنے سے سبحان اللہ قرآن مجید باوجود موجز ہونے کے کوئی ضروری امر اس میں نظر انداز نہیں کیا گیا اَنْ يَّعْبُدُوْهَا طَاغُوْت سے بدل ہے طاغوت سے اگر بت مراد ہیں تو معنی یہ ہوں گے کہ جو لوگ اجتناب کرتے ہیں بتوں کی عبادت کرنے سے اور اگر طاغوت سے شیطان مراد ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ جو لوگ پرہیز کرتے ہیں شیطان کی عبادت کرنے سے

شیطان کی عبادت کا مفہوم

اور اسی کے ہم معنی دوسرے مقام پر فرماتے ہیں اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ یعنی اے اولاد آدم کی کیا میں نے تم سے عہد نہیں کیا تھا کہ شیطان کی عبادت نہ کرو اس میں بظاہر اشکال یہ ہوتا ہے کہ شیطان کی عبادت کون کیا کرتا ہے بتوں کی البتہ وہ لوگ عبادت کیا کرتے تھے جواب اس کا موقوف ہے ایک مقدمہ پر وہ یہ کہ اول یہ سمجھنا چاہیے کہ عبادت کے معنے لغت میں غایتہ تذلل کے ہیں چنانچہ طریق معبد بمعنی مذلل آیا ہے اور شریعت کی اصطلاح میں عبادت

وہ غایت درجہ کی فرمانبرداری ہے کہ اس فرمانبرداری کے سامنے کسی کی فرمانبرداری نہ رہے اور اسی وجہ سے یہ خاص حق ہے حق سبحانہ وتعالیٰ کا یہ حقیقت ہے عبادت کی اور غیر حق تعالیٰ کے ساتھ ایسا معاملہ کرنے ہی کو شرک کہتے ہیں لیکن وہ معاملات جو حق تعالیٰ کے ساتھ بندوں پر واجب ہیں وہ ہم کو اپنی عقل سے معلوم نہیں ہو سکتے اس لئے حق تعالیٰ نے ایسی ذات مقدس کی زبان سے کہ جس کی نبوت دلائل عقلیہ سے ثابت ہے ان معاملات کی فہرست ہم کو بتلا دی ہے۔ منجملہ ان معاملات کے یہ بھی معاملہ ہے کہ حق تعالیٰ کے امر کے ساتھ اگر کوئی مزاحم و معارض بھی ہو تب بھی اطاعت کا حق بجز حق تعالیٰ کے کسی کو نہیں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بھی اسی درجہ میں ہو گی لیکن وہ نیابتہ ہو گی حقیقتہ" وبالذات ایسی اطاعت بجز حق تعالیٰ کے کسی کی نہیں ہو سکتی اب سمجھئے کہ شیطان کی عبادت کے کیا معنے ہوں گے وہ یہ ہوں گے کہ امر شیطان کے مزاحم اگر انبیا و اولیاء قرآن و حدیث و علماء دین و عقل کے احکام ہوں تو ان سب اوامر کو پس پشت ڈال کر شیطان کا کہنا مانا جاوے (بقول شیخ علیہ الرحمتہ)

بقول دشمن پیمان دوست بشکستی
ببین کہ ازکہ بریدی وباکہ پیوستی

(دشمن کے کہنے میں آکر تو نے دوست سے پیمان وفا توڑ ڈالا ذرا غور تو کر کہ تو نے کس سے کٹ کر کس سے رشتہ جوڑا ہے)

توجہ کی حقیقت

بہر حال وہ اشکال کہ شیطان کی کون عبادت کرتا ہے دفع ہو گیا اور حاصل معنے کا یہ ہوا کہ جو لوگ شیطان پرستی و بت پرستی سے بچتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں ان کے لئے بڑی بشارت ہے یہ تو آیت کا ترجمہ ہوا اس سے حقیقت مجملہ توجہ کی معلوم ہو گئی ہو گی اب حقیقت مفصلہ سنئے وہ یہ کہ میں نے اول دعوے کیا تھا کہ توجہ سے میری مراد نفس توجہ نہیں بلکہ اس کا دوام اور بقاء

مقصود بالبیان ہے اور آیتہ میں ایسی ہی توجہ مراد ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے انابوا کو بذریعہ عطف کے مقابل عبادۃ الطاغوت کے فرمایا ہے اور محاورات میں متقابلین کو ذکر کرنا بشرط عدم عارض اس پر دال ہوتا ہے کہ یہاں تیسری قسم نہیں ہے کل دو ہی شئے ہیں عبادت طاغوت یا انابتہ الی اللہ اور انابت الی اللہ بطور عطف تفسیری کے اجتناب عن الطاغوت کی تفسیر ہے پس طاغوت سے بچنا ہی انابت الی اللہ ہے عبادت الطاغوت اور انابت میں کوئی واسطہ نہیں ہے جب یہ متقرر ہوگیا اب یہ سمجھنا چاہیے کہ بت پرستی کی کسی وقت اجازت نہیں ہے پس اجتناب عن الطاغوت فرض دائم ہوا اور چونکہ ثابت ہو چکا ہے کہ اجتناب عن الطاغوت عین انابت الی اللہ ہے پس انابت الی اللہ بھی فرض دائمی ہوا۔

دوام توجہ

پس مطلوب میرا ثابت ہو گیا کہ دوام توجہ مدلول آیت کا ہے اور چونکہ اجتناب عن الطاغوت اور انابت الی اللہ دونوں کو مترادف فرمایا ہے اس لئے احد المترادفین میں جس قدر مرتبے نکلیں گے اسی قدر درجات دوسرے میں ہوں گے چنانچہ اجتناب عن الطاغوت کا ادنے درجہ یہ ہے کہ آدمی بت پرستی کرنا چھوڑ دے اس کے بدون تو ایمان ہی نہیں ہو گا جب آدمی بت پرستی چھوڑ دے گا تو ادنی مرتبہ ایمان کا اس کو حاصل ہو جاوے گا یا یوں کہیے کہ ادنی مرتبہ انابت کا حاصل ہو جاوے گا اور ادنی اس لئے کہا کہ بدون اس کے مومن نہیں کہلاتا افسوس ہے کہ آج کل اسی درجہ پر اکتفا کر کے یہ سمجھ لیا کہ ہم منیب و متوجہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس درجہ والوں کو بھی منیبین میں داخل فرما لیا ہے چنانچہ ادنی درجہ ایمان کا یہی ہے کہ آدمی بت پرستی چھوڑ دے حالانکہ اگر غور کر کے دیکھا جاوے تو اکثر اوقات ایسے گذرتے ہیں کہ ان میں نہ بت پرستی کی طرف توجہ ہے اور نہ توجہ الی اللہ ہے بلکہ دونوں میں واسطہ نکلتا ہے۔

نماز اور حضور قلب

چنانچہ بعض صوفیہ نے اسی بناء پر اس میں توسع نہیں کیا بلکہ توجہ کو ہر وقت ضروری قرار دیا ہے اور اسی بناء پر نماز میں وہ حضور قلب کو اول سے آخر تک لازم ٹھہراتے ہیں اگر ایک لحہ بھی غفلت ہو گی تو وہ فرماتے ہیں کہ نماز کا اعادہ کرے اور اس اعادہ کرنے کو وہ اس نماز میں تو مثلاً فرماتے ہیں جن کے بعد نوافل مکروہ نہیں اور جن نمازوں کے بعد نوافل مکروہ ہیں ان میں اس وقت کے گزرنے کے بعد فرماتے ہیں اور اعادہ کرنے میں بھی اگر حضور نہ ہو تو پھر پڑھنا چاہیے حتی کہ ایسی نماز ہو کہ اس میں اول سے آخر تک حضور ہو لیکن تجربہ سے معلوم ہوا کہ یہ امر عادۃً" سخت دشوار ہے کہ ایسی نماز ہو کہ اس میں ایک لحہ بھی غفلت نہ ہو اس لئے امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے اس طریق کے اندر ایک وسعت نکالی ہے وہ یہ ہے کہ اول یہ دیکھنا چاہیے کہ یہ نماز ہم کتنی دیر میں پڑھ سکتے ہیں مثلاً ۱۵ منٹ میں چار رکعت پڑھ سکتے ہیں اس کے بعد نماز پڑھ کر دیکھنا چاہیے کہ کتنی دیر اس نماز میں حضور رہا اور کتنی دیر غفلت۔ مثلاً غفلت ۱۰ منٹ رہی ہے اس کے بعد اس کا اعادہ کرے پھر ان چار رکعت میں دیکھے کہ کتنی دیر حضور رہا مثلاً ۵ منٹ حضور رہا تو ۱۰ منٹ اس کو حضور حاصل ہو گیا اس کے بعد پھر اس کا اعادہ کرے حتی کہ ۱۵ منٹ حضور کے پورے کر لے یہ طریقہ چند روز کرے ان شاء اللہ پوری نماز کے اندر حضور اس کو میسر ہونے لگے گا لیکن اس میں شیخ کامل سے مشورہ کر لے اس لئے کہ ہر شخص کا حال جدا ہے بعض کے لئے یہ طریق مناسب ہے بعض کے لئے نہیں بعض کے لئے کچھ اور مناسب ہے میں نے فن کا مسئلہ بیان کر دیا ہے یہ مطلب نہیں کہ آج ہی سے اس پر عمل شروع کر دیا۔ جو کچھ کرو شیخ کامل سے پوچھ کر کرو غرض یہ کہ بعض صوفیہ نے تو لا صلوۃ الا بحضور القلب کے ظاہر پر نظر فرما کر اس میں بالکل وسعت نہیں فرمائی اور فرما دیا کہ بغیر حضور کے نماز نہیں ہو گی۔

نماز کے درجات

البتہ فقہاء کرام اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرماوے چونکہ بڑے شفیق ہیں اور ان کی نظر جیسی معاد پر ہے معاش پر بھی ہے اور جس طرح تدین ان کا منظور الیہ ہے اسی طرح تمدن بھی محط لحاظ ہے اس لئے وہ فرماتے ہیں کہ لا صلوۃ الا بحضور القلب مسلم ہے لیکن نماز کے درجات مختلف ہیں اور حضور قلب کے مراتب بھی متفاوت ہیں اگر حضور اعلیٰ درجہ کا ہے تو نماز بھی اکمل مرتبہ کی ہو گی اور اگر حضور میں کمی ہو گی تو اسی درجہ میں نماز بھی ہو گی حتیٰ کہ نفس صلوٰۃ کی صحت کے لئے یہ فرماتے ہیں کہ شروع میں تھوڑا سا حضور قلب جس کو نیت کہتے ہیں ہونا ضروری ہے اگر اس قدر بھی نہ ہو گا تو وہ نماز ہی نہ ہو گی اور مستند فریقین کا وہ حدیث اعرابی کی ہے کہ اس نے آکر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز بغیر تعدیل ارکان جلدی جلدی پڑھی جب نماز پڑھ کر فارغ ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وعلیک السلام ارجع فصل فانک لم تصل یعنی تجھ پر بھی سلام لوٹ نماز پڑھ اس لئے کہ تو نے نماز نہیں پڑھی یہ حضرات صوفیہ کا تو اس طرح مستند ہے وہ فرماتے ہیں کہ دیکھو اس شخص نے جلدی جلدی بلا حضور نماز پڑھی تھی اس کی نسبت آپ نے فرمایا کہ تو نے نماز نہیں پڑھی معلوم ہوا کہ بغیر حضور نماز نہیں ہوتی اور اسی حدیث میں ہے کہ اس اعرابی نے پھر اسی طرح نماز پڑھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر یہی فرمایا تیسری مرتبہ اس نے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں مجھ کو تو ایسی ہی نماز آتی ہے اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو طریقہ نماز کا بتلایا اور مع تعدیل ارکان وخشوع وخضوع کے اس کو نماز تعلیم فرمائی اور آخر میں یہ فرمایا کہ جس قدر اس میں سے کمی کرے گا اسی قدر تیری نماز میں سے کمی ہو جاوے گی یہ مستند فقہاء کا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ خشوع وخضوع وتعدیل ارکان کی کمی سے نماز میں کمی ہو گی نماز بالکل نہ جاوے گی چنانچہ صحابہ رضوان اللہ علیہم نے یہ سن کر فرمایا لم تذھب صلوتہ کلھا اسی واسطے ہم صوفیہ کے اس قول کے کہ نماز بلا حضور نہیں ہو

گی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ بلا حضور کامل نہیں ہوگی ورنہ نفس صلوۃ کی صحت کے وہ بھی قائل ہیں۔

انابت کے درجات

اور فقہاء کے قول کی موید یہ آیت بھی ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالی نے طاغوت سے بچنے کو انابت میں داخل فرمایا ہے گو وہ انابت متجدد اور مستحضر نہ ہو الحاصل ایک مرتبہ انابت کا تو یہ ہوا کہ بتوں کی عبادت نہ کرے اور یہ ادنے درجہ ہے دوسرا مرتبہ انابت کا اعلی درجہ ہے اور وہ بھی مقابل ہے عبادت طاغوت کا جس طرح پہلا درجہ مقابل تھا پس انابت میں جب اعلی درجہ نکلے گا تو عبادت طاغوت میں بھی اس کے مقابلہ ایک مرتبہ اور نکلے گا فرق اس قدر ہے کہ انابت میں تو علو کی جانب میں مراتب نکلیں گے اور عبادت طاغوت میں جو اس کے مقابل مراتب نکلیں گے وہ سفل کی جہت میں ہوں گے یعنی اگر انابت ادنے درجہ کی ہوگی تو عبادت طاغوت اس کے مقابلہ میں اعلی درجہ کی ہوگی چنانچہ اس کا بیان اوپر آچکا ہے اور اگر انابت اعلی درجہ کی ہوگی تو عبادت طاغوت کا ادنے درجہ اور عبادت طاغوت کا اعلی درجہ تو ہم بیان کر چکے اب انابت کا اعلی درجہ اور عبادت طاغوت کا ادنے درجہ جو اس کے مقابل ہے اس کو بیان کرتے ہیں اور چونکہ قاعدہ مقررہ مسلمہ ہے کہ **الاشیاء تعرف باضدادھا** اس لئے اول عبادت طاغوت کا درجہ بیان کیا جاتا ہے اس سے انابت کا اعلی درجہ خود سمجھ میں آجاوے گا جاننا چاہئے کہ صوفیہ کرام فرماتے ہیں **ماشغلک عن الحق فھو طاغوتک** یعنی جو شئے تجھ کو خدا سے غافل کردے وہ تیرا بت ہے اس سے معلوم ہوا کہ غفلت کو بت پرستی سے تعبیر فرماتے ہیں جتنی دیر غفلت ہوگی اسی قدر گویا بت پرستی میں مشغول رہے گا اسی بناء پر اکثر صوفیہ کرام کے کلام میں پایا جاتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو بت پرست لکھتے ہیں چنانچہ شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات میں تو جابجا یہ الفاظ دیکھے جاتے ہیں اور اسی وجہ سے حکیم سنائی فرماتے ہیں۔

ہرچہ از دوست وامانی چہ کفر آں حرف وچہ ایمان
ہرچہ از یار دورافتی چہ زشت آں نقش وچہ زیبا

(ہر وہ بات جو دوست سے قریب کرے خواہ وہ ظاہراً کفر کی بات لگے وہ وجہ زیبا پسندیدہ ہے اور ہر وہ چیز جو دوست سے دور کرنے کا سبب بنے خواہ کتنی ہی خوبصورت ہو وہ بری ہے)

مولانا فرماتے ہیں۔

ہرچہ جز ذکر خدائے احسن است
گر شکر خواری ست آں جان کندن است

(اللہ کریم کے ذکر کے سوا خواہ کوئی چیز کتنی ہی بھلی ہو وہ بھی جان نکالنے کے برابر ہے)

بعض اہل ظاہر خشک مزاج حضرات صوفیہ پر اعتراض کرتے ہیں کہ سبب غفلت کو بت اور غفلت کو بت پرستی کہنے سے مسلمانوں کو بت پرستی اور شیطان پرست بنانا ہے جواب اس کا یہ ہے کہ اس قسم کا اطلاق خود حدیث شریف میں وارد ہے چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ کبوتر کے پیچھے جارہا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **شیطان یتبع شیطانة** یعنی یہ شخص شیطان ہے اور شیطان کے پیچھے جارہا ہے دیکھئے کبوتر ایک پاک جانور ہے اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شیطان فرمایا ہے مطلب یہ ہے کہ اس کے حق میں وہ کبوتر شیطان ہو گیا ہے اس پر وہ اثر کیا ہے جو شیطان کیا کرتا ہے اور مثل شیطان کے ضرر رساں ہو گیا اس لئے کہ اس نے خدا سے غافل کر دیا ہے بیچارے صوفی تو سبب غفلت کو بت ہی کہتے ہیں حدیث میں تو اس سے بڑھ کر سبب غفلت کو شیطان فرمایا بس اگر **کل ماشغلک عن الحق فھو طاغوتک** میں طاغوت سے مراد شیطان ہو تب تو حدیث اور قول صوفیہ مطابق ہیں اور اگر طاغوت سے مراد بت ہوں تو یہ قول بدرجہ اولے صحیح ہو گا اس لئے کہ

شیطان تو فی نفسہ شر ہے بخلاف اصنام کے کہ اس کے اندر فی نفسہ خبث نہیں اس کو خبیث اور شر اضافتہ کہا جاتا ہے اور شیطان کے اندر جو شر ہے اس کا اثر تو خود اس کی ذات پر پڑے گا چنانچہ معذب ہو گا جہنم میں جاوے گا بخلاف اصنام کے کہ وہ معذب نہ ہوں گے وہ جہنم میں تو ضرور جاویں گے اس لئے حق تعالی فرماتے ہیں اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ لیکن ان کا جہنم میں جانا تعذیب کے لئے اور مغضوبیت کی وجہ سے نہ ہو گا بلکہ اس لئے کہ بت پرستوں کو حسرت ہو اور اپنی حماقت ظاہر ہو اور ملامت قوی ہو چنانچہ اسی واسطے چاند سورج بھی جہنم میں جاویں گے لیکن عذاب کے لئے نہیں بلکہ اس لئے تاکہ ان کے عابدین جان لیں کہ یہ معبود نہیں ہیں اگر معبود ہوتے تو جہنم میں کیوں جاتے چنانچہ فرماتے ہیں لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا اور وجہ یہ ہے کہ بت اور چاند سورج وغیرہ یہ غیر مکلف ہیں اس لئے تعذیب کے لئے یہ جہنم میں نہ جاویں گے۔

کسوف اور خسوف کا سبب

اور یہاں سے عوام کی ایک غلطی کا ارتفاع بھی ہوتا ہے وہ یہ کہ عوام یہ سمجھتے ہیں کہ کسوف اور خسوف میں چاند سورج کو تکلیف اور عذاب ہوتا ہے یہاں سے معلوم ہو گیا کہ یہ بالکل غلط ہے بلکہ کسوف اور خسوف کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالی اپنی عظمت اور ہیبت ظاہر فرماتے ہیں کہ ہم ایسے قادر ہیں کہ ایسے ایسے اجرام نیرہ عظیمہ میں بھی جو چاہیں تصرف کریں پس اس کے مقتضا پر کسوف و خسوف کے وقت لازم تو یہ تھا کہ اپنی فکر کرتے اور استغفار کرتے برعکس اس کے علل اختراعیہ میں لگ گئے یاد رکھو ان کو کوئی تکلیف و عذاب نہیں یہ تو سب اللہ تعالی کے مطیع ہیں خود فرماتے ہیں اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ یعنی اے مخاطب تو دیکھتا نہیں کہ اللہ تعالی کے لئے جو آسمان میں ہیں اور زمین میں ہیں سب سجدہ کرتے

ہیں اور شمس و قمر اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور دواب اور بہت سے آدمیوں میں سے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ساجدین و عابدین کو ذکر فرمایا ہے اور بڑے شرم کی بات ہے کہ اس فہرست میں جب آدمیوں کا ذکر آیا تو کثیر من الناس فرمایا یہ نہیں فرمایا والناس پس اس آیت سے ثابت ہوا کہ چاند سورج ساجدین میں داخل ہیں پھر ان کو عذاب ہونے کے کیا معنے اور شیطان چونکہ مطرود و مردود اور عاصی و رجیم ہے اس لئے وہ جہنم میں تعذیب کے لئے جاوے گا پس معلوم ہوا کہ شر شیطان میں بہ نسبت بت کے زیادہ ہے اور حدیث میں سبب غفلت کو شیطان فرمایا تو صوفیہ نے اگر سبب غفلت کو بت کہہ دیا تو کیا حرج ہوا۔

غفلت کا ادنیٰ درجہ

پس ہر سبب غفلت طاغوت ہے جب یہ امر منقح ہو گیا اب سمجھئے کہ ادنے درجہ اشتغال بالطاغوت کا یہ ہے کہ کسی شے میں لگ کر خدا تعالیٰ سے غافل ہو جاوے اور اس ادنے درجہ کا مقابلہ انابت میں یہ ہے کہ ہمہ تن مشغول بحق ہو کوئی ساعت توجہ الی الحق سے خالی نہ ہو اس لئے جب خالی ہو گا تو عبادت طاغوت کے ادنے درجہ میں داخل ہو جاوے گا اب واضح ہو گیا کہ انابت کا اعلیٰ درجہ کیا ہے اور عبادت طاغوت کا ادنے درجہ کیا ہے اور عبادت طاغوت کا یہ درجہ گو بڑا درجہ نہیں لیکن حق تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ضرور ہے اور جب مبغوض ہوا تو اس سے بچنا اور اس کے مقابل یعنی دوام توجہ کا حاصل کرنا واجب ہوا اور یہ درجہ گو موقوف علیہ ایمان کا نہیں ہے کہ بغیر اس کے ایمان معتبر نہ ہو لیکن مقبولیت و قرب کا موقوف علیہ ضرور ہے پس ثابت ہو گیا کہ ہم لوگوں پر جیسے یہ واجب ہے کہ بت پرستی سے مجتنب رہیں اسی طرح ایک درجہ میں دوام توجہ الی اللہ اور اجتناب عن سبب الغفلۃ بھی واجب ہے اب یہ دیکھنا چاہیے کہ آیا یہ مرتبہ توجہ کا ہم کو حاصل ہے یا نہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ عموماً اسباب غفلت میں ہم لوگ شب و روز مبتلاء ہیں اور ابتلاء کے علاوہ اس پر زیادتی یہ ہے کہ اس کو کچھ معصیت بھی نہیں

سمجھتے اور نہ کبھی اس کا خیال آیا کہ ان اسباب غفلت سے اجتناب کریں الا ماشاء اللہ اور بعض تو اسباب غفلت کے اندر انہماک میں اس قدر بڑھے ہیں کہ اس کو ہی کمال سمجھتے ہیں چنانچہ بڑا ہوشیار وہ سمجھا جاتا ہے جو دنیا خوب کماوے اور اس میں مشغول ہو اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ اَللّٰہُ اَکْبَرُ **بیبیں** تفاوت رہ از کجاست تا بکجا (راستہ کا اختلاف تو دیکھو کہ یہ کہاں سے کہاں لے جائے گا۔

یہاں پر ایک اشکال وارد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ہروقت ہم کیسے متوجہ رہیں کیا دنیا کے سب کاروبار' تجارت' زراعت ' اولاد مال سب چھوڑ کر تسبیح لے کر مسجد میں بیٹھ جائیں یہ تو بہت مشکل ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے چنانچہ اسی اشکال کے ذہن میں راسخ ہو جانے کی وجہ سے بہت سے لوگ اس مرتبہ سے محروم ہیں اور تصوف کی حقیقت یہی سمجھتے ہیں کہ سب کاروبار چھوڑ کر حجرہ میں بیٹھ رہیں اور اسی بناء پر نماز میں حضور قلب کو ناممکن سمجھ کر اس کی تحصیل کو بالکل چھوڑ دیا۔ بات یہ ہے کہ حضور قلب اور دوام توجہ کی حقیقت نہیں سمجھی اگر حقیقت سمجھ جاتے تو معلوم ہوتا کہ اس میں کچھ بھی اشکال نہیں اس لئے اول اس کی حقیقت بتائی جاتی ہے۔

حضور قلب کا مفہوم

پس جاننا چاہیے کہ لوگ حضور قلب اور دوام توجہ فی الصلوۃ کے یہ معنے سمجھتے ہیں کہ کوئی خطرہ اول سے آخر تک نماز میں نہ آوے حالانکہ یہ معنے نہیں اس لئے کہ یہ تو عادۃ ناممکن ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ کسی خطرہ کو خود نہ لاوے اور خود اگر آوے تو وہ حضور کے منافی نہیں ہے اور ان دونوں باتوں میں بڑا فرق ہے' آنا غیر اختیاری ہے اور اس پر کوئی ملامت نہیں اور لانا اختیاری اور محل ملامت ہے کیونکہ قلب مثل شارع عام کے ہے جیسے شارع عام میں اچھے بڑے شریف رذیل چمار بھنگی سب چلتے ہیں اسی طرح انسان کا قلب ہے کہ اس میں اچھے برے خطرات سب آتے ہیں اور اس آنے پر مواخذہ نہیں ہے اس لئے کہ

مواخذہ ہوتا ہے امر اختیاری پر اور خطرات کا آنا اختیاری نہیں ہے اس لئے شریعت نے یہ حکم نہیں دیا کہ کوئی خطرہ نہ آوے ہاں یہ حکم فرمایا ہے کہ تم ان خطرات کو خود مت لاؤ اب معلوم ہو گیا ہوگا حضور قلب اور دوام توجہ فی الصلوۃ کچھ بھی مشکل نہیں اس میں کچھ بھی نہیں کرنا پڑتا اسی طرح دوام توجہ الی اللہ کے معنی یہ نہیں ہیں کہ غیر خدا کا خیال ہی نہ آوے بلکہ مطلب یہ ہے کہ مستقلاً خود نہ لاوے اور اگر تبعاً لاوے تو اس کے منافی نہیں اور یہ ممکن الدوام بلکہ بعد محبت کے تو لازم الدوام ہے۔

حضور قلب کی عجیب مثال

میں اس کی حقیقت کو ایک مثال سے واضح کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ کوئی شخص مثلاً کسی عورت پر عاشق ہو گیا کوئی ساعت اس کو اس کی یاد سے خالی نہیں جاتی حالانکہ سوتا بھی ہے کھاتا بھی ہے دنیا کے سب کام کرتا ہے لیکن دل ہر وقت اسی طرف ہے یہ اس کا طبعی امر ہو گیا ہے اور اس کی مخالفت سے سخت نفرت ہو گئی ہے جو کام کرتا ہے اول یہ سوچ لیتا ہے کہ اس کے خلاف مزاج نہ ہو خصوصاً اگر وہ بلا بھیجے کہ آج تم ہمارے یہاں آنا اس وقت تو اس کی عجیب حالت ہوتی ہے اور محبوبہ کے یہاں جانے کے واسطے بڑے اہتمام کرتا ہے چنانچہ دیکھتا ہے کہ میری صورت جنون کی سی ہو رہی ہے تو اول نائی کو بلا کر خط بنواتا ہے اور غسل کے لئے کھلی منگواتا ہے اور کپڑے سفید دھوبی سے دھلواتا ہے اور یا درزی سے نئے سلواتا ہے عطر اگر نہ ہو تو وہ بھی اہتمام سے منگواتا ہے غرض اسی بننے سنورنے میں کئی گھنٹے خرچ ہو گئے کوئی ظاہر بین دیکھے تو کہے کہ دیکھئے محبوبہ نے تو اپنے گھر بلایا اور یہ ان دھندوں میں لگ رہا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ سب اس نے اسی کی رضا کے لئے کئے ہیں نہا رہا ہے تو اس لئے کہ محبوبہ پسند کرے کپڑے پہنتا ہے تو اس لئے کہ محبوبہ راضی ہو' عطر لگاتا ہے تو وہ بھی اسی واسطے کہ محبوبہ خوش ہو غرض کام سب کچھ کرتا ہے لیکن اس کی رضا و یاد سے قلب کسی وقت خالی نہیں

ہے جو کام کرتا ہے یا تو اس لئے کرتا ہے کہ وہ ناراض نہ ہو اور یا اس لئے کہ وہ راضی ہو جائے اسی کو توجہ دائم کہا جاتا ہے اور عرف عام میں اسی کو کہا جاتا ہے کہ کسی گھڑی بھولتا نہیں خواہ اس کو مجاز لغوی کہو یا حقیقت کہو گفتگو یہ ہے کہ عرف عام میں جس کو یوں کہا جاتا ہے کہ ہر گھڑی یاد کرتا ہے ایسا معاملہ بندہ پر حق تعالیٰ کے ساتھ ایک مرتبہ میں ضروری ہے حاصل یہ ہے کہ نوکری زراعت تجارت دنیا کے سب کام کرو مگر جو کچھ کرو وہ حق تعالیٰ کی رضا کے لئے کرو یہ تو اعلیٰ درجہ ہے اور اگر یہ نہ ہو سکے اس لئے کہ یہ ہر شخص کا کام نہیں اتنا تو ضروری ہے کہ جو کام کرے اس میں یہ دیکھ لے کہ یہ کام حق تعالیٰ کی مرضی کے خلاف تو نہیں جو کام بھی کرے سب میں اس کا لحاظ رکھے کہ حق تعالیٰ کی رضا کے خلاف نہ ہو یہ مرتبہ واجب ہے اور طاعت واجب کا موقوف علیہ ہے اور یہ کہ جو کام کرے وہ رضا کے واسطے کرے یہ اس سے اعلیٰ درجہ ہے موقوف علیہ طاعت واجب کا نہیں یہ شان اولیاء کاملین کی ہے کہ وہ جو کچھ کرتے ہیں اپنے نفس کے لئے نہیں کرتے بلکہ رضا کے لئے کرتے ہیں۔

خلاف رضائے الٰہی کام نہ کرنے کے عزم صحیح کی ضرورت

حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم تو عطر اس لئے لگاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو پسند آوے ایک مرتبہ فرمایا کہ جب پانی پیو ٹھنڈا پیو۔ ٹھنڈا پانی پینے سے بال بال سے الحمدللہ نکلتی ہے سبحان اللہ ان حضرات کی نیت ہر امر میں یہی ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ راضی ہوں اور شکر کامل ادا ہو یہ ہر شخص سے نہیں ہو سکتا۔ مثلاً "کھانا کھانے کپڑا پہننے جانے چلنے پھرنے ہر کام میں یہی نیت ہو یہ نیت فرض دائم نہیں مگر اتنا ضروری ہے کہ ہر کام میں یہ خیال کرے کہ یہ خلاف مرضی حق تعالیٰ تو نہیں ہے غرض ہر کام اگر للرضا نہ ہو مگر یہ خیال تو ضرور ہے کہ میں خلاف رضا نہ کروں یہ مرتبہ فرض دائم ہے سو سمجھ میں آگیا ہو گا کہ یہ مشکل نہیں ہے یہ بھی واضح ہو گیا کہ دلائل وجوب کے بالکل بین و ظاہر ہیں اور یہ بھی پیش

نظر ہو گیا ہو گا کہ واقعی ہم لوگ بڑی کوتاہی کرتے ہیں یہ حوصلہ تو کہاں ہے کہ ہر کام ہمارا للرضا ہو لیکن ہم کو تو یہ درجہ وجوب بھی میسر نہیں کہ ہمارے کام خلاف رضا نہ ہوں چنانچہ اس کا مطلق خیال ہی نہیں شب و روز معصیت میں گذر جاتے ہیں اگر کبھی خیال آتا بھی ہے تو شیطان کہتا ہے اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ حالانکہ اس کے معنے یہ نہیں کہ جو چاہو کئے جاؤ اللہ تعالیٰ بخش دیں گے

شان نزول

حقیقت یہ ہے کہ بعض لوگوں نے شکایت کی تھی کہ اگر ہم لوگ ایمان لے بھی آویں تو کیا فائدہ ہے اس لئے کہ جو گناہ پہلے کئے ہیں وہ تو لکھے ہوئے ہیں ان پر مواخذہ ضرور ہو گا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی تھی حاصل اس کا یہ ہے کہ ان سے کہہ دیجئے کہ تم ایمان لے آؤ پچھلے گناہ ہم معاف کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے شکستہ دلوں کے لئے اس کو نازل فرمایا تھا کہ مایوس نہ ہوں اس لئے کہ مایوسی کا اثر یہ تھا کہ طاعت کی طرف نہ آتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس کو آلہ اطاعت بنایا تھا کہ مایوسی دفع ہو جاوے اور طاعت اختیار کر لیں ہم لوگوں پر اس کا برعکس اثر ہوا کہ اس کو آلہ معصیت بنا لیا۔ اللہ تعالیٰ نے تو آئندہ کے لئے معصیت چھوڑنے کے لئے اس کو نازل فرمایا تھا ہم نے اس کو معاصی کا ارتکاب کرنے کے لئے سمجھ لیا وہی مثل ہو گئی گدھے کو دیا تھا نمک اس نے کہا میری آنکھیں پھوڑ دیں ہم پر واجب تو یہ تھا کہ ہر عمل میں یہ سوچتے کہ اس سے اللہ تعالیٰ ناراض تو نہ ہوں گے ہماری حالت یہ ہے کہ اول یہ سوچتے ہیں کہ اس عمل میں دنیا کا تو کوئی نقصان نہیں جن طاعات کی عادت پڑ رہی ہے وہ وہی ہیں جن میں کوئی مصلحت فوت نہ ہو امتحان کا وقت تو وہ ہے جب کہ ایک طرف دین ہو اور ایک طرف دنیا پھر دین کی جہت اختیار کریں غرض معلوم ہوا کہ ہم کو توجہ دائم کا درجہ واجب بھی حاصل نہیں۔

تیسرا مرتبہ انابت کا اور ہے وہ اس سے بھی اعلیٰ درجہ ہے وہ یہ کہ کبھی بھولے نہیں حتیٰ کہ سوتے ہوئے بھی غفلت نہ ہو خواب بھی دیکھتا ہے تو وہ بھی ذکر کر

ہی خواب دیکھتا ہے یہ درجہ واجب نہیں مستحب ہے اور ہر شخص کے مناسب نہیں کیونکہ عادۃً" موقوف ہے۔

ترک تعلقات کے لئے ایک ضروری شرط

ترک تعلقات پر بلکہ اس کی تحصیل اس شرط کے ساتھ بھی مشروط ہے کہ کوئی واجب فوت نہ ہو مثلاً ایک شخص ہے اہل و عیال کا نفقہ اس کے ذمہ ہے وہ اگر اس کی تحصیل میں لگے گا تو یقینی بات ہے کہ تمام وجوہ معاش کو اول چھوڑنا پڑے گا اور جب چھوڑے گا تو اہل و عیال کی حق تلفی ہو گی اس کے لئے یہی مناسب ہے کہ اہل و عیال کی تربیت کرے اور واجبات ادا کرتا رہے اس کی ایسی مثال ہے کہ کسی شخص نے حج فرض ادا کر لیا' دوسری مرتبہ حج نفل ادا کرنا چاہتا ہے فقہا نے لکھا ہے کہ اگر ایک نماز جانے کا بھی اندیشہ ہو تو اس کو حج کرنا حرام ہے اسی کو حضرت مسعود بک فرماتے ہیں

اے قوم بحج رفتہ کجائید کجائید

معشوق دریں جاست بیائید بیائید

(اے حج کے جانے والو تم کہاں ہو محبوب تو یہاں ہے جلدی آجاؤ

مستحب اور واجب میں فرق

فقہاء نے لکھا ہے کہ مندوب اس وقت تک مندوب ہے کہ اس کے اشتغال سے کوئی واجب ترک نہ ہو اور الحمد للہ کہ قرآن مجید کی ایک آیت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے فرماتے ہیں وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ یعنی اے مومنو تم ان بتوں کو برا نہ کہو جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں (اس لئے) کہ وہ ضد میں آکر ناواقفی سے اللہ کو برا کہیں گے دیکھئے بتوں کی مذمت کرنا مباح اور بعض وقت مستحب ہے لیکن چونکہ اس سے حق تعالیٰ کی شان پاک میں بے ادبی کا احتمال تھا جو کہ ترک واجب ہے اس لئے اس سے روک دیا گیا آج

کل کے مناظرین نے اس سے آنکھوں پر پٹی باندھ لی ہے بیدھڑک فریق مخالف کے پیشواؤں کو برا کہتے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتے ہیں اس کا سبب یہ خود ہوتے ہیں۔ غرض آیت سے فقہا کا یہ قاعدہ کہ مندوب اس وقت تک مندوب رہتا ہے کہ کوئی واجب فوت نہ ہو ثابت ہو گیا پس یہ مرتبہ کہ ایک دم بھی غفلت نہ ہو یہ مندوب ہے اور یہ اس وقت تک مندوب رہے گا کہ اس کے اشتغال میں کوئی واجب و فرض فوت نہ ہو مثلاً" ایک شخص فارغ ہے نہ اہل و عیال ہیں نہ اور کوئی جھگڑا ہے معاش سے اطمینان ہے اس کے لئے تو مندوب کیا ضروری ہے کہ وہ ہر وقت متوجہ الی الحق رہے اسی کی نسبت فرماتے ہیں۔

خوشا روز گارے کہ دارد کسے
کہ بازار حرصش نہ باشد بسے
بقدر ضرورت یسارے بود
کند کارے از مرد کارے بود

(اگر کسی خوش نصیب کو حرص و لالچ سے آزادی حاصل ہو جائے تو اسے مبارک ہو بس ضرورت کے مطابق یعنی قوت لایموت اسے حاصل رہے اور وہ مردوں کا سا کام (اپنی آخرت کے لئے) کرتا رہے۔

بڑے بدبخت ہیں وہ لوگ کہ خدا تعالیٰ نے ان کو سب کچھ دے رکھا ہے دنیا کی تمام نعمتیں ان کو میسر ہیں کوئی فکر ان کو نہیں اور وہ اپنا وقت چوپایوں میں فضولیات میں اور حقہ نوشی کے اندر برباد کرتے ہیں یاد رکھو اگر کوئی شخص گناہوں میں بھی مشغول نہ ہوا لیکن لغویات میں اپنا وقت برباد کیا اس کو بھی بعد مرنے کے بڑی حسرت ہو گی۔

خجل آنکس کہ رفت و کار نساخت
کوس رحلت زدو بار نہ ساخت

(وہ شخص شرمندگی و ندامت اٹھاتا ہے جو مقصود حاصل کئے بغیر روانہ ہوگا یعنی کوچ کا اعلان تو ہو گیا اور اس نے ابھی تک زاد راہ ہی نہیں باندھا جو اہل بصیرت ہیں ان کی کیفیت تو یہ ہے۔

مرا در منزل جاناں چہ امن و عیش چوں ہر دم
جرس فریاد میدارد کہ بربندید محملہا

(میں محبوب کے گھر پہنچ بھی گیا تو کیا ہوا جبکہ کوچ کی گھنٹی ہر لمحہ سامان سفر باندھنے کے لئے پکار رہی ہے)

سفر آخرت کا الارم

یعنی مجھ کو کوئے محبوب میں یعنی خدا تعالی کی یاد میں کیسے امن و عیش یعنی اطمینان اور بے فکری ہو جبکہ ہر وقت جرس یہ فریاد مچا رہا ہو کہ کجاوے باندھو جب ہر وقت کوچ کی گھنٹی بج رہی ہو۔ بڑا غافل ہے وہ جو اس وقت بے فکری سے باتیں بنا رہا ہو اور کوچ کی تیاری نہ کرے وہ گھنٹیاں یہی ہیں جو جا بجا موتیں ہو رہی ہیں ریل پر دیکھا ہو گا کہ جب گھنٹی بج جاتی ہے سب مسافر اپنا اپنا سامان لیکر تیار ہو جاتے ہیں اور ریل تو ریل عرب کے سفر میں دیکھا ہے کہ اونٹ جو کہ اپنے اختیار کی سواری ہے وہ بھی نہیں ٹھیرتے جب جمال حی حی پکارتے ہیں اور اونٹوں کے لادنے کا تہیہ کر لیتے ہیں پھر وہ بالکل نہیں دیکھتے کہ کون فارغ ہے اور کون نہیں چنانچہ بعض قضائے حاجت کرتے ہوئے ہیں بعض کچھ پکارتے ہوئے ہیں سب چھوڑ کر ہنڈیا ہاتھ میں لئے ہوئے بھاگتے ہیں اور اونٹوں پر سوار ہوتے ہیں افسوس ہے کہ سفر آخرت کی گھنٹیاں بج رہی ہیں ہر وقت حی حی کا شور ہے کوئی دوست مر گیا کوئی عزیز مر گیا لیکن ہم ہیں کہ خواب خرگوش میں کروٹ ہی نہیں بدلتے۔ مسلمانوں کو عموماً کبھی بے فکر نہ ہونا چاہیے اور خصوصاً ان لوگوں کو جن کو اللہ تعالی نے معاش سے بے فکر کیا ہے ان کو تو ضروری ہے کہ ہر وقت متوجہ رہیں کسی وقت غفلت نہ ہو اب یہیں پر ذاکرین کو دوام توجہ کے متعلق ایک غلطی ہو جاتی

ہے پوری بات تو وقتاً فوقتاً جس طرح کے حالات پیش آویں شیخ ہی سے طے ہوتے ہیں لیکن یہاں بھی اجمالاً کچھ ذکر کیا جاتا ہے وہ یہ کہ انسان کا خاصہ طبعی ہے کہ ہر وقت ایک کام نہیں کر سکتا طبیعت اکتا جاتی ہے جیسے کوئی رات دن پڑھے اور کسی وقت بھی فارغ نہ ہو اور سیر و تفریح سے جی نہ بہلاوے تو لازمی بات ہے کہ طبیعت اس کی اکتا جاوے گی اور بعض مرتبہ ایسی پژمردہ ہو گی کہ وہ بالکل معطل محض ہو جاوے گا اسی واسطے ہمارے استاد مولانا محمد یعقوب صاحب رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر سبق دس دفعہ کہنے کا شوق ہو تو آٹھ دفعہ کہو دو دفعہ چھوڑ دو تاکہ شوق باقی رہے اور اس شوق سے پھر کام لیا جاوے اسی طرح عابدین ذاکرین کو بھی یہ امر پیش آیا ہے کہ کثرت ذکر سے ان کو ایک قسم کا ملال اور اکتاؤ پیش آجاتا ہے اور بعض مرتبہ شیخ کامل اگر نہ ہو تو اس کا نتیجہ آخرہ غفلت و تعطل ہو جاتا ہے اس وقت یہ ضروری ہے کہ سب کام خلوت کا چھوڑ دے اور باغ میں دوستوں کے مجمع میں بیٹھے اور کچھ دیر باتیں کرے مزاح کرے تو وہ نشاط سابق پر عود کر آوے گا اور اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ غفلت کی اجازت ہے۔ صاحبو! یہ غفلت نہیں اس کو بھی ذکر ہی میں شمار کریں گے اس لئے کہ معین ذکر ہے اس کی ایسی مثال ہے کہ مثلاً کوئی شخص پوچھے کہ تمہارے یہاں کھانے میں کیا ہوتا ہے اور کس حساب سے ہوتا ہے تو تم کہو کہ جنس اس قدر اور مصالحہ اس قدر اور لکڑیاں اتنی تو وہ شخص اعتراض کرے کہ کیا آپ لکڑیاں بھی کھاتے ہیں ظاہر ہے کہ وہ معترض احمق ہے اس لئے کہ جس سے کھانے میں اعانت ہو وہ کھانے ہی کے حساب میں شمار کی جاتی ہے۔

معین ذکر

صاحبو! جس کو آپ غفلت سمجھے ہوئے ہیں یہ بھی ذکر کے لئے ہے اس لئے کہ یہ معین ذکر ہے طبیعت میں تازگی و نشاط اس سے پیدا ہوتی ہے اور کبھی تو طبیعت کی افسردگی کی وجہ سے یہ ہوتی ہے اور کبھی اس وہم سے افسردگی ہو جاتی

ہے کہ لذت نہ آنے سے شبہ ہو جاتا ہے کہ میرا ذکر نافع نہیں حالانکہ لذت نہ آنا یہ غیر نافع ہونے کی دلیل نہیں یہ امر طبعی ہے کہ ہر چیز میں اول اول مزہ آتا ہے پھر خوگر ہونے کے بعد اس میں وہ مزہ نہیں رہتا چنانچہ کسی نے حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی سے سوال کیا تھا کہ حضرت ذکر میں مزہ نہیں آتا فرمایا کہ بھائی پرانی جورو اماں ہو جاتی ہے مطلب یہ ہے کہ جب ابتداء میں ذکر شروع کرتا ہے تو چونکہ ایک نئی شئے قلب میں آتی ہے تو جوش و خروش لذات کیفیات طاری ہوتی ہیں اور جب اس سے انس بڑھتا ہے تو کچھ بھی نہیں رہتا جیسے نئی بیوی سے شروع میں محبت کا بڑا جوش ہوتا ہے اور جب پرانی ہو جاتی ہے تو محبت جاتی نہیں بلکہ وہ محبت راسخ ہو جاتی ہے اور انس بڑھ جاتا ہے اس لئے جوش و خروش جاتا رہتا ہے غرضیکہ ہر وقت ایک کام کرنے سے اس میں لذت نہیں رہتی۔

لذت کی ایک عجیب حکایت

ایک امیر اور غریب کی حکایت یاد آگئی امیر نے دیکھا کہ غریب خوب موٹا تازہ سرخ سفید نکلا ہوا ہے پوچھا کہ بھائی تم کیا کھاتے ہو جو ایسے موٹے خوش و خورم ہو اس نے کہا کہ جناب میں بڑے مزے میں ہوں ہر مہینے تو نئی شادی کرتا ہوں اور ہمیشہ مزہ دار کھانا کھاتا ہوں امیر صاحب نے کہا کہ یار کھلاؤ تو معلوم ہو۔ غریب نے کہا کہ اچھا آج ہمارے یہاں تمہاری دعوت ہے امیر صاحب جب کھانے کے لئے آئے تو بڑی دیر ہو گئی کھانا ندارد' امیر صاحب کو بھوک لگی کہنے لگے کہ میاں کھانا لاؤ کہنے لگے کہ صاحب جلدی نہ کیجئے میری بیوی اکیلی پکانے والی ہے آپ کے یہاں تو مامائیں ہیں ملازم ہیں میں غریب آدمی ہوں تھوڑی دیر کے بعد پھر انہوں نے تقاضا کیا اس نے پھر حیلہ حوالہ کر دیئے جب بھوک سے بیقرار ہوئے تو گھر میں سے باسی روٹی اور چنے کا ساگ لا کر پیش کر دیا کہ سہارے کے لئے تھوڑا سا اگر دل چاہے اس میں سے کھا لو پھر کھانا تیار ہو جاوے گا امیر صاحب کو چونکہ

بھوک خوب لگی ہوئی تھی وہ کھانا اس قدر لذیذ معلوم ہوا کہ عمر بھر بھی ایسا کھانا نہ کھایا تھا اس لئے کہ اپنے گھر تو یہ تھا کہ صبح ہوئی ناشتہ موجود ہے اس کے بعد فواکہات آئے وہ کھائے کھانے کا وقت ہوا کھانا آیا اب بھوک کہاں اب سوچ رہے ہیں کہ کھائیں یا نہ کھائیں مصاحبوں نے عرض کیا کہ حضور کچھ کھا لیجئے کہنے سننے سے بلا رغبت اس میں سے بھی کچھ کھایا چونکہ کھایا بے بھوک اس لئے اب جوارش کمونی اور جوارش مصطگی کھا رہے ہیں حکیم صاحب بلائے جا رہے ہیں غرض چونکہ اشتہائے صادق سے کبھی کھانا نہ کھایا تھا اس لئے کھانے میں لذت بھی نہ آئی تھی اور یہاں ملا پوری بھوک پر تو خوب کھایا اس کے بعد پھر تازہ لذیذ کھانے حاضر کئے گئے تو اب کون کھاوے غریب نے کہا اس میں سے بھی کھائیے بہت لذیذ ہیں امیر نے کہا بس بھائی اس سے زیادہ لذیذ نہیں غریب نے کہا بس وہ لذیذ کھانا یہی ہے جو میں کھایا کرتا ہوں یعنی خوب بھوک میں کھاتا ہوں کہنے لگے واقعی بڑا لذیذ کھانا کھاتے ہو اچھا یہ تو کھانے کا قصہ ہوا اب بتلاؤ ہر مہینے شادی کا کیا قصہ ہے کہنے لگے کہ جناب میں کبھی اندر گھر میں نہیں سوتا ہمیشہ باہر سوتا ہوں جب مہینہ ختم ہوا اور میری عورت ایام معمولی سے نہا دھو کر فارغ ہوئی اس وقت میں اس کے پاس جاتا ہوں تو مجھ کو وہی لذت آتی ہے جو پہلی شب میں ہوتی ہے بخلاف آپ کے کہ ہر وقت آپ کا یہی شغل ہے حاصل یہ کہ جو لذت دائم ہو گی وہ لذت نہ ہو گی کسی وہمی کو یہ شبہ نہ ہو کہ شاید جنت میں بھی لذت منقطع ہو جاوے گی کیونکہ دائم ہو گی بات یہ ہے کہ اس عالم میں جو یہ ہمارا ادراک ہے یہ نہایت ضعیف ہے اور اشتیاق بھی محدود ہے اس لئے یہ ادراک اپنے ضعف کی وجہ سے لذات کو محسوس نہیں کرتا اور اشتیاق بھی ختم ہو جاتا ہے اور وہاں ادراک میں قوت ہو گی اشتیاق برابر بڑھتا چلا جائے گا جو چیز کھائیں گے نہایت اشتیاق سے کھائیں گے اس لئے لذت وہاں کی ختم نہ ہو گی اسی واسطے محققین نے فرمایا ہے کہ ذاکرین کو چاہیے کہ کوئی وقت فراغ کا نکالیں کہ اس میں سیرو تفریح میں مشغول ہوں تاکہ

طبیعت پھر تازہ ہو جاوے اور اگر یہ شخص خود نہیں نکلتا تو اللہ تعالیٰ خود اس کی مصلحت کی رعایت فرماتے ہیں کہ قبض طاری فرما دیتے ہیں جس سے یہ گھبراتا ہے پریشان ہوتا ہے اس کے بعد پھر بسط ہوتا ہے اور تازگی سابق عود کر آتی ہے بہر حال جو شخص ہر وقت کام میں لگا رہتا ہو کسی وقت بھی فارغ نہ ہوتا ہو سمجھ لو کہ یہ کچھ نہیں۔

جد کلہ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کسی نے کہا فلاں جد کلہ یعنی فلاں شخص سراپا جد ہے یعنی ہر وقت ضروری کام میں لگا رہتا ہے کسی وقت فارغ ہو کر دوستوں میں ہنستا بولتا نہیں فرمایا ہو ہزل کلہ یعنی وہ سراپا ہزل ہے یعنی وہ بیکار ہے۔

باکمال شخص

حاصل یہ کہ تین قسم کے لوگ ہیں اول تو وہ جو سب سے کنارہ کش ہوتے ہیں اور ذکر و عبادت میں مشغول ہیں کسی سے بولتے تک نہیں۔

اگر کوئی آتا بھی ہے تو خلوت خانہ سے برآمد نہیں ہوتے اگر کچھ بات کریں گے تو اشارہ سے جواب دیں گے ایسے شخص کو لوگ باکمال سمجھتے ہیں اور ایک وہ ہے جو رات دن ہنسی مذاق دل لگی لغویات فضولیات ہی میں رہتا ہے یہ دونوں کچھ نہیں۔ تیسرا وہ شخص ہے کہ وقت پر عبادت بھی کرتا ہے اور کسی وقت دوستوں میں ہنسی دل لگی کی باتیں بھی کرتا ہے توسط کو لئے ہوئے یہ شخص باکمال ہے غرض جو ہر وقت کام میں رہتا ہے وہ کسی نہ کسی وقت ضرور بیکار ہو جاوے گا ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص آیا اور بہت دیر تک باتیں کیں آخر میں عرض کیا حضرت میں نے آپ کی عبادت میں بڑا حرج کیا فرمایا کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ نماز پڑھنا ہی عبادت ہے بھائی دوستوں سے باتیں کرنا بھی عبادت ہے۔

مفہوم عبدیت

ایک مرتبہ حضرت نے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ الخ میں تخصیص جن وانس کی وجہ بیان فرمائی حالانکہ تمام مخلوق بالخصوص ملائکہ طاعت میں مشغول ہیں فرمایا کہ عبدیت محض طاعت اور آقا کی خدمت گذاری ہی کو نہیں کہتے کہ یہ تمام مخلوق میں مشترک ہے بلکہ عبدیت ایک خاص شان کی عبادت کو کہتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عبد کا کوئی خاص کام مقرر نہیں بلکہ وہ تو حکم کا بندہ ہے جو حکم مولی کا ہو اس کو وہ کرنا چاہیے بخلاف نوکر کے کہ اس کے لئے خاص کام معین ہے غلام کے لئے کوئی کام معین نہیں ایک وقت وہ ہو گا کہ مولا اس کو اپنا لباس پہنا کر اپنا منیجر بنا کر بھیجے گا ایک وقت وہ ہو گا کہ مولی اس سے اپنا پاخانہ پیشاب دھلوائے گا فرشتوں کی شان تو نوکر کی سی ہے کہ جو کام ان کو بتلا دیا گیا ہے اسی میں مشغول ہیں بعض رکوع میں ہیں بعض سجدہ میں ہیں بعض صور منہ میں لئے کھڑے ہیں بعض جان نکالنے کے لئے معین ہیں بعض مینہ برسانے کے لئے مخصوص ہیں بعض کو وحی کی خدمت سپرد ہے اور اسی طرح تمام مخلوق کی حالت ہے بخلاف انس و جن کے کہ ان سے ایک وقت میں کہا جاتا ہے کہ نماز پڑھو ایک وقت کہا جاتا ہے کہ پاخانہ میں جاؤ نماز مت پڑھو اور یہ تعجب کی بات نہیں حدیث شریف میں خود آیا ہے **لایصلی احدکم وھو حاقن** اور ایک وقت حکم ہے سو دوسرے وقت فرمان ہے کہ جاگو ایک وقت کہا جاتا ہے کہ قلم پکڑنا عبادت ہے دوسرے وقت سامان حرب میں اعداء دین سے مقابلہ کرنا عبادت ہے جیسے اللہ اللہ کرنا عبادت ہے اسی طرح قہقہہ لگانا بھی عبادت ہے اس لئے کہ معین ذکر ہے جیسے پہلی مثال میں بیان کیا کہ لکڑی بھی کھانے میں داخل ہے اسی واسطے فرمایا الا لیعبدون یعنی ان کو عبد بنانے کے لئے پیدا کیا غرض مختلف ہیئتوں سے یہ سب کام دوام ذکر ہی ہیں بشرطیکہ اس ہنسے بولنے میں بھی غرض یہی ہو کہ ذکر میں تجدید ہو ورنہ پھر غفلت میں داخل ہے الحاصل تیسرا درجہ انابت کا جو کہ مندوب ہے اس میں شرط یہ ہے کہ کوئی واجب ترک نہ ہو۔

خلاصہ وعظ

خلاصہ تمام تقریر کا یہ ہوا کہ انابت کے تین درجے ہیں ایک یہ کہ کفرو شرک چھوڑ دو دوسرا یہ کہ جو کام کرو خدا تعالیٰ کی رضا کے واسطے یا ناراضی سے بچنے کے لئے کرو تیسرا درجہ یہ کہ اشتغال باللہ ہر وقت ہو پہلا درجہ موقوف علیہ ایمان کا ہے دوسرا درجہ موقوف علیہ طاعت واجبہ کا ہے۔ تیسرا درجہ موقوف علیہ درجات قرب ہے اور بعض کو دوسرے ہی درجہ سے درجات قرب نصیب ہو جاتے ہیں جبکہ درجہ ثالثہ کی تحصیل کا سامان نہ ہو سبحان اللہ حق تعالیٰ کا کلام بھی کیا جامع ہے کہ دو لفظوں میں اس قدر مضامین آ گئے۔

ثمرہ انابت

اس کے بعد اس انابت کا ثمرہ ارشاد ہوتا ہے اور اسی سے میرا دعوے کہ انابت الی اللہ ایسی شئے ہے کہ اس سے دنیا و آخرت دونوں ملتی ہیں (جس کا شروع میں ذکر آیا ہے) ثابت ہو گا لَهُمُ الْبُشْرٰی یعنی ایسے لوگوں کے لئے بشارت ہے (بظاہر لَهُمُ الْبُشْرٰی میں بھی تین درجے نکلیں گے یعنی جس درجہ کی انابت ہو گی اسی درجہ کی بشارت بھی ہو گی چنانچہ جو انابت میں کامل ہیں وہ دنیا و آخرت دونوں میں خوش ہیں کہ کوئی غم نہیں ستاتا اور جو انابت میں کم ہیں وہ اس بشارت میں بھی کم ہیں علی ہذا القیاس ۱۲ ناقل) بشارت کو حق تعالیٰ نے مطلق ارشاد فرمایا ہے دنیا یا آخرت کے ساتھ خاص نہیں فرمایا اس لئے آیت میں بوجہ اطلاق کے بشری کا فرد کامل ہی مراد ہو گا اور حاصل آیت کا یہ ہو گا کہ ان مقبول بندوں کے لئے دنیا اور آخرت دونوں میں خوشی ہے اور دوسری آیت سے اس تعمیم کی تائید بھی ہوتی ہے' فرماتے ہیں اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ لَهُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ (یاد رکھو اللہ تعالیٰ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ (ناک واقعہ پڑنے والا) ہے اور نہ وہ (کسی مطلوب کے فوت ہونے

پر) مغموم ہوتے ہیں وہ (اللہ تعالیٰ کے دوست) ہیں جو ایمان لائے اور (معاصی سے) پرہیز رکھتے ہیں ان کے لئے دنیوی زندگی میں بھی (منجانب اللہ خوف و حزن سے بچنے کی) خوشخبری ہے۔

بشریٰ کا مفہوم

اب یہاں پر ایک شبہ ہوتا ہے وہ یہ کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رویائے صالحہ مبشرات میں سے ہیں اور اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بشرے سے آیتہ میں خاص رویاء صالحہ مراد ہے۔ جواب یہ ہے کہ حدیث سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ رویاء صالحہ بھی بشریٰ کی ایک فرد ہے اس کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ بشریٰ منحصر اس میں ہے چنانچہ من المبشرات فرمایا ہے حاصل یہ ہوا کہ دنیا میں بھی خوشی ہے اور آخرت میں بھی خوشی ہے۔ لیکن بعض نے دنیا کی خوشی سے موت کے وقت کی خوشی مراد لی ہے۔ چنانچہ آیا ہے **تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَنْ لَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا** (ان پر فرشتے اتریں گے کہ تم نہ اندیشہ کرو اور نہ رنج کرو) چنانچہ نیک بندوں کو موت کے وقت بھی خوشخبری دی جاتی ہے بہت سے مردوں کی اس قسم کی حکایت سننے اور دیکھنے میں آئی ہے۔ ایک دوست بیان کرتے تھے کہ ایک گاؤں میں ایک تیلن تھی جو بالکل ان پڑھ جاہل تھی جب وہ مرنے لگی تو نہایت فصیح عربی کے الفاظ اس کے منہ سے نکلے اس کے عزیز قریب سمجھے کہ ہذیان میں بک رہی ہے وہاں ایک شخص ذی علم ملازم سرکاری تھے کوئی ان کے پاس آیا اور کہا ذرا آپ تشریف لے چلئے اور سنئے کہ وہ کیا کہہ رہی ہے وہ گئے تو وہ کہہ رہی تھی **هذان الرجلان يقولان ادخلی الجنة** یعنی یہ دو آدمی مجھ کو کہتے ہیں کہ جنت میں چل میں نے ان لوگوں سے پوچھا یہ کیا عمل کرتی تھی۔ لوگوں نے کہا کہ جناب کچھ بھی عمل نہ کرتی تھی اور بڑی لڑاکا تھی البتہ ایک خصلت اس میں تھی وہ یہ کہ جب اذان ہوتی تھی تو کسی کو بولنے نہ دیتی تھی اور تمام لڑائی اس کی اسی پر

تھی اور کہا کرتی تھی کہ اللہ کا نام لیا جاتا ہے اور تم بولتے ہو۔ حق تعالیٰ کی رحمت ہے جس عمل کو چاہے پسند فرمالیں۔ اس قسم کے بہت سے قصے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ موت کے وقت بھی بشارت ہوتی ہے۔ غرض حدیث میں بشریٰ سے مراد رویاء صالحہ آیا اور بعض نے بشریٰ سے موت کے وقت کی بشارت مراد لی ہے اس سے معلوم ہوا کہ بشریٰ سے کوئی خاص بشریٰ مراد نہیں بلکہ بشریٰ یہاں عام ہے اور اس کے یہ سب مختلف افراد ہیں یہاں تک تو متبعین کے لئے دنیا و آخرت کی خوشی آیت سے ثابت ہوئی۔

حضرات اہل اللہ پریشان کیوں نہیں ہوتے

اب میں کہتا ہوں کہ مشاہدہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے' دیکھ لیجئے کہ حضرات اہل اللہ کسی وقت پریشان نہیں ہیں اور وہ خود تو کیا پریشان ہوں گے آپ کو جس وقت پریشانی ہو آپ ان کے پاس بیٹھ کر دیکھ لیجئے خود آپ کی پریشانی مبدل بہ اطمینان ہو جاوے گی اور کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ ہم لوگوں کو تو دنیا کی طرح طرح کی پریشانیاں اور تفکرات اور غموم ہیں اس لئے پریشان ہیں اور وہ آزاد ہیں اس لئے پریشان نہیں تو اس میں ان کے اہل اللہ ہونے کو کیا دخل سو اس کا امتحان یہ ہے کہ آپ ان کو ایسے وقت دیکھئے کہ جب ان پر کوئی واقعہ مصیبت کا ہو کہ جس میں آپ گھبرا جاتے ہوں ان کو آپ اس وقت دیکھیں گے کہ ان کی جمعیت میں مطلق ذرہ برابر فرق نہیں مثلاً ان کا بیٹا یا عزیز مرجاوے یا کوئی مالی نقصان پہنچے اس وقت ان کو دیکھئے میں یہ نہیں کہتا کہ ان کو رنج نہ ہو گا ان کے آنسو نہ بہیں گے' رنج بھی ہو گا روئیں گے بھی لیکن جس کا نام پریشانی ہے گھبراہٹ ہے اضطراب ہے' قلب کا تفرق ہے وہ مطلق نہ ہو گا دل سے راضی برضائے الٰہی ہوں گے بخلاف دنیا داروں کے کہ ایسے وقت پریشان ہوتے ہیں کہ ہائے اب کیا ہو گا دل کسی کام میں نہیں لگتا ہر وقت وہی دھن لگ جاتی ہے اور اہل اللہ مغموم بھی ہوتے ہیں اور اسی عین غم میں راضی بھی ہیں اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی شخص

کے دنبل نکل آیا اور ڈاکٹر نے یہ تجویز کیا کہ یہ بغیر شگاف کے اچھا نہ ہو گا تو وہ مریض بہت خوشی سے اس عضو کو نشتر زن کے سامنے کر دے گا۔ دیکھئے اس وقت اس کو نشتر لگانے کی تکلیف بھی محسوس ہو گی مگر اس پر دل سے راضی ہے اور جانتا ہے کہ اس میں میری بہبودگی ہے چنانچہ بعد نشتر لگانے کے وہ نائی انعام مانگتا ہے۔ حضور انعام لائیے چنانچہ خوشی سے اس کو انعام دیتے ہیں اگر ناراض ہوتا تو انعام کیوں دیتا اسی طرح اہل اللہ اگر بیمار ہوتے ہیں یا ان کا کوئی عزیز مرتا ہے تو تکلیف ضرور ہوتی ہے مگر اندر سے دل ان کا ہر وقت باغ باغ ہے کسی وقت پریشانی یا اضطراب نہیں بخلاف دنیا داروں کے کہ اگر کوئی بیٹا یا عزیز مرجاتا ہے تو حسرتیں اور ارمان آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بس جی برباد ہو گئے کیسا اچھا ہوتا کہ دس برس اور جیتا اور بعض تو اتنا بڑھتے ہیں کہ وہ حق تعالیٰ کی شکایت کرنے لگتے ہیں نعوذ باللہ منہ اور خواص اہل اللہ کی تو یہ شان ہے ہی ان کے عوام میں بھی ایسے ایسے موجود ہیں کہ خواہ کچھ گذر جائے مگر ان کی زبان سے بجز شکر کے کلمات کے اور رضا کے کچھ نہیں نکلتا۔ یہاں تھانہ بھون میں ایک خان صاحب تھے اکثر بیچارے سخت تکلیف میں رہتے لیکن جب کوئی پوچھتا تو ہنس کر یہی کہتے کہ اللہ کی رحمت ہے

اہل اللہ کا مختلف مذاق

اگر کوئی کہے کہ ہم نے تو اہل اللہ کو یہ کہتے سنا ہے کہ ہم کو بخار ہے سر میں درد ہے بات یہ ہے کہ بخار وغیرہ ظاہر کرنا دو طور سے ہوتا ہے ایک تو یہ کہ شکایت کے طور پر ہو اور قضائے الٰہی اور اپنی خواہش میں جو مزاحمت ہوتی ہے اور اپنی خواہش حاصل نہیں ہوتی اس لئے تنگ دل ہوتا ہے اور اپنا درد ظاہر کرتا ہے یہ تو مذموم ہے اور اس طور کا اظہار حضرات اہل اللہ میں نہیں ہوتا اور دوسری جہت اظہار مرض کی یہ ہے کہ اپنا عجز اور درماندگی اور قضا کے سامنے اپنی بیچارگی ظاہر کرنا مقصود ہے اور نیز مخاطب یعنی عیادت کرنے والے کا اکرام اور اس کے ساتھ خوش اخلاقی کا برتاؤ منظور ہے اس لئے کہ جو شخص آپ کی عیادت کے واسطے آیا

ہے اس کا مقصود یہ ہے کہ تمہارا ورد معلوم کر کے تمہارا شریک حال ہو اور غمخواری کرے اگر آپ نے خشک جواب دیا کہ جی اچھا ہوں یہ بد اخلاقی ہے اور یہ رضا نہیں ہے بلکہ بزبان حال آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم ایسے مضبوط ہیں کہ کوئی شے ہم کو از جارفتہ نہیں کر سکتی بعض اولیاء اللہ سے کسی نے پوچھا کہ اب تو آپ کی طبیعت اچھی ہے فرمایا کہ نہیں لوگوں نے کہا کہ کیا آپ مرض ظاہر کرتے ہیں فرمایا کہ کیا میں خدا کے سامنے پہلوان بنوں عجز ظاہر نہ کروں غرض حضرات اہل اللہ کا گو اس بارہ میں بھی مذاق مختلف ہے لیکن یہ امر مشترک ہے کہ تنگی قلب میں ہرگز ہرگز نہ ہوگی اور دنیا داروں سے جب سنا ہے شکایت ہی کے کلمات سنے گئے ہیں بلکہ کفر و شرک تک کے کلمات ان کی زبان سے نکلتے ہیں مجھ کو تو ایسے کلمات سے اس قدر نفرت ہے کہ کان سن نہیں سکتے غرض محبان دنیا کسی وقت بھی خدا تعالیٰ سے راضی نہیں ہیں خواہ غم پیش آوے یا خوشی بخلاف اہل اللہ کے کہ غم کے وقت ان کی جب یہ کیفیت ہے تو خوشی کے وقت تو کیا کہنا ہے خوشی کے وقت ان کو خوشی بھی اوروں سے زائد ہوتی ہے اگر کوئی شبہ کرے کہ جب انہوں نے سب کو چھوڑ دیا ہے تو ان کو دنیا کی خوشی کی بات سے خوشی کیوں ہوتی ہے بات یہ ہے کہ خوشی کی بات سے دنیا داروں کی خوشی تو اور طرح کی ہے اور ان کی خوشی اور نوع کی ہے دنیا دار تو نفس نعمت ہی پر خوش ہوتے ہیں اور اسی کو مقصود سمجھتے ہیں اور حضرات اہل اللہ اس لئے خوش ہوتے ہیں کہ یہ عطائے محبوب ہے ان کا سرمایہ لذت عطائے محبوب ہے نہ کہ کھٹائی' مٹھائی' نمک مرچ اس لئے ان کو خوشی بھی اوروں سے زائد ہوتی ہے اگر عاشق کو محبوب کی طرف سے مثلاً انبہ ملے اور وہ کھٹا اور گلا ہوا ہو تو وہ اسی کو بھی اسی قدر کے ساتھ کھائے گا جیسے کہ اور میٹھے اور لذیذ کو کھاتے ہیں غرض ہر نعمت میں ان کو اوروں سے زائد لذت ہوتی ہے حتیٰ کہ عورت کے ساتھ ہم بستری میں بھی ان کو اوروں سے زیادہ لطف آتا ہے ایک تو وجہ اس کی بیان ہو چکی اور دوسری وجہ اس کی عقلی بھی ہے وہ یہ کہ دنیا دار لوگ

تو اپنی شہوت کو مختلف طریقوں سے نکالتے ہیں کچھ آنکھوں کے ذریعہ سے کچھ کانوں سے کچھ ہاتھوں سے اب خرچ ہو کر جو باقی رہی وہ چونکہ بہت تھوڑی مقدار ہوتی ہے اس لئے لذت ان کو کم ہوتی ہے بخلاف دینداروں کے انہوں نے اپنی آنکھیں محارم سے پھوڑلیں قلب کو خطرات فاسدہ سے روکا ہاتھ کو تھاما اس لئے جو مادہ پیدا ہوا وہ اندر ہی رہا جب وہ اپنی بی بی سے ہم بستر ہوں گے تو ان کو بے حد لطف آئے گا پس معلوم ہوا کہ دنیا کا لطف بھی اگر ہے تو وہ بھی دیندار ہی کو ہے ان سے زیادہ کوئی خوش نہیں ہے

حکایت حضرت بہلول دانا رحمۃ اللہ علیہ

حضرت بہلول دانا نے کسی بزرگ سے پوچھا کہ کیا حال ہے کیسا مزاج ہے جواب دیا کہ اس شخص کا کیا حال پوچھتے ہو کہ جو کام دنیا میں ہوتا ہے وہ اس کے حسب خواہش ہوتا ہے بہلول اس جواب سے حیران ہوئے (اس لئے کہ یہ تو خدا تعالٰی کی ہی شان ہے) فرمایا کہ جس شخص نے اپنی خواہش کو خدا کی خواہش میں فنا کر دیا ہو تو جو کام دنیا میں ہوتا ہے سب اس کی خواہش کے موافق ہوتا ہے وہ کسی وقت پریشان نہیں ہوتے

کوئے نا امیدی مرو کامید ہاست

نا امید ہونے کی کیا ضرورت ہے ابھی تو بہت امیدیں موجود ہیں۔

لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ان کی شان ہوتی ہے اور کسی چیز سے تو ان کو کیا خوف ہوتا موت کہ جس سے سب بھاگتے ہیں اور نام سے اس کے ڈرتے ہیں اگر تصور بھی ہو جاوے تو دل دھڑکنے لگے اس سے تو ان کو خوف ہے ہی نہیں بلکہ خوف کیا ان کو اس پر مسرت اور اس کی تمنا ہوتی ہے۔ ایک صاحب حال کہتے ہیں۔

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم
راحت جاں طلبم وزپے جاناں بروم

نذر کردم کہ گر آید بسرایں غم روزے
تا در میکدہ شادان و غزلخواں بروم

(میں اس دن کتنا خوش ہوں گا جب اس ویران دنیا سے رخصت ہونگا محبوب حقیقی کی تلاش میں اور اسی کی رضا کی طلب میں روانہ ہو جاؤں گا میں نے منت مانی ہے کہ اگر کسی دن مجھے وہ گھڑی نصیب ہو تو میں خوشی اور مسرت میں گاتا ہوا جاؤں گا۔)

اور اگر کوئی شخص کہے کہ جناب فرصت میں باتیں بناتے ہیں جب مرنے کا وقت آیا ہو گا اس وقت یہ تمنائیں معلوم ہو گئی ہوں گی جواب یہ ہے کہ عین موت کے وقت بھی ان کی یہی حالت دیکھی گئی ہے چنانچہ ایک بزرگ عین موت کے وقت کہتے ہیں

وقت آں آمد کہ من عریاں شوم
جسم بگذارم سراسر جاں شوم

(وہ گھڑی آپہنچی کہ میں عریاں ہو جاؤں یعنی جسم کے لباس کو اتار دوں اور سراسر جان بن جاؤں)

حکایت حضرت سلطان الاولیاء

اگر کوئی کہے کہ یہ تو عین موت کے وقت کی حالت ہے ممکن ہے کہ بعد مرنے کے حقیقت معلوم ہوئی ہو اس لئے مرنے کے بعد کا بھی ایک قصہ سناتا ہوں وہ یہ کہ حضرت سلطان الاولیاء نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوئی تو ان کے ایک خلیفہ پر بجید غم طاری ہوا جب جنازہ اٹھا کر لے چلے تو ان کے منہ سے بے اختیار یہ شعر نکلے۔

سرو سیمینا بصرامے روی
سخت بے مہری کہ بے ما می روی
اے تماشا گاہ عالم روئے تو

تو کجا بہر تماشا میروی

ہمارے محبوب جو فخر گلشن تھا وہ بیابان کی طرف روانہ ہو رہا ہے یہ کیسی بے مجتی کی بات ہے کہ ہم نشیں چھوڑ کر جا رہا ہے اے محبوب تیرا چہرہ پورے عالم کا قبلہ دیدار تھا تو کس کا دیدار کرنے جا رہا ہے۔

لکھا ہے کہ حضرت سلطان جی کا ہاتھ کفن سے باہر نکلا یعنی اس حالت میں بھی وجد طاری ہوا اور وجد کمال اطمینان کے وقت ہوتا ہے خلاصہ یہ ہے کہ حضرات اہل اللہ کو دنیا میں برزخ میں آخرت میں کہیں غم نہیں وہ ہر وقت خوش ہیں۔

عاشقاں را روز محشر باقیامت کار نیست

عاشقاں را جز تماشائے جمال یار نیست

(عاشقوں کو محشر کے دن بھی بھلا قیامت سے کیا کام ان کو تو جمال یار ہی مطلوب و مقصود ہے اور وہ محشر کو بھی جمال یار ہی کے طلب ہو گے)

تحصیل علم واجب ہے

یہ ہے بشریٰ جس کی نسبت فرمایا ہے لھم البشری الحمد للہ میرا دعوے دلائل عقلیہ سے نقلیہ سے مشاہدہ سے ہر طرح ثابت ہو گیا یعنی یہ امر بالکل واضح ہو گیا کہ توجہ الی اللہ ہی وہ دولت ہے کہ جس سے دنیا اور آخرت دونوں ملتی ہیں۔

آگے فرماتے ہیں فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ یعنی میرے ان بندوں کو بشارت دے دیجئے جو بات توجہ سے سنتے ہیں پھر اچھی بات کا اتباع کرتے ہیں اس سے یہ مسئلہ مستنبط ہوا کہ تحصیل علم واجب ہے اس لئے کہ استماع قول کا حاصل علم ہی حاصل کرنا ہے اس لئے ضروری ہے کہ توجہ الی اللہ کے ساتھ علم دین بھی حاصل کرو میں یہ نہیں کہتا کہ سب مولوی بنو بلکہ مقصود یہ ہے کہ مسائل سے واقفیت حاصل کرو اردو کے رسائل ہی سہی اور اب تو بہت کتابوں کا ترجمہ اردو میں ہو گیا ہے اور اگر اردو نہ پڑھ سکو تو کم از کم ان کتابوں کو سن ہی لو آگے ارشاد ہے اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ یعنی یہ ۰۰ لوگ

ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے اور یہی لوگ عقل والے ہیں ہدایت کا استعمال اکثر نقل میں اور لب کا عقل میں آتا ہے مطلب یہ ہے کہ عقلاً" و نقلاً" توجہ الی اللہ اور تحصیل علم دین ضروری ہے عقلاً" تو اس لئے کہ عقلاء زمان دنیا میں جو کام کرتے ہیں راحت کے لئے کرتے ہیں اور یہ ثابت ہو چکا کہ راحت توجہ الی اللہ میں ہے اور نقلاً" خود ثابت ہی ہے نیز ھداھم اللہ ایک بشریٰ عاجلہ ہے اور نہایت عظیم خوشخبری ہے کہ اس سے زیادہ کوئی دل خوش کن بات نہیں ہے اس لئے دلائل صحیحہ سے جب یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ ہم ہدایت پر ہیں بے راہ نہیں ہیں تو اس سے بڑا بھاری اطمینان ہوتا ہے اس کو میں ایک مثال سے واضح کرتا ہوں۔

صراط مستقیم پر ہونا بہت بڑی نعمت و بشارت ہے

میں ایک مرتبہ سہارنپور سے لکھنؤ جانے کے واسطے ریل میں سوار ہوا میرے سوار ہونے کے ساتھ میرے ایک ہم وطن بھی سوار ہوئے اور اسی درجہ میں بیٹھے جس درجہ میں میں تھا میں سمجھا کہ یہ بھی لکھنؤ جاتے ہوں گے میں دوسرے ساتھیوں سے جو پہنچانے آئے تھے باتیں کرتا رہا اس خیال سے کہ یہ تو اب ریل میں آہی گئے ان سے تو گاڑی چھوٹنے کے بعد فراغت سے باتیں کریں گے اس لئے ان سے کوئی بات نہیں کی جب ریل چھوٹ گئی اس وقت میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کہاں جاتے ہیں کہا میرٹھ میں نے کہا کہ جناب یہ گاڑی تو لکھنؤ پہنچے گی میرٹھ تو دوسری گاڑی جاوے گی یہ سن کر حیران ہو گئے اور جاڑے کا موسم تھا نہ رضائی نہ کمل وہ اس خیال میں تھے کہ چند گھنٹہ میں میرٹھ چلا جاؤں گا اس زمانہ میں میرٹھ میں انہوں نے ایک اخبار جاری کیا تھا جب یہ سنا کہ لکھنؤ جاوے گی سخت پریشان ہوئے میں نے کہا کہ اب پریشانی سے کیا فائدہ گاڑی تو اب رڑکی سے ورے کہیں ٹھہرے گی نہیں اب خوامخواہ آپ پریشان ہوتے ہیں جو کچھ ہونا تھا ہو گیا باتیں کرلو اس وقت میری تو یہ حالت تھی کہ جوں جوں گاڑی آگے بڑھتی تھی

میری مسرت بڑھتی تھی اس لئے کہ سمجھتا تھا کہ مقصود قریب ہوتا جاتا ہے اور میں راہ پر چل رہا ہوں اور ان کی پریشانی بڑھتی تھی اس لئے کہ مقصود سے دور ہوتے جاتے تھے۔ اور سمجھتے تھے کہ میں بے راہ چل رہا ہوں اس حکایت سے معلوم ہوا کہ اپنے راہ پر ہونے کے علم سے بھی بڑی مسرت ہوتی ہے آخرت کی نعمت تو جب ملے گی لیکن اگر ہم کو یہاں دلائل صحیحہ سے معلوم ہو جاوے کہ ہم راہ پر ہیں یہ بھی بڑی بشارت اور نعمت ہے یہاں ہی سے اُولٰٓئِکَ عَلٰی هُدًی مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (یہ لوگ ہیں ٹھیک راہ پر جو ان کے پروردگار کی طرف سے ملی ہے اور یہ لوگ ہیں پورے کامیاب) کے معنے سمجھ میں آگئے ہوں گے کہ ہدایت سے مراد تو اس آیت میں دنیا میں اس کا علم ہوتا ہے جو کہ بشری عاجلہ ہے اور فلاح سے مراد اخروی فلاح ہے خلاصہ یہ ہے کہ توجہ الی اللہ نہایت ضروری ہے' ہم اور آپ مل کر توجہ الی اللہ کو اپنا سرمایہ سمجھیں اور اس کے مراتب میں سے اگر اعلیٰ نہ ہو تو متوسط درجہ (یعنی جو کام کرو حق تعالیٰ کی رضا کے لئے کرو یا کم از کم خلاف رضا نہ ہو) تو ضرور حاصل کریں۔ اب اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرماوے آمین۔

خواص الخشیة
خوف خدا کے خواص

خوف حق کے خواص و آثار کے متعلق تھانہ بھون مکان سراج الحق میں ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۳۰ ہجری کو خطاب فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ ونومن بہٖ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیات اعمالنا من یھدہ اللہ فلامضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھدان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ و نشھدان سیدنا و مولانا محمدا عبدہ و رسولہ صلی اللہ تعالی علیہ وعلی الہ واصحابہ وبارک وسلم

اما بعد۔ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَیْبِ لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّاَجْرٌ کَبِیْرٌ۔ وَاَسِرُّوْا قَوْلَکُمْ اَوِاجْھَرُوْا بِہٖ اِنَّہٗ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ہ اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ۔

(بے شک جو لوگ اپنے پروردگار سے بے دیکھے ڈرتے ہیں ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم مقرر ہے اور تم لوگ خواہ چھپا کر بات کہو یا پکار کر کہو اللہ تعالی کو سب کی خبر ہے کیونکہ وہ دلوں تک کی باتوں سے خوب واقف ہیں بھلا کیا وہ نہ جانے گا جس نے پیدا کیا ہے اور وہ باریک بین اور پورا باخبر ہے)

یہ تین آیتیں سورۃ ملک کی ہیں حق تعالی نے ان آیتوں میں ایک بہت بڑے عمل کی فضیلت بیان فرمائی ہے گویا کہ وہ عمل مفتاح الاعمال ہے اور اسی مضمون کی تاکید کے لئے کچھ مضامین بڑھائے ہیں اور وہ عمل خشیت اور خوف یعنی خدا تعالی سے ڈرنا ہے پس ان آیتوں میں اپنے سے ڈرنے کی فضیلت بیان فرمائی ہے یہ حاصل ہے اس مقام کا اجمالا"

خشیت اعمال صالحہ کی کنجی ہے

اور حقیقت اس فضیلت کی اس کے اثر میں غور کرنے سے معلوم ہو سکتی ہے اور وہ اثر ہی سبب ہوا ہے اس وقت بیان کرنے کا اور وہ اثر یہ ہے کہ یہ عمل یعنی خشیت کنجی ہے عمل صالح کی اور وہ دو عمل ہیں طاعات کو اختیار کرنا اور معاصی کو ترک کرنا۔ اور اگر کوئی کہے کہ گناہ نہ کرنا تو کوئی عمل نہیں اس لئے کہ عمل تو کسی شئے کا کرنا ہے اور یہاں نہ کرنا ہے مثلاً ہم اس وقت بیٹھے ہیں نہ چوری کر رہے ہیں نہ شراب پی رہے ہیں نہ کسی پر ظلم کر رہے ہیں تو یہ تو کوئی عمل نہیں پھر اس کو عمل صالح کے تحت میں داخل کرنا کس وجہ سے ہے بات یہ ہے کہ معاصی نہ ہونے کی دو صورتیں ہیں ایک تو بلا تعلق عزم کے اس حیثیت سے تو واقعی وہ عمل نہیں بلکہ عدم العمل ہے اور دوسری صورت یہ کہ ترک کا عزم کرنا اس اعتبار سے وہ بھی ایک عمل ہے اسی واسطے اس کو کف النفس سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس پر اجر بھی ہے۔

اعمال کی دو قسمیں

خلاصہ یہ کہ عمل کی دو قسمیں ہیں طاعات کا اختیار کرنا اور معاصی سے اپنے نفس کو روکنا خشیت ان دونوں کی مفتاح ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ طاعت نہ کرنا اور گناہ کرنا اس وجہ سے ہوتا ہے کہ اس وقت خوف خداوندی غالب نہیں ہوتا۔ غلبہ خوف کے ہوتے ہوئے کوئی وجہ نہیں کہ آدمی کسی طاعت کو چھوڑ دے یا کوئی گناہ کرے۔

خوف عقاب

دیکھ لیجئے کہ اگر استاد یا پیر یا باپ سامنے موجود ہو تو آدمی ان کے سامنے کوئی ناشائستہ حرکت نہیں کرتا تو اس کی کیا وجہ ہے۔ خوف ہی تو ہے جو اس کو مانع ہو رہا ہے اور یہ خوف دو وجہ سے ہوتا ہے یا تو خوف عقاب کا یا خوف ناراضی کا

یعنی یا تو یہ خوف ہوتا ہے کہ اگر میں اس امر کا ارتکاب کروں گا تو مجھ کو سزا ہو گی اور یا یہ ڈر ہوتا ہے کہ میرا آقا میرا مولا مجھ سے ناراض ہو جائے گا۔

خلاصہ یہ کہ کسی ناگوار کے احتمال سے خوف ہوتا ہے اور وہ امر ناگوار ایک سزا ہے ایک سخط مولیٰ۔ پس اس تقریر سے ثابت ہو گیا کہ خشیت ماموربہ کے کرنے اور منہی عنہ کے اجتناب کے لئے مفتاح ہے۔ چنانچہ دنیا کے معاملات میں اس کے نظائر بکثرت موجود ہیں محکوم جو حاکم کی مخالفت نہیں کرتا اور اس کی اطاعت کرتا ہے ان ہی دو امر کے خوف سے شاگرد جو استاد کی اطاعت کرتا ہے اس کی وجہ بھی یہی خشیت ہے مرید جو مشائخ سے سرتابی نہیں کرتے اس کا باعث بھی یہی ہے اسی طرح خالق تعالیٰ شانہ میں بھی سمجھ لینا چاہیے کہ جب کبھی مخالفت ہو گی یا کسی فرض و واجب کا ترک ہو گا اس وقت خدا تعالیٰ کا خوف غالب نہ ہو گا اور یہی وجہ ہے کہ ہم لوگ گناہوں پر دلیر ہیں اور اگر کوئی شبہ کرے کہ پھر چاہیے کہ ہم مومن بھی نہ رہیں اس لئے کہ اس پر اتفاق ہے کہ جیسے یاس کفر ہے اسی طرح خوف نہ ہونا بھی کفر ہے۔

خوف کے مراتب

حقیقت یہ ہے کہ خوف کے مراتب مختلف ہیں ایک خوف وہ ہے جو درجہ اعتقاد میں ہو یہ تو ادنیٰ درجہ ہے اور ایک وہ ہے جو درجہ حال میں ہو اور جبکہ مدار ایمان کا خوف پر ہے تو ایمان کے بھی اسی طرح دو مرتبے ہیں ایک وہ ایمان جو صرف درجہ اعتقاد تک محدود رہتا ہے یہ تو عوام کا ایمان ہے کہ جب قلب میں ٹٹولتے ہیں تو قیامت جنت دوزخ حساب کتاب سب کا حق ہونا قلب میں پاتے ہیں اور تحریک و تذکیر و ترغیب و ترہیب کے وقت وہی مستحضر ہو جاتا ہے اور باقی اوقات میں اس سے غافل ہیں سو یہ ایمان اعتقادی موقوف ہے خوف اعتقادی پر اور دوسرا درجہ ایمان کا وہ جو اعتقاد سے متجاوز ہو کر درجہ حال میں آگیا ہے یہ خواص کا ایمان ہے کہ ایک خاص حالت ان پر رہتی ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ علوم

اجمال کے درجہ میں ان کو ہروقت مستحضر رہتے ہیں کسی وقت نہیں بھولتے ان کو ایک ملکہ راسخہ حاصل ہو جاتا ہے جس کو یاد واشت کہا جاتا ہے جیسے کسی کو کسی سے محبت ہو جاتی ہے تو دیکھئے کہ ہروقت اس کا خیال رہتا ہے یا کسی مقدمہ کا خوف ہو جاتا ہے ہروقت اس کا دھیان رہتا ہے حتٰی کہ بیٹھے لیٹے کھانا کھانے میں سونے میں کسی وقت اس کو نہیں بھولتا یا کوئی مرض وبائی پھیلتا ہے تو بعض لوگوں کو ہروقت اسی کا اندیشہ ہوتا رہتا ہے حتی کہ بعض تو اس خوف کی وجہ سے مر بھی جاتے ہیں اسی طرح جب کسی کو خدا تعالی سے تعلق ہو جاتا ہے تو وہ کسی وقت بھولتا نہیں اور یہ ایمان حالی موقوف ہے خوف حالی پر بس یہ شبہہ جاتا رہا اور اس استحضار کا جو ایمان حالی و خوف حالی سے ہوتا ہے یہ اثر ہے کہ آدمی اس سے ہروقت متاثر رہتا ہے ایسے بندے مقبول اور اہل نسبت کہلاتے ہیں ایسے لوگوں کا ایمان ہروقت تازہ رہتا ہے مولانا اسی کو فرماتے ہیں۔

تازہ کن ایمان نہ ازگفت زباں
اے ہوا را تازہ کردہ درنہاں

(یعنی ایمان کو صدق دل سے تازہ کرو صرف زبان سے کہنا کافی نہیں تم نے تو باطن میں خواہشات نفسانی کو تازہ کر رکھا ہے)

ایمان تازہ رکھنے کا حکم

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے جو ایمان کے تازہ رکھنے کا حکم فرمایا ہے ان حضرات کی حالت و عمل بالکل اسی کے موافق رہتی ہے اور اسی لئے وہ ہروقت خدمت حق کے لئے تازہ رہتے ہیں کسی وقت ملول نہیں ہوتے۔ یوں طبعی تکان تو ان حضرات کو بھی بمقتضائے بشریت ہو جاتا ہے مگر قلبی تکان نہیں ہوتا جیسے شوقین طلبہ کسی وقت ملول نہیں ہوتے یعنی جی نہیں اترتا تھک جاتے ہیں اور جیسے کسی محبوب کی طلب میں عاشق ہروقت تازہ رہتا ہے تھک بھی جاتا ہے اور اسی تازگی کے سبب کبھی یاس اور ناامیدی ان کے پاس نہیں آتی جیسے مولانا

فرماتے ہیں۔

کوئے نومیدی مرو کامید ہاست
سوئے تاریکی مرو خورشید ہاست

(یعنی نا امیدی کی راہ مت چلو اللہ تعالیٰ سے بہت امیدیں ہیں ظلمت کی طرف مت جاؤ بہت سے خورشید بھی ہیں)

خاصیت ایمان

اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ایمان کی خاصیت ہے کہ اس سے ہر وقت تازگی بشاشت انشراح مومن کے قلب میں رہتا ہے اسی کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ (سو جو لوگ ایمان دار ہیں اس صورت نے تو ان کو ایمان میں ترقی دی ہے اور خوش ہو رہے ہیں) اگر کوئی کہے کہ اہل سلوک کو قبض بھی تو پیش آتا ہے تو حقیقت یہ ہے کہ وہ تازگی مذکور اور آثار ایمان کے ان کے قلب میں اس وقت بھی ہوتے ہیں لیکن ان کو قبض کے وقت اس طرف التفات نہیں رہتا اسی واسطے جب وہ کسی محقق سے رجوع کرتے ہیں اور وہ ان کو حقیقت سے آگاہی دیتا ہے تو پھر وہ ہی بشاشت پانے لگتے ہیں کوئی نئی کیفیت پیدا نہیں ہوتی اسی بشاشت سابقہ کا ظہور ہو جاتا ہے۔ غرض ان حضرات پر اس حالت کا غلبہ رہتا ہے۔ گو ضعف کسی وقت ہو جاتا ہے لیکن مطلق تازگی ہر وقت رہتی ہے غرض جس طرح ایمان کے دو درجے ہیں ایک اعتقاداً" اور ایک حالاً" اور اسی طرح خوف چونکہ مدار ایمان کا ہے اس کے بھی ایسے ہی دو درجے ہیں ایک درجہ اعتقاد کا اور ایک درجہ حال کا کہ ہر وقت اس کا اثر غالب رہے اور خوف اعتقادی کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص جو مجسٹریٹ ضلع اور عدالت اور جیل خانے سے غائب ہے کبھی اس کو دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تو حاکم سے ڈرتا تو وہ بھی ہے لیکن یہ خوف اعتقاد میں ہے اس پر حالت کا غلبہ نہیں اور ایک وہ شخص کہ حاکم اور مجلس حکم اس کو ہر وقت پیش نظر ہے اور جیل خانہ اور قیدی اور ہتھکڑی ہر وقت اس کے

سامنے ہے اس پر جس خوف کا غلبہ ہو گا یہ خوف حالی ہے پس عوام کی نسبت یوں نہ کہیں گے کہ خوف نہیں ہے خوف ضرور ہے لیکن اعتقادی ہے جو نفس ایمان کے لئے کافی ہے البتہ جیسا خوف ہے اسی درجہ کا ان میں ایمان بھی ہے اب کوئی اشکال نہیں رہا۔

کمال ایمان کی نفی

اور یہاں سے اس حدیث کے معنی بھی معلوم ہو گئے کہ حدیث میں آیا ہے **لا یزنی الزانی وھو مومن ولا یسرق السارق وھو مومن** (یعنی نہیں زنا کرتا کوئی زنا کرنے والا اس حال میں کہ وہ مومن کامل ہو اور نہیں چوری کرتا کوئی چوری کرنے والا اس حال میں کہ وہ مومن کامل ہو یعنی چوری و زنا کی حالت میں ایمان کامل نہیں رہتا) یعنی جس وقت گناہ کیا گیا اس وقت چونکہ خوف درجہ حال میں نہیں ہے اس لئے ایمان بھی اسی درجہ کا منفی ہے پس اس حدیث میں کمال ایمان کی نفی ہے نہ کہ نفس ایمان کی نفی اسی لئے حضرات شراح حدیث اہل سنت نے اس حدیث میں مومن کے معنی مومن کامل کہے ہیں جس کو طلباء محض تاویل سمجھتے ہیں لیکن اس تقریر سے واضح ہو گیا ہو گا کہ حقیقت پر محمول ہے اس لئے کہ تقسیم کا اپنی ہر قسم پر صادق آنا حقیقتہ" ہی ہوتا ہے بلکہ عرفا" تو مطلق کا اطلاق اکثر کامل ہی پر ہوتا ہے۔ مثلاً کھانا ایک لقمہ کو کوئی نہیں کہتا تو اس کا مقتضا تو یہ تھا کہ ادنیٰ ایمان کو ایمان ہی نہ کہا جاتا مگر یہ محض حق تعالیٰ کا فضل ہے ایسے ایمان کو بھی انہوں نے ایمان میں شمار کیا ہے غرض وہ اشکال بلواحقہ بالکل صاف ہو گیا اور یہ تمام تر تقریر حدیث کے متعلق اہل علم کے یہاں موجود ہونے کی وجہ سے کی گئی ہے اب میں اصل مقصود کی طرف رجوع کرتا ہوں یعنی تقریر ابتدائی سے یہ ثابت ہوا کہ جب آدمی خدا تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے اس وقت خوف نہیں ہوتا یعنی ایسا خوف نہیں ہوتا جیسا کہ ایک کلکٹر کو دیکھ کر چپڑاسی کو ہوتا ہے اور جیسے کسی کو یہ خبر ملی ہو کہ تمہارے گھر کا محاصرہ ہو گیا ہے اگرچہ وہ جانتا ہے کہ میں بری ہوں اور اس محاصرہ سے کچھ نہ ہو

گا۔ مگر جو حالت خوف کی اس وقت ہوتی ہے گناہ کرتے ہوئے ایسی نہیں ہوتی افسوس ہے کہ ایک ادنیٰ حاکم جو خدا کے سامنے کسی درجہ میں بھی نہیں اس کا تو اتنا خوف اور مالک حقیقی اور احکم الحاکمین کا خوف کچھ نہیں کہ کس دلیری سے اس کی مخالفت کرتے ہو۔

شفاعت کبریٰ

صاحبو! میں تو یہ کہتا ہوں کہ اگر خدا تعالیٰ تم کو کچھ عذاب بھی نہ دیں صرف کھڑا کر کے اتنا پوچھ لیں کہ ارے ظالم تجھ کو ہمارا اتنا بھی خوف نہ تھا کہ جتنا اپنے چھوٹوں سے ہوتا ہے تو اس وقت جو ذلت و شرمندگی ہوگی اسی کا خوف گناہ سے بچنے کے لئے کافی ہے کیونکہ ایسے موقع پر آدمی یہ چاہا کرتا ہے کہ بلا سے دوزخ میں چلا جاؤں لیکن یہاں سے مجھ کو خلاصی ہو چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے جب سب اولین و آخرین قبور سے اٹھائے جائیں گے اور مجرمین کو سخت ذلت و پریشانی ہوگی تو سب بے قرار ہوں گے کہ کسی طرح یہاں سے نجات اور خلاصی ہو اور آپس میں مشورہ کریں گے کہ کیا تدبیر کریں چنانچہ اس پر سب کا اتفاق ہوگا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام چونکہ مقبول بندے اور بے گناہ ہیں ان کی خدمت میں عرض کریں تاکہ وہ ہماری اس بات میں شفاعت کریں پس سب جمع ہو کر آدم علیہ السلام کی خدمت میں آئیں گے اور عرض کریں گے کہ آپ صفی اللہ ہیں اور آپ کو اللہ نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے آپ دعا فرمائیے اور شفاعت فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو یہاں سے خلاصی دیں وہ فرمائیں گے کہ میرا یہ منصب نہیں ہے اور شجر کے کھانے کا عذر فرمائیں گے پھر نوح علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام بھی یہی جواب دیں گے اور اپنے اپنے عذر ذکر کریں گے حتیٰ کہ فخر عالم رسول مقبول صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی خدمت میں آئیں گے آپ سب کی شفاعت فرمائیں گے کہ اس میدان سے نجات ہو یہ شفاعت کبریٰ کہلاتی ہے اس کے بعد سب کو موقف سے نجات ہوگی اور حساب و کتاب شروع ہوگا اور اس میں مومنین و

کافرین سب داخل ہیں یہ حدیث کا حاصل ہے اس میں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ سب مومنین و کافرین جو اس مقام سے خلاصی چاہیں گے اس کی کیا وجہ ہے یہ تو کہہ نہیں سکتے کہ اس وقت سب کو یہ گمان ہو گا کہ ہم سب یہاں سے چھوٹ کر بہشت میں چلے جائیں گے اس لئے کہ حقائق وہاں منکشف ہوں گے مغیبات مشاہدہ ہوں گے چنانچہ فرماتے ہیں **فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ** (سو اب ہم نے تجھ پر سے تیرا پردہ غفلت اٹھا دیا سو آج تیری نگاہ بڑی تیز ہے) اور کفار کو معلوم ہو گا کہ ہم معذب ہوں گے تو پھر خلاصی پا کر دوزخ میں جانا کیوں گوارا کیا وجہ اس کی یہی ہے کہ چونکہ وہاں اولین و آخرین جمع ہوں گے ان سب کے سامنے رسوا ہونے سے بچنا چاہیں گے۔ طبعی بات ہے کہ آدمی رسوائی سے بچنے کے لئے سزا اور تکلیف کو اختیار کر لیتا ہے اور عام رسوائی میدان قیامت میں ہو گی دوزخ میں نہ ہو گی چنانچہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ دوزخ میں ہر کافر کو ایک صندوق میں بند کر کے الگ الگ آگ میں دفن کر دیا جائے گا پھر وہاں تاریکی بھی ہو گی کوئی ایک دوسرے کو نہ دیکھے گا **وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا** (جو کچھ انہوں نے کیا وہ سب موجود پائیں گے) اس کی تفسیر میں حضرت استاذی مولانا محمد یعقوب صاحب قدس سرہ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ گناہ کو اس کی صورت میں دکھلایا جائے گا مثلاً اہل محشر کو یہ معلوم ہو گا کہ چور نقب دے رہا ہے زانی زنا کر رہا ہے اور اس کو بعید نہ سمجھا جائے دیکھئے بائیس کوپ میں اچھی خاصی دوڑتی ہوئی صورتیں دکھائی دیتی ہیں اور دیکھا جاتا ہے کہ وہ تلوار لگی اور سر کٹ گیا اور گولا پھٹا اور توپ چلی۔ جب مخلوق کو ایسی قوت دی ہے کہ وہ واقعات گذشتہ کو ہو بہو دکھلا دیتے ہیں تو کیا خداوند تعالیٰ گناہوں کو ان کی صورت میں نہیں دکھلا سکتے ضرور اس سے زیادہ پر قادر ہیں۔

صورت گناہ

اور یہ تفسیر حضرت استاذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس وقت فرمائی تھی کہ جب

یہ آلہ ایجاد بھی نہ ہوا تھا۔ حضرات یہ مضمون تو بڑے خوف کا ہے ہم لوگ جو مولوی بنے ہوئے دوسروں کو نصیحت کرتے ہیں ہماری یہ حالت ہے

واعظاں کیں جلوہ برمحراب و منبر میکنند
چوں بخلوت میر سند آں کار دیگر میکنند

(یعنی بے عمل واعظ محراب و منبر پر رونق افروز ہو کر دوسروں کو وعظ و نصیحت کرتے ہیں اور جب خلوت میں پہنچتے ہیں تو دوسرے کام کرتے ہیں یعنی خلاف شریعت کام کرتے ہیں)

پس تو ہمارے وہ اعمال اگر اس طور سے حاضر کئے گئے تو کس قدر رسوائی ہو گی اور جو ہمارے وعظوں کے مخاطب تھے وہ کیا کہیں گے کہ یہ ہمارے ناصح ہیں باتیں کیا کرتے تھے اور کام کیا کرتے تھے اور اگر کوئی کہے کہ یہ تفسیر ظنی ہے تو لیجئے میں دوسری دلیل رسوائی کی پیش کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ فرشتے پکار پکار کر کہیں گے وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (اعمال کے گواہ فرشتے یوں کہیں گے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی نسبت جھوٹی باتیں لگائی تھیں سب سن لو کہ ایسے ظالموں پر خدا کی زیادہ لعنت ہے جو کہ دوسروں کو بھی خدا کی راہ یعنی دین سے روکتے تھے) اور اسی واسطے اس دن کو اللہ تعالیٰ نے یوم التناد بھی فرمایا ہے غرض یہاں یہ رسوائیاں ہوں گی پس اسی رسوائی سے بچنے کے لئے اس میدان سے کفار بھی خلاصی چاہیں اگرچہ جانیں گے کہ یہاں سے سیدھے دوزخ میں جائیں گے مگر اس حیثیت خاص سے اس کو آہون سمجھیں گے تو صاحبو! اگر قیامت کے متعلق ہم کو یہ بھی اطمینان دلایا جائے کہ ہم تم کو دوزخ میں نہ بھیجیں گے لیکن یہ ضرور پوچھتے رہیں گے کہ نالائق تو نے یہ کیا کیا کہ جس قدر اپنے چھوٹوں سے ڈرا کرتا تھا اتنا بھی ہم سے نہیں ڈرا اور وہ پوچھنے کا وقت بھی ہو گا کہ حق تعالیٰ کے تمام صفات و جاہ و جلال اور اللہ تعالیٰ کی مالکیت اور قہاریت اور اپنی مملوکیت و مقہوریت پیش نظر ہو

گی تو واللہ یہ بھی مر جانے کی جگہ ہے چہ جائیکہ یہ سوال بھی ہو اور دوزخ بھی ہو اور روحانی ذلت بھی ہو اور جسمانی کلفت بھی ہو تو کیا یہ مجموعہ بھی خوف کے لئے کافی نہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ تحصیل خوف کے لئے بس اتنا سوچ لینا بھی کافی ہونا چاہیے کہ اگر تجھ سے یہ سوال ہو گیا تو تیرے پاس کیا جواب ہے اور مجموعہ تو بہت زیادہ درجے میں اکفی ہونا چاہیے۔ پس اپنے دل میں خوف پیدا کرو جب خوف پیدا ہو گا تو پھر کوئی گناہ نہ ہو گا اس لئے کہ خوف ہی نہ ہونے کی وجہ سے سب خرابیاں ہیں جتنا جتنا خوف پیدا ہوتا جائے گا اسی درجہ کی خرابیاں دفع ہوتی جائیں گی کیونکہ خوف کے مراتب مختلف ہیں بعض کو تو اتنا ہی خوف ہوتا ہے کہ وہ خوف ان کو صرف کفر سے باز رکھتا ہے اور بعض کو کبائر سے روکتا ہے اور بعض کو صغائر سے بھی ہٹا دیتا ہے اور بعض پر ایسا خوف ہوتا ہے کہ خلاف اولیٰ سے بھی وہ بچتا ہے اور بعض جو حیا کی وجہ سے بچتے ہیں تو حیا بھی ایک قسم کا خوف ہی ہے حیا کی وجہ سے جو کیفیت پیدا ہوتی ہے وہ بھی واقع میں ایک خوف کی ہی وجہ سے ہوتی ہے اور وہ خوف اس کا ہوتا ہے کہ دیکھنے والا کیا کہے گا غرض خوف کہو یا حیا اس کا ایک درجہ یہ بھی ہے کہ جب مقبولان الٰہی پر جب اس کا غلبہ ہوتا ہے تو بعضے جائز کام بھی وہ نہیں کر سکتے اور کبھی کرتے ہیں تو ان کو تنبیہ بھی کر دی جاتی ہے چنانچہ ایک بزرگ پاؤں پھیلائے ہوئے خلوت میں بیٹھے تھے الہام ہوا کہ او بے ادب ہمارے سامنے پاؤں پھیلائے ہوئے بیٹھا ہے۔

ملامت کی قسمیں

اس پر اگر کوئی طالب علم شبہ کرے کہ پاؤں پھیلانا جائز ہے یا نہیں اگر نہیں تو دلیل کیا ہے اور اگر جائز ہے تو عتاب کیوں ہوا۔ جواب یہ ہے کہ بلاشبہ جائز ہے لیکن ملامت کی قسمیں مختلف ہیں یہ ملامت گناہ ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ ملامت خصوصیت کی وجہ سے ہے اور اگر یہ شبہ ہو کہ ہم پوچھتے ہیں کہ اس الہام کو اگر نہ مانیں تو گناہ ہو گا یا نہیں اگر نہ ہو گا تو ملہم اور غیر ملہم میں کیا فرق

ہوا عوام کو بھی گناہ نہیں ہوتا۔ اس کو بھی نہیں ہوا۔

الہام کی مخالفت سے دنیا کا ضرر ہوتا ہے

پھر خصوصیت کیا ہوئی اور اگر ہوتا ہے تو الہام بھی حجتہ شرعیہ ہوا حالانکہ وہ حجتہ شرعیہ نہیں اس کا جواب نہایت قابل قدر ہے وہ یہ ہے کہ الہام کی مخالفت سے گناہ تو نہیں ہوتا ہے مگر دنیا کا ضرر ہو جاتا ہے اور دنیا کے ضرر کی دو قسمیں ہیں ایک قسم تو یہ ہے کہ مال یا جان کا ضرر ہو جائے۔ سو الہام کی مخالفت میں کبھی یہ ضرر بھی ہو جاتا ہے چنانچہ ایک بزرگ کسی سے ملنے کے لئے چلے الہام ہوا کہ مت جاؤ بیٹھ گئے پھر چلے پھر الہام ہوا کہ مت جاؤ تیسری بار اٹھے تھے کہ ٹھوکر لگی اور گر پڑے بہت چوٹ لگی ان کو بہت تعجب ہوا تحقیق سے معلوم ہوا کہ وہ شخص بدعتی تھا اگر یہ بزرگ وہاں جاتے تو عوام کے دین میں فتنہ ہوتا دوسری قسم دنیا کے نقصان کی یہ ہے کہ ذوق و شوق میں کمی آجائے اور الہام کی مخالفت سے زیادہ اسی نوع کا نقصان ہوتا ہے اور ذوق و شوق کو جو دنیا کی شے کہا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک نفسانی کیفیت غیر مختص باہل الدین ہے گو وہ بعض احوال میں معین الدین بھی ہو مگر مطلوب بالذات نہیں بلکہ بعض اوقات اس کا نہ ہونا اس کے ہونے سے زیادہ نافع ہوتا ہے جیسے کوئی نماز پڑھتا ہو لیکن نماز میں اس کا جی نہیں لگتا لیکن وہ جبر کر کے نفس پر نماز پڑھتا ہے یہ شخص اس حالت کے اعتبار سے اس سے افضل ہے جس کو ذوق و شوق ہو۔ کیونکہ یہ زیادہ مجاہدہ کر رہا ہے اور اسی واسطے ثواب بھی اس کا زیادہ ہے اگر کوئی کہے کہ پھر ذوق و شوق کیوں مطلوب ہے بات یہ ہے کہ خود نفس پر یہ اعتماد نہیں ہے کہ ہر وقت کام کرے گا اور جب اس کے اندر ایک محرک یعنی ذوق و شوق پیدا ہو جاتا ہے تو طاعات آسانی سے ہونے لگتی ہیں پس ذوق و شوق کو خود قرب الٰہی میں کوئی دخل نہیں لیکن بعض احوال میں معین ہو جاتا ہے غرض فی نفسہ یہ دنیا کی چیز ہوئی پس اگر یہ ذوق و شوق کم ہو جائے گا تو یوں کہیں گے کہ دنیا کا نقصان ہوا اس لئے کہ نفع عاجل جو دین کا جزو نہ

ہو وہ دنیا ہی کا نفع ہے اور دین کا نقصان وہ کہلاتا ہے جس پر کوئی سزا یا وعید یا حرمان ثواب ہو اور ذوق و شوق ایسی چیز نہیں پس مخالفت الہام سے کبھی کبھی اس قسم کا نقصان ہو جاتا ہے غرض ان بزرگ پر جو پاؤں پھیلانے پر عتاب ہوا پس اسی وقت ان بزرگ نے پاؤں سمیٹ لیے اور ساری عمر نہیں پھیلائے یہ تو ایک پرانے بزرگ کا واقعہ ہے نیا واقعہ لیجئے

سید الطائفہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ادب اور حیا

حضرت حاجی صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خاص خادم بیان کرتے تھے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ جب لیٹتے تھے پاؤں نہ پھیلاتے تھے اول اول تو میں سمجھا کہ شاید کوئی اتفاقی بات ہو گی مگر جب مدتوں تک اسی طرح دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ایسا قصداً" کرتے ہیں میں نے پوچھا کہ حضرت اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ پاؤں نہیں پھیلاتے فرمایا ارے باولے اپنے محبوب کے سامنے کوئی پاؤں بھی پھیلایا کرتا ہے۔

اور ایک دوسری حکایت ایسے ہی حیا اور ادب کی اور لیجئے وہی خادم کہتے ہیں کہ ایک بار حضرت قدس سرہ کے واسطے ایک شخص نے سیاہ رنگ کا جوتہ بھیجا تو حضرت نے اس کو پہنا نہیں میں نے عرض کیا کہ حضرت لوگ تو آپ کے لئے اس واسطے بھیجتے ہیں کہ آپ اس کو استعمال فرمائیں۔ فرمایا کہ اس کا رنگ سیاہ ہے اور جب سے مجھ کو خانہ کعبہ کا غلاف سیاہ معلوم ہوا ہے تب سے میں نے سیاہ رنگ کا جوتا نہیں پہنا اس لئے کہ خلاف ادب معلوم ہوتا ہے اور اسی طرح جب سے روضہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا غلاف سبز دیکھا ہے سبز رنگ کا جوتا نہیں پہنا پس ان حضرات پر خوف اور حیا کا ایسا غلبہ ہوتا ہے کہ مباحات تک کو ترک کر دیتے ہیں پس ثابت ہوا کہ ہمارے تمام امراض کا سبب یہ ہے کہ ہمارے دلوں میں خوف نہیں ہے اس لئے میں نے اس آیت کو اختیار کیا ہے اور گو یہ خوف واجب ہے مگر میں نے بجائے دلائل وجوب کے محض فضیلت کی آیت اس لئے اختیار کی ہے کہ

فضیلت سے زیادہ رغبت پیدا ہوتی ہے اور ترغیب کا اثر بہ نسبت ترہیب کے اکثر طبائع ضعیفہ میں زیادہ ہوتا ہے اور آج کل طبائع ضعیفہ کی کثرت ہے پس ارشاد ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ یعنی جو لوگ اپنے رب سے غیب میں ڈرتے ہیں ان کے لئے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔

خوف کا اعتدال

اب یہاں یہ امر قابل غور اور نتیجہ خیز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یخشون کا تعلق لفظ ربھم سے فرمایا یعنی یہ فرمایا کہ جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور یخشون اللہ نہ فرمایا۔ اس میں تعدیل خوف کی طرف اشارہ ہے مخلوق کے کلام میں ایسی رعایات نہیں ہوتی ہیں اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلام بشر کا نہیں خالق کا کلام ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ خوف کے اندر دو خاصیتیں ہیں ایک تو یہ کہ گناہوں سے روکتا ہے جیسے مدلل پہلے معلوم ہو چکا ہے یہ تو جب ہے کہ خوف درجہ اعتدال میں ہو۔ اور دوسرا خاصہ یہ ہے کہ طاعت سے بھی روک دیتا ہے یہ اس وقت ہے کہ فوق الحد ہو دنیوی امور میں ہم اس کی نظائر بکثرت دیکھتے ہیں کہ جب کسی امر کا زیادہ خوف ہوتا ہے تو کام نہیں ہوتا ہے جیسے کوئی شخص کوئی مضمون لکھ رہا ہو اور کوئی ایسا شخص جس کو وہ اپنے استعداد میں زیادہ سمجھتا ہو دیکھنے لگے تو ہرگز نہ لکھا جائے گا امتحان میں وہ طلبہ جن پر ممتحن کا خوف غالب ہو جاتا ہے ناکام ہو جاتے ہیں علی ہذا بہت سے نظائر سے یہ امر ثابت ہے کہ غلبہ خوف میں کام نہیں ہوتا جیسا کہ اگر بالکل خوف نہ ہو تو کام نہیں ہوتا اور اسی لئے زندگی میں حکم ہے اِتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا (اپنے رب سے ڈرو) یعنی خشیت اور مرنے کے وقت ارشاد ہوتا ہے لَا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ (تم نہ اندیشہ کرو اور نہ رنج کرو اور تم جنت کے ملنے پر خوش رہو) اور یہی منشاء ہے اس ارشاد کا کہ جو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ زندگی میں تو خوف کا غلبہ ہونا چاہیے تاکہ گناہوں سے بچا رہے کیونکہ وہ وقت عمل کا ہے اور موت کے وقت

امید کا غلبہ ہونا ضرور ہے اس لئے کہ وہ وقت لقاء حق کا ہے اور اللہ تعالی سے امید لے کر ملنا چاہیے تاکہ بمقتضائے انا عند ظن عبدی بی (یعنی میں اپنے بندے کے گمان کے نزدیک ہوں جو اس کو میرے ساتھ ہے) یہ شخص مورد رحمت ہو۔ لیکن غلبہ خوف سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ حد سے متجاوز ہو جائے یہاں غلبہ مقابلہ میں امید کے ہے یعنی امید سے زیادہ خوف ہو۔

سالکین مستہلکین

اس لئے کہ پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ جب خوف فوق الحد ہوتا ہے تو وہ مانع طاعات بن جاتا ہے چنانچہ بہت سے سالکین پر جب خوف کا غلبہ ہو گیا ہے تو طاعات چھوڑ بیٹھے ہیں۔ بعض نے نماز چھوڑ دی ہے کسی نے ذکر چھوڑ دیا ہے اصطلاح صوفیہ میں ان کو سالکین مستہلکین کہتے ہیں۔ ایسے لوگ مقبول مقرب نہیں ہوتے۔ اور یہ لوگ اپنی خود رائی کی وجہ سے ایسے گڑھے میں گرتے ہیں کہ تمام عمر اس سے خلاصی نہیں ہوتی ایسے وقت رہبر کامل کی ضرورت ہے وہ یہ تدابیر اس مہلکے سے نکال لیتا ہے۔ اور تدابیر متعلقہ تدبیر باطن بعض مرتبہ ایسی لطیف ہوتی ہیں کہ عوام کا فہم ان کے ادراک سے قاصر ہوتا ہے بلکہ ان کو بادی النظر میں نا مناسب سمجھتے ہیں ایک مرتبہ ایک دوست کو ایسا قبض واقع ہوا کہ ذکر و طاعت و روزہ و نماز میں جی نہ لگتا تھا انہوں نے اپنا حال مجھ کو لکھا میں نے جواب میں لکھا تم خلوت چھوڑ دو ادھر ادھر سیر کرو دوستوں سے ہنسو بولو۔ نفس کو خوب آرام دو چنانچہ دو تین روز کے بعد وہ حالت جاتی رہی انبساط ہو گیا بات کیا تھی کہ میری سمجھ میں اس کی وجہ یہ آئی کہ خلوت میں رہتے رہتے طبیعت میں ایک جمود اور خمود ایسا پیدا ہو گیا ہے کہ اس کی وجہ سے احساس نہیں رہا اور اندیشہ اس کا ہوا کہ زیادہ انقباض اگر ہوا تو مبادا روزہ نماز بھی چھوڑ بیٹھیں اس لئے میں نے ان کے لئے بجائے خلوت کے جلوت اور بجائے اعتکاف کے طواف پر تجویز کیا غرض اس راہ میں بڑے بڑے قصے پیش آتے ہیں کہ ان میں کسی شیخ کامل کی سخت ضرورت ہوتی

ہے۔

تخویف کی دو قسمیں

الحاصل غلبہ خوف کا دوسرا خاصہ یہ ہے کہ آدمی کام سے جاتا رہتا ہے اس کی تعدیل کے واسطے بجائے اللہ کے ربھم فرمایا اور اس سے تعدیل اس طرح ہوئی کہ آدمی جو کسی سے ڈرتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں ایک تو ایسا ڈرنا ہے جیسے چور کوتوال سے ڈرتا ہے یا مجرم حاکم سے ڈرتا ہے یا جیسے شیر اور بھیڑیے سے ڈرتا ہے کہ یہاں تو محض خوف ہی خوف ہے امید کا نشان ہی نہیں اور دوسری قسم یہ ہے جیسے لڑکا اپنے شفیق باپ سے ڈرتا ہے یہ اور قسم کا ڈرنا ہے کہ اس میں خوف کے ساتھ باپ کی شفقت پر اعتماد کر کے امید معافی کی بھی ہوتی ہے اور اس سے زیادہ واضح مثال اس خوف کے متنوع ہونے کی یہ لیجئے کہ حاکم کا بیٹا حاکم سے بحیثیت حکومت کے تو اور طرح ڈرتا ہے اور بحیثیت باپ ہونے کے اور نوع سے ڈرتا ہے پس ربھم اگر نہ فرماتے تو اللہ کے بعض بندے بوجہ غلبہ استحضار شان جلال وقہاریت کے خوف کی وجہ سے جان ہی دے دیتے اس لئے ربھم اختیار فرمایا کہ جس ذات سے خوف کی فضیلت بیان ہو رہی ہے وہ تمہاری مربی بھی ہے تم سے بے تعلق نہیں وہ کوئی شیر یا بھیڑیا نہیں اے میرے مقبول بندو! تم اس قدر خوف کے اندر مت گھلو جیسی مجھ میں شان جلال وقہاریت ہے اسی طرح شان تربیت بھی تو ہے اسی وجہ سے فَاَمَّامَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ (جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا ہے) میں بھی ربہ فرمایا ہے اور یہاں ربہ کے ساتھ ایک لفظ مقام کا اور زیادہ فرمایا اس میں عجیب نکتہ ہے وہ یہ ہے کہ یہ لفظ خوف کے قائم رکھنے کیلئے بڑھایا ہے شرح اس کی موقوف ہے ایک مثال پر وہ یہ ہے کہ مثلاً کسی کا باپ اگر حاکم ہو تو جب وہ بر سر اجلاس ہوگا تو اس کا اور اثر ہوگا اور جب ریج پر ہوگا تو دوسرا اثر ہوگا اجلاس پر تو شان حکومت جلوہ گر ہوگی خواہ کوئی سامنے آئے اور ریج پر شان شفقت پدری کی ظاہر ہوگی اس وقت شان

حکومت ظاہر نہ ہوگی پس مقام کا لفظ بڑھا کر یہ بتلا دیا کہ گو وہ تمہارا رب ہے جس کا مقتضا شفقت و رحمت و تربیت ہے لیکن جبکہ وہ قیامت کے دن جلال و قہاریت کے ساتھ ظہور فرمائیں گے تو اس وقت ان کے سامنے کھڑے ہونے کو یاد کر کے اس کے ڈرنا چاہئے خلاصہ یہ کہ مقام کا لفظ خوف دلانے کو بڑھایا اور رب تعدیل خوف کے لئے لائے اسی طرح یہاں یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ (جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں) میں اسی تعدیل کے لئے ربوبیت کو یاد دلایا اور جاننا چاہئے کہ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ میں ربھم کا لفظ جیسے کہ جانب افراط کی تعدیل کرتا ہے اسی طرح جہت تفریط کا بھی معدل ہے یعنی نفس خوف کے وجود کا بھی محرک ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ تخویف کی دو قسمیں ہیں ایک تو یہ کہ کسی امر موجل سے خوف دلایا جائے جیسے کہا جائے کہ اگر چوری یا ڈکیتی کروگے تو جیل خانہ جاؤگے اس کا اثر تو ضعیف ہے اس لئے کہ ممکن ہے کہ مقدمہ میں رہا ہو جائیں اور دوسری قسم یہ ہے کہ کسی امر معجل سے تخفیف ہو مثلاً کسی سرکاری ملازم سے کہا جائے کہ فلاں جرم کا اگر ارتکاب کروگے تو سب سے اول سزا یہ ہوگی کہ تمہاری ملازمت جاتی رہے گی تنخواہ بند ہو جائے گی اور پھر جیل خانہ جاؤگے یہ موثر قوی ہے کیونکہ نوکری کا نفع کہ تنخواہ ہے وہ فی الحال جاری ہے اس کا انقطاع زیادہ مخوف ہے اسی طرح تعزیرات الہیہ میں بھی سمجھئے کہ اگر یہ کہا جاتا ہے کہ اس گناہ کی سزا یہ ہے کہ دوزخ میں جلوگے اس کا اثر بعض طبائع پر ضعیف ہے اس لئے کہ جانتے ہیں کہ میاں جب قیامت ہوگی دیکھا جائے گا اللہ میاں معاف کردیں گے حتیٰ کہ بعض اوقات ان پر یہ اثر ایسا ضعیف ہوتا ہے کہ بعضے آدمی بیباکی کی باتیں کرنے لگتے ہیں

گناہوں کی نحوست

چنانچہ ایک زمیندار نے کسی غریب آدمی کا ایک کیکر کا درخت کاٹ لیا تھا اس نے کہا کہ میاں صاحب یہاں تو تمہاری چل گئی مگر یاد رکھو قیامت کے دن

پکڑے جاؤ گے تو وہ زمیندار کہتے ہیں کہ میاں اتنے آدمیوں میں میں کہاں ملوں گا اس بیباکی کی وجہ یہی ہے کہ قیامت کا اثر قلوب پر بہت ضعیف ہے اور وجہ اس کی یہی ہے کہ قیامت موجل ہے اور اگر مثلاً" کہا جاتا ہے کہ اس گناہ کی سزا یہ ہے کہ دنیا میں رزق نہ ملے گا مال و اولاد کا نقصان ہو گا تو چونکہ یہ فوری سزا ہے اس لئے اس کا اثر قوی ہوتا ہے اب سمجھئے کہ ربھم سے کس طور سے نفس خوف پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ گویا یہ فرماتے ہیں کہ ایسی ذات سے ضرور ڈرنا چاہیے کہ تمہاری تربیت کا مدار اسی کے ہاتھ میں ہے اس لئے اگر اس سے نہ ڈرو گے تو تمہاری تربیت میں کمی آجائے گی مثلاً" روزی نہ ملے گی عافیت جاتی رہے گی سبحان اللہ کلام اللہ کے ایک ایک لفظ کے اندر کتنے بے شمار معانی بھرے ہوئے ہیں اور ہمارے ہر مقام پر نظائر بیان کرنے سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ کلام اللہ کے اندر پورا لطف اس کو آئے گا جس کی محاورات اور واقعات پر نظر ہو اور استدلال اور فلسفیت کی زیادہ کاوش سے خالی ہو۔

اب رہی یہ بات کہ کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ ہم تو گناہوں کے اندر رات دن رہتے ہیں اور ہم کو خوب رزق ملتا ہے نافرمانی سے رزق کبھی نہیں گھٹتا اس کے دو جواب ہیں اول تو نقلی قرآن و حدیث سے مسلمانوں کا چونکہ وہ ایمان ہے اس لئے ان کے لئے تو یہی کافی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا یعنی جو شخص میری یاد سے اعراض کرے اس کے لئے تنگ زندگی ہے اگرچہ اس کی تفسیر میں بعض نے کہا ہے کہ مَعِيْشَةً ضَنْكًا سے مراد یہ ہے کہ قبر میں اس کی حیات آخروی تنگ ہو گی لیکن مَعِيْشَةً کے لفظ سے متبادر یہی ہے کہ دنیا ہی کی روزی تنگ ہو جاتی ہے اور ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ بندہ گناہ کرنے سے رزق سے محروم ہو جاتا ہے دوسرا جواب عقلی ہے اور اس کی اگرچہ بعد قرآن و حدیث کے ضرورت نہیں لیکن ہم تبرعاً" واقعات سے دکھلاتے ہیں بات یہ ہے کہ رزق میں یہ غور کرنا چاہیے کہ کیا شے مطلوب ہے جائداد اگر

مطلوب ہے تو کیوں ہے ڈھیلے تو مطلوب ہیں نہیں مکان طلب کیا جاتا ہے تو کیوں کیا جاتا ہے اگر کہو کہ مطلوب جائداد سے روٹی کپڑا اور مکان ہے اس میں رہنا ہے میں پوچھتا ہوں کہ اس مقصود کا بھی کوئی مقصود ہے یا کھانا پہننا بذاتہ مطلب ہے اگر کھانا پہننا بذاتہ مقصود ہوتا تو عاریت کے کپڑے اور عاریت کے گھر میں ایسا لطف کیوں نہیں آتا جیسے اپنے کپڑے پہننے اور اپنے مکان میں رہنے سے آتا ہے معلوم ہوا کہ نفس پہننا کھانا رہنا مقصود نہیں کوئی اور شئے مطلوب ہے وہ کیا ہے وہ ہے لذت راحت حلاوت چونکہ اپنا کپڑا پہننے میں اپنے مکان میں رہنے میں زیادہ لطف آتا ہے اس لئے وہ مطلوب ہے لڑکپن میں۔ میں ایک مرتبہ والد صاحب کی خدمت میں دیو بند سے گیا ہوا تھا وہاں عید یا بقر عید آ گئی اور اس کے کپڑے میرے ہمراہ نہ تھے اور مجھ کو بعض اعزہ کے عاریتی کپڑے ملنے لگے تو مجھ کو کلفت ہوتی تھی اور اپنے مستعمل کپڑوں میں زیادہ لطف معلوم ہوتا تھا مگر بعض بے حس بھی ہوتے ہیں جس طرح بعض عورتیں محض مٹکانے چمکانے کے لئے پرایا زیور لے جاتی ہیں اور اس کو اپنا ظاہر کرتی ہیں کتنی سخت بے ہودہ حرکت ہے اچھی خاصی ریا اور نمائش ہے

جمعیت خاطر کی خصوصیت

غرض دنیا کی تمام چیزوں سے مقصود جمعیت و سکون قلب ہے اب میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جمعیت کسی ایسی شے میں نہیں جس کو راحت و سکون لوگ سمجھتے ہیں یہ سب عین پریشانی ہے چنانچہ اہل دنیا کو دیکھ لو کہ رات دن ان کو ادھیڑ بن تو لگی رہتی ہے کسی وقت بھی آرام میسر نہیں میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جمعیت و سکون حقیقی صرف اللہ تعالی کی فرمانبرداری میں ہے اگر شک ہو تو تین دن ہی فرمانبرداری کر کے دیکھ لو اور یہ التزام کرو کہ تمام منہیات سے تین دن تک مجتنب رہیں گے پھر قلب کی پہلی حالت اور موجودہ حالت میں موازنہ کر لو یقیناً" فرق معلوم ہو گا اور اگر پھر بھی حس نہ ہو تو پھر اپنی مثال ایسی سمجھ لو کہ جو مینڈک تمام عمر گندہ چہ بچہ میں رہا ہو اس کو کیا معلوم ہو کہ سمندر میں کیا ہے اسی طرح جس نے حلاوت

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

خرم آں روز کزیں منزل ویران بروم
راحت جاں طلبم وزپئے جاناں بروم

(وہ دن بہت ہی اچھا ہے کہ اس سرائے فانی سے میں کوچ کر کے محبوب حقیقی کے روبرو جاؤں)

نذر کردم کہ گر آید بسر ایں غم روزے
تادر میکدہ شاداں و غزلخواں بروم

(میں نے نذر مانی ہے کہ اگر یہ غم انجام کو پہنچ جائے اور کوچ کا وقت آجائے تو اس کے شکرانے میں محبوب کے دربار تک خوش و خرم اور غزلیں پڑھتا ہوا جاؤں)

اور بعض اس پنجرے سے نکلنا نہیں چاہتے بلکہ نہ نکلنے کو چاہتے ہیں اس لئے کہ ان کی روح کو بوجہ اپنے کرتوتوں کے ادراک ہے کہ یہاں سے نکلتے ہی پابزنجیر ہونا پڑے گا اس لئے موت کے نام سے بھی ان کو نفرت ہے دہلی کے بعضے بادشاہوں کا قصہ سنا ہے کہ موت کا نام بھی ان کے دربار میں نہ لیا جاتا تھا بلکہ جنازہ نکالنے کے لئے ایک خاص دروازہ بنایا گیا تھا اور اس کا نام خضر دروازہ رکھا گیا تھا۔ بعض لوگ سورہ یٰسین شریف پڑھنے سے بلکہ سننے سے گھبراتے ہیں اس لئے کہ مردوں پر پڑھی جاتی ہے

حکایت مومن خاں دہلوی

مومن خاں شاعر سے رمضان شریف میں ایک ڈوم نے کہا تھا کہ تراویح میں جس دن وہ سورۃ آئے جو مردوں پر پڑھی جاتی ہے تو مجھ کو پہلے سے اطلاع کر دیجیو اس کا یہ اعتقاد تھا کہ سورۃ یاسین شریف سننے سے مرجاتا ہے مومن خاں نے ایک دن براہ مزاح کہا کہ میاں وہ سورۃ تو رات آچکی سنتے ہی بخار چڑھ آیا اور دو تین دن بعد مرگیا تو بعضے موت سے اتنا گھبراتے ہیں کہ اس گھبراہٹ میں ہی ان کو موت بھی آجاتی ہے بوڑھے سے بوڑھا بھی جینے کی تمنا کرتا ہے میں نے سنا ہے کہ

یہاں ایک بوڑھیا تھی اس کو کسی لڑکی نے کہہ دیا کہ بڑھیا مرجا بہت برا مانا اور کسی سے شکایت کی کہ سنا بھی فلانی مجھ کو یہ کہتی ہے کہ تو یوں ہو جا اللہ اکبر کس قدر موت سے کراہت تھی کہ اس کا نام بھی نہیں لیا بخلاف بزرگان دین کے کہ ان کو موت کا شوق ہوتا ہے

طاعت سے موت وحیات دونوں میں حلاوت ہوتی ہے

ایک بزرگ نے زمانہ طاعون میں لوگوں کو بھاگتے دیکھا معلوم ہوا کہ طاعون سے بھاگ رہے ہیں تو شوق و تعجب سے فرماتے ہیں یاطاعون خذنی الیک یعنی اے طاعون تو مجھ کو پکڑ لے یعنی یہ لوگ اس دولت کے قابل نہیں مجھ کو یہ دولت نصیب ہو جائے گویا ان کی یہ کیفیت تھی کہ بزبان حال یہ کہتے تھے

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

(دشمنوں کا ایسا نصیب نہ ہو کہ تمہاری تلوار سے ہلاک ہوں دوستوں ہی کے سر سلامت رہیں کہ آپ ان پر خنجر آزمائیں)

غرض فرمانبرداری وہ شئے ہے کہ اس سے حیات میں بھی حلاوت ہوتی ہے اور موت میں بھی اور نافرمانی وہ بلا ہے کہ خواہ کتنا ہی سامان عیش ہو حتی کہ سلطنت بھی ہو مگر پریشانی ہی پریشانی ہے میں یہ نہیں کہتا کہ فرمانبردار امیر کبیر ہوتے ہیں اور نہ یہ دعوی ہے کہ فرمانبردار پر کوئی مصیبت نہیں آتی ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ جو مقصود اصلی ہے امیری اور تونگری کا یعنی راحت اور سکون اور جمعیت وہ ان ہی حضرات کو حاصل ہے حتی کہ مصیبت میں بھی اور جو حقیقت ہے مصیبت کی یعنی پریشانی قلب وہ ان کے پاس نہیں آتی اگرچہ صورۃ مصیبت میں ہوں اور یہ بہت کھلی بات ہے دیکھ لو اگر دو شخص ہوں ایک ان میں سے مطیع ہو اور اللہ تعالی کا فرمانبردار ہو اور دوسرا نافرمان اور محب دنیا ہو اور دونوں کے مثلاً" دو بیٹے جوان ایک عمر اور ایک لیاقت کے ہوں اور وہ دونوں بتقدیر الٰہی مرجائیں رنج

طبعی دونوں کو ہو گا لیکن غیر مطیع پریشانی حسرت وارماں میں مدتوں گھلے گا اور مطیع یہ کہے گا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ یعنی ہم سب اللہ تعالیٰ کے مملوک ہیں اور ہم سب لوگ اسی کی طرف جانے والے ہیں پھر یہ پریشانی کاہے کی پریشانی اس کے پاس نہ آئے گی اس لئے کہ وہ سمجھے گا کہ جو کچھ واقع ہوا عین مصلحت اور حکمت ہے غرض فرمانبردار کسی حال میں گھبراتا نہیں۔

حکایت مفتی عنایت احمد صاحب مرحوم

میں نے عبدالرحمٰن خاں صاحب مالک مطبع نظامی سے سنا ہے کہ مولانا مفتی عنایت احمد صاحب مرحوم حج کو تشریف لے گئے تھے۔ طوفان آیا جہاز ڈوبنے لگا اور پانی چاروں طرف سے غرغراس میں آرہا تھا تمام مخلوق جو اس میں تھی سخت پریشانی میں تھی اور مفتی صاحب مرحوم ایک جگہ اطمینان سے بیٹھے ہوئے اس آیت کا تکرار فرمارہے تھے قُلْ لَّنْ یُّصِیْبَنَآ اِلَّا مَا کَتَبَ اللّٰہُ لَنَا ھُوَ مَوْلٰنَا وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم آپ ان سے فرمادیجئے کہ ہم کو ہرگز کچھ مصیبت نہ پہنچے گی مگر جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دی ہے وہ ہمارا مولا ہے اور اللہ ہی پر مومنوں کو بھروسہ کرنا چاہیے یہ آیت پڑھتے پڑھتے غرق ہو گئے۔ غرض فرمانبردار ہر حالت میں راضی ہے۔ حتی کہ مصیبت میں بھی یہ تفاوت تھا۔ مصیبت میں اور نعمت کی حالت میں بھی مطیع اور غیر مطیع کے درمیان تفاوت ہے یعنی نافرمان کو نعمت میں بھی پوری لذت نصیب نہیں بلکہ وہ بھی فرمانبرداری کو حاصل ہوتی ہے حتی کہ طعام کے اندر بھی اس کو وہ لذت آتی ہے کہ دوسرے کو نہیں آتی لوگوں کو سنکر حیرت ہوگی کہ فرمانبرداری کو کھانے کے مزے کے اندر کیا دخل ہے لیکن تھوڑا سا غور فرمائیں گے تو سمجھ میں آجائے گا۔ دیکھئے جب کسی سے محبت ہو جاتی ہے تو اس کی ہر شے پیاری معلوم ہوتی ہے خواہ وہ شے خراب ہی ہو مثلا دو انبہ میں ایک تو اپنا خریدا ہوا اور ایک محبوب نے دیا ہو دونوں میں بڑا فرق ہے محبوب کے دیئے ہوئے انبہ کو اگرچہ وہ ترش ہی ہو جس رغبت سے کھائے گا

اپنے انب کو اس طرح نہ کھائے گا اور اس میں مزہ بھی بہت آئے گا۔ اس لئے کہ وہ مزہ نرے انب کا نہیں بلکہ وہ اس نسبت کا ہے کہ محبوب کا دیا ہوا ہے پس ایسے ہی یہاں بھی سمجھ لیجئے کہ جس کو حق تعالیٰ کے ساتھ تعلق ہو گیا ہے اس کو ہر نعمت میں بے حد مزہ آئے گا کہ یہ میرے محبوب نے مجھ کو عطا فرمائی ہے اس کو سوکھی روٹی میں وہ لطف آئے گا جو دوسروں کو پلاؤ قورمہ میں نہیں آتا اور حرام خور نافرمان اناج کی کوٹھیاں اور پانی کے تالاب کے تالاب خالی کر دیتے ہیں اور کبھی دل میں تو کیا زبان پر بھی یہ نہیں آتا کہ معطی حقیقی کا شکر کریں اور ان نعمتوں کو اس کی طرف سے سمجھیں پھر وہ اس نسبت کی لذت سے بھی محروم ہیں اور نعمت تو نعمت فرمانبردار کو تو میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ مصیبت اور تکلیف میں بھی مزہ آتا ہے جیسے محب کو محبوب کی مار میں بھی لطف آتا ہے اب تو آپ کو معلوم ہوا کہ نافرمانی میں معیشت کے تنگ ہونے کے کیا معنی ہیں اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ ربهم جیسا کہ افراط خوف کو درجہ توسط پر لانے والا ہے اسی طرح نفس خوف کو بھی درجہ تفریط سے ترقی دینے والا ہے اور خشیت پر مغفرت اجر کبیر کے مرتب کرنے سے اور یہ بھی معلوم ہوا ہو گا کہ اگر خشیت نہ ہو گی تو ان کے لئے مغفرت اور اجر کبیر کا وعدہ نہیں۔

خشیت اور مغفرت میں رابط

اب یہ سمجھنا چاہیے کہ خشیت اور مغفرت اور اجر کبیر میں کیا جوڑ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خشیت پر ان دونوں کو مرتب فرمایا تو ربط کی دو وجہ ہو سکتی ہیں اول تو یہ کہ خشیت ایک حسنہ ہے اور یہ ثابت ہے کہ إِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّـَٔاتِ (یعنی نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں) اس علاقہ سے مغفرت من الذنب اور اجر کبیر اس کے لئے لازم ہے دوسری وجہ ربط کی یہ ہے کہ جب خشیت ہو گی تو گناہوں سے توبہ کرنا اس کے لئے لازم ہے اور نیز تمام اعمال صالح کا اختیار کرنا بھی لازم ہے کما مرفی التمهيد من ان الخشية مفتاح الاعمال الصالحة (جیسے تمہید میں گذرا کہ خشیت

اعمال صالحہ کی کنجی ہے) اور ظاہر ہے کہ توبہ کو حسب وعدہ مغفرت لازم ہے اور اعمال صالحہ کو اجر کبیر ولازم اللازم لازم لازم کا لازم بھی لازم ہوتا ہے) اور یہ دوسری وجہ ربط کی وجدانا زیادہ قریب ہے تو حق تعالیٰ کا مقصود یہ ہے کہ ایسی خشیت پیدا کرو کہ جس سے ایسا سامان ہو جائے۔ (یعنی توبہ و اعمال صالحہ کی توفیق ہو جائے) کہ اس پر مغفرت اور اجر کبیر مرتب ہو اور چند کہ واؤ سے عطف کرنا ترتیب کو مفید نہیں لیکن ترتیب ذکری بھی کسی نکتہ سے خالی نہیں ہوتی پس مغفرت کو پہلے لانے اور اجر کبیر کو بعد میں لانے کے اندر نکتہ ہو سکتا ہے کہ خشیت کے مقتضاء میں بھی ترتیب ہوتی ہے چنانچہ جس کے اندر خشیت ہو گی وہ اول اپنے معاصی سے توبہ کرے گا۔ اس پر تو مغفرت مرتب ہو گی اور پھر اعمال صالحہ کو اختیار کرے گا۔ اس پر اجر کبیر متفرع ہو گا۔

ضرورت توبہ

اب ہم کو چاہیے کہ ہم بھی یہی ترتیب اختیار کریں کہ توبہ اسی وقت کر لیں پھر اعمال صالحہ میں سے جس جس کا وقت آتا رہے اس کو بجا لاتے رہیں اس لئے کہ گناہ تو ہر وقت ہی ہوتے رہتے ہیں اس لئے توبہ بھی ہر وقت ہی کرنا ضروری ہے اس کے لئے کسی وقت کا انتظار کیوں کیا جائے اس کو سن کر اگر کوئی مدعی تقویٰ کہے کہ ہم سے تو کوئی بھی گناہ نہیں ہوتا نہ یہ کہ ہر وقت ہوتا ہو میں کہتا ہوں کہ یہ غلط ہے گناہ ہوتے ہیں مگر سمجھ میں اس لئے نہیں آتا کہ پورا علم نہیں چنانچہ شادی کی رسوم کے متعلق جب نصیحت کی جاتی ہے تو اکثروں کہنے لگتے ہیں کہ کیا ہم نے ناچ کرایا ہے۔ یہ تمامتر علم نہ ہونے کی خرابی ہے کہ دین کی خبر ہی نہیں یہ سمجھتے ہیں کہ بس ناچ کرانا گناہ ہے۔ صاحبو! جس طرح ناچ کرانا گناہ ہے اسی طرح فخر کے واسطے کھانا کھلانا دنیا دلانا یہ سب بھی منع ہے اور ظاہر ہے شادی اور غمی کی رسوم اکثر تفاخر و نمائش ہی پر مبنی ہیں پھر گناہ نہ ہونے کے کیا معنی پس یہ تمام خرابی علم سے ناواقفیت کی ہے کہ گناہ کو گناہ نہیں جانتے ورنہ اگر پورا علم ہو تو ایک لحظ بھی

معصیت سے خالی نظر نہ آئے کیونکہ گناہ جوارح کے الگ ہیں قلب کے الگ پھر ہر ایک میں بے انتہا جلی اور دقیق شعبے ہیں ذرا احیاء العلوم کویا اس کے ترجمے کو تو پڑھ کر دیکھو یا سنو کہ اس کی تصدیق ہو جائے گی مگر بوجہ جہل کے بعضے اپنے کو ایسا بری سمجھتے ہیں کہ ان پر جب کوئی تکلیف یا مصیبت آتی ہے تو بعضے کہا کرتے ہیں کہ خدا جانے ہم سے کیا گناہ ہو گیا تھا جس میں ہم پکڑے گئے صاحبو! تم کو بجائے اس کے کہ مصیبت پر تعجب ہوتا ہے کہ کس گناہ سے آئی اگر ان نعمتوں پر تعجب ہوتا جو تم کو مل رہی ہیں اور صحیح و سالم چین سے زندگی بسر کر رہے ہیں ہلاک نہیں کر دیے جاتے تو یہ زیادہ زیبا ہوتا ہمارے اعمال تو ایسے ہیں کہ ہم کو ایک ٹکڑا روٹی کا اور ایک گھونٹ پانی کا بھی نہ ملنا چاہیے اور بعض حضرات ایسے ہیں کہ جب کوئی گناہ ہوتا ہے تو شیطان پر لعنت کرتے ہیں یہ صحیح ہے کہ شیطان بہکاتا ہے یاد رکھو کہ چوری جب ہوتی ہے گھر کے بھیدی کے بھید دینے سے ہوتی ہے اسی طرح گناہ جب ہو گا تو آپ کے اندرونی دشمن کی سازش سے ہو گا۔ وہ کون ہے نفس؟ میں قسمیہ کہتا ہوں کہ نفس ہمارا اصلاحیت پر آجائے تو اگر ساری دنیا بھی شیاطین سے پر ہو جائے تو کچھ ضرر نہیں اصلی دشمن تو یہ ہے ہر وقت ہم سے گناہ کراتا رہتا ہے اس لئے ہر وقت توبہ کرنا ضروری ہے۔

توبہ نہ کرنے کے مختلف بہانے

حضور صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم سے زیادہ کون ہو گا جن کی شان ہے **لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ** (تاکہ اللہ تعالی آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف کر دے) اور جن کو خطاب ہے **اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ** (بے شک آپ اخلاق حسنہ کے اعلی پیمانہ پر ہیں) باوصف اس عظمت اور علو مرتبہ کے آپ فرماتے ہیں **انی لاستغفر اللہ فی الیوم سبعین مرۃ اوکماقال** یعنی میں اللہ سے دن بھر میں ستر مرتبہ استغفار کرتا ہوں اور ہم باوجود سرتاپا گناہوں میں غرق ہونے کے دن بھر میں ایک مرتبہ بھی توبہ نہیں کرتے اور اس کا ایک عجیب حیلہ یہ نکال رکھا

ہے کہ توبہ اس لئے نہیں کرتے کہ پھر گناہ ہو جائے گا۔ صاحبو! یہ شیطان کی شراب ہے کہ اس کو پلا کر اس نے ہم کو غفلت میں ڈال دیا اور اس کو ایک خصلت حمیدہ اور پختگی سمجھتے ہیں کہ گویا ان کے دل میں توبہ کی بڑی عظمت ہے کہ توبہ کر کے پھر گناہ کو پسند نہیں کرتے ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میاں توبہ ہی کہاں کی تھی سو یہ امر توبہ سے بڑا مانع ہے۔ اکثر لوگ اسی میں مبتلا ہیں چنانچہ کہتے ہیں کہ ہم دنیا دار آدمی ہیں ہماری توبہ ہی کیا ہے اگر توبہ کر لی تو وہ ٹوٹ جائے گی جواب اس کا یہ ہے کہ ٹوٹ جائے گی پھر توبہ کر لیجئو اگر کوئی کہے کہ پھر توبہ سے کیا فائدہ۔ فائدہ یہ ہے کہ جن گناہوں سے توبہ کرتے جاؤ گے وہ تو صاف ہوتے جائیں گے۔ جرائم کے اندر زیادتی تو نہ ہوگی۔ دو شخصوں کی اگر پچاس پچاس برس کی عمر ہو اور دونوں نے برابر گناہ کئے ہوں مگر فرق یہ ہو کہ ایک تو برابر توبہ کرتا رہا اور دوسرے نے توبہ نہیں کی تو دونوں کے مواخذے میں فرق عظیم ہو گا یہ فرق تو آخرت کے اعتبار سے ہے۔

توبہ کرنے کا ایک فائدہ عاجلہ

اور ایک فائدہ عاجلہ بھی ہے وہ یہ کہ بار بار توبہ کرنے میں اللہ تعالیٰ نے یہ خاصیت رکھی ہے کہ چند روز میں بتدریج وہ گناہ چھوٹ جاتا ہے پس یہ توبہ کی برکت ہے کہ اس سے تائب آخر کار متقی پرہیز گار ہو جاتا ہے۔ غرض اگر گناہ اور توبہ دونوں کے سلسلے برابر جاری رہیں تب بھی ان شاء اللہ تعالیٰ گناہ کا سلسلہ مٹ جائے گا اور توبہ کا سلسلہ بمقتضائے سبقت رحمتی علی غضبی (میری رحمت میرے غضب سے بڑھ گئی) غالب آجائے گا جیسے سلیٹ کی لکھائی ہے کہ پانی سے مٹ جاتی ہے اسی طرح گناہ بھی آب رحمت سے مٹ جائیں گے۔ لیکن اس سے گناہوں پر دلیر نہ ہونا چاہیے اس لئے کہ میرا مقصود تو اس سے یہ ہے کہ جو شخص چاہتا ہے کہ میں گناہ نہ کروں اور نفس سے کشاکش ہوتی ہے۔ کبھی یہ غالب ہوتا ہے کہ باوجود تقاضاء شدید کے نفس کے مقتضاء پر عمل نہیں کرتا اور کبھی

بمقتضاء بشریت اس پر نفس غالب آجاتا ہے اس سے کڑھتا ہے اور روتا ہے اور توبہ کرتا ہے اور پھر گناہ ہو جاتا ہے وہ پھر ایسا ہی کرتا ہے اور اس کی ہمت ٹوٹنے کی ہوتی ہے ایسے شخص کی ہمت بندھانے کے لئے یہ مضمون بیان کر رہا ہوں کہ ایسا شخص اس تدبیر سے ان شاء اللہ تعالی ایک نہ ایک دن ضرور متقی پرہیز گار ہو جائے گا۔ اگر نہ بھی ہو لیکن مغفور تو ان شاء اللہ ہو ہی گا۔ باقی جو پہلے سے گناہ میں دلیر ہے۔ اور اس کو کچھ غم ہی نہیں۔ اس کے غم کے علاج ہی کی کیا ضرورت ہے اس کو یہ خطاب نہیں کہ گناہ سے مغموم نہ ہو کہ توبہ اس کا علاج ہے بس میرا مقصود گناہ کی اجازت دینا نہیں۔ نیز ظاہر ہے کہ جس سے گناہ بالکل نہ ہو اور جس سے گناہ ہوا کرے لیکن توبہ بھی کر لے ان میں بڑا فرق ہے۔ اگر کوئی طالب علم شبہ کرے کہ حدیث میں تو آیا ہے التائب من الذنب کمن لاذنب له (گناہ سے توبہ کرنے والا مثل اس شخص کے ہے جس نے گناہ نہیں کیا) جس سے مماثلت معلوم ہوتی ہے جواب یہ ہے کہ خود اس حدیث سے ہی فرق معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ شبہ بہ وجہ شبہ میں شبہ سے زیادہ ہے پس من لاذنب له (جس نے گناہ نہیں کیا اور تائب من الذنب (گناہ سے توبہ کرنے والا) میں فرق ہے۔

توبہ ہر وقت لازم ہے

ایک جولاہے نے اس کی مثال بیان کی تھی جب کسی طالب علم نے یہ حدیث اس کے سامنے بیان کی کہنے لگا کہ بننے میں جب تاگا ٹوٹ جاتا ہے جوڑنے سے جڑ تو جاتا ہے۔ لیکن پھر بھی گرہ رہ جاتی ہے صفائی نہیں آتی بہر حال توبہ ہر وقت لازم ہے اور اس توبہ کا تکملہ یہ بھی ہے کہ حقوق العباد کو ادا کریں دوسرے اعمال صالحہ کو اختیار کریں تاکہ مغفرت کے ساتھ اجر کبیر بھی مرتب ہو اور اعمال صالحہ کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک تو ہمت دوسرے علم بلکہ علم کی ضرورت تو توبہ میں بھی ہے اور علم کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ مولوی بنو بلکہ اردو کے رسائل سبقاً سبقاً کسی عالم سے پڑھ لو یا سن لو بس یہ بھی کافی ہے

[illegible]

[illegible] کی ہے

کرامتوں کی حکایات

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اور خدا تعالیٰ نے جو اس پر سزا مقرر فرمائی ہے اس کو سوچا کرو اور اس کے بعد اپنے نفس سے کہو کہ اے نفس تو کیوں ہلاک ہوتا ہے دیکھ تو سہی ان اعمال کی یہ پاداش تجھ کو بھگتنا پڑے گی اور اس کے بعد اپنے مرنے سے لے کر جنت اور جہنم کے داخل ہونے تک جو جو واقعات پیش آنے والے ہیں مثلاً" قبر میں جانا منکر نکیر کا سوال کرنا حساب کتاب پل صراط سب واقعات تفصیل کے ساتھ سوچو یہ وظیفہ اپنا روزانہ رکھو دیکھئے تو سہی کیا ثمرہ ہوتا ہے۔

تمنا اور ارادہ میں فرق

مگر مشکل تو یہ ہے کہ ہم لوگ کچھ کرتے ہی نہیں بس یہ چاہتے ہیں کہ کوئی ایسی نظر ڈال دے یا دعا کر دے یا تعویذ دیدے کہ آپ سے آپ سب گناہ بھی چھوٹ جائیں اور عمل بھی خودبخود ہونے لگیں ہم کو کچھ کرنا نہ پڑے جو کچھ کرے دوسرا ہی کرے حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے بمبئی میں کسی نے حج کے لئے دعا کرائی تھی فرمایا میں تو تمام عمر دعا کروں اور تم تجارت کرتے رہو حج کیسے نصیب ہو گا۔ اس شرط سے دعا کرتا ہوں کہ جس روز جہاز جانے لگے مجھ کو اپنے اوپر کامل اختیار دیدو میں ہاتھ پکڑ کر جہاز پر سوار کرا دوں گا پس حج کر لوگے غرض دعا بھی کراؤ اور خود بھی سعی کرو۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب ہم نے کوشش کی تو دعا ہی کا کیا اثر ہوا۔

اسباب اختیاری ہیں

بات یہ ہے کہ دو قسم کی چیزیں ہیں ایک وہ جو بالکل ہمارے اختیار میں نہیں اور مطلوب من العباد نہیں ہیں اور دوسری وہ کہ ان کے اسباب اختیاری ہیں پہلی قسم میں تو محض دعا پر اکتفا کرنا چاہیے جیسے کوئی آفت سماوی ہے اس کے لئے دعا کرنا کافی ہے اور جن کے اسباب اختیار میں ہیں ان کے اندر تدبیر کرو لیکن چونکہ تدبیر کا موثر ہونا اختیار سے خارج ہے اس لئے اس کے لئے دعاء کرو اور دعا سے

اس تدبیر میں برکت ہو جائے گی حاصل یہ ہے کہ اس دستور العمل پر روزانہ بلا ناغہ عمل کرو۔ اور دعا بھی کرو کہ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین تمت۔

ادب الطریق
تزکیہ باطن کے آداب

سلوک الی اللہ کے بارے میں ۱۵ ربیع الاول ۱۳۳۵ ہجری بروز بدھ بمقام میرٹھ محلہ کرم علی ارشاد فرمایا

ادب الاعتدال
اعتدال کے آداب

۸ ربیع الثانی ۱۳۳۰ ہجری بمقام میرٹھ ریل میں یہ تقریر فرمائی۔

ادب الترك
اسباب کو ترک کرنے کے آداب

۱۰ ربیع الاول ۱۳۳۵ ہجری بروز سوموار ریل میں میرٹھ اور دیوبند کے درمیان یہ تقریر فرمائی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سالک کا کام طلب ہے

یہ تقریر اس وقت ہوئی کہ حضرت والا مقام زبر پور ضلع گورکھپور سے بیل گاڑی پر مقام شاہ پور کو روانہ ہوئے بوجہ مسافت راستہ میں ایک پڑاؤ قصبہ گوالا میں کیا رات کو وہاں رہے صبح کو شاہ پور کو روانہ ہوئے اس راستہ میں یہ تقریر ہوئی۔ حضرت والا کے ساتھ اس وقت احقر اور مفتی محمد یوسف صاحب رامپوری اور حضرت کے بھائی منشی محمد اختر صاحب اور ایک خادم اور تھے موخر الذکر خادم ایک مولوی صاحب تھے ان سے خطاب شروع ہوا فرمایا آپ کے حالات سنے اور مختلف وقتوں میں سوالات سے اور بات چیت سے مجھے محسوس ہوتا ہے کہ آپ کچھ پریشان ہیں۔ عرض کیا ہاں کچھ پریشانی تو ضرور ہے فرمایا پریشانی کو چھوڑیئے اور حصول مقصود میں جلدی نہ کیجئے (یعنی اس کے جلدی حاصل ہونے کا انتظار نہ کیجئے نہ یہ کہ اس کی تحصیل میں جلدی نہ کیجئے) اس کا نتیجہ سوائے حیرانی کے کچھ نہیں آپ کا کام طلب ہے باقی حصول مقصود کے آپ مکلف نہیں میرے خیال میں یہی وجہ پریشانی کی ہے مولوی صاحب کی حالت ان کلمات کو سن کر ایسی ہوئی جیسے کوئی بچہ کسی مصیبت میں مبتلا ہونے کے بعد یک لخت اپنی مادر مہربان کے پاس پہنچ جاوے اور اس سے اپنی مصیبتیں کہنے لگے۔ آبدیدہ ہو کر عرض کیا سارا قصہ ہی کہہ دوں میں ابتداء میں گیارہ مہینے حضور کی خدمت میں تھانہ بھون میں رہا پھر کانپور چلا گیا پھر گیا حضرت قدس سرہ حیات تھے۔ حضرت کی تجویز یہ ہوئی کہ مجھے نقشبندیت سے

مناسبت ہے اور اسی کے موافق تعلیم فرمائی اس سے پریشانی بہت پیدا ہوئی حتیٰ کہ نیند بالکل ندارد ہوگئی اور دماغ مختل ہوگیا۔ حضرت نے مجھے بیعت تو نہیں کیا مگر تعلیم نقشبندیت کی کی پریشان ہو کر مکان پر آگیا چند روز بالکل قطع تعلق کر کے متوکلانہ بسر کی لوگوں سے ملنا جلنا بالکل بند کر دیا۔ حضرت قدس سرہ کا 1323ھ میں وصال ہوگیا مولوی محمد سمیع صاحب میرے بھائی کو شاہ گنج لے گئے۔ وہاں ایک بزرگ تھے جو سلسلہ میں بڑے سید صاحب کے تھے میرے بھائی کو ان سے بڑا نفع ہوا تب وہ مجھ کو بھی ان کے پاس لے گئے۔ انہوں نے اول درود شریف پڑھنے کو بتلایا اور اس کے بعد مراقبہ ان کے یہاں مراقبہ کا ہونا ضروری ہے۔ پھر مراقبہ لطائف ستہ وغیرہ بتلایا پھر بیعت میں بھی داخل کر لیا مگر میں ہمیشہ حضور کی اجازت ہر کام میں لے لیا کرتا تھا ان کے بعض مریدوں میں پریشانی اور بدعقیدگی پائی گئی اس واسطے میرا دل اکھڑ گیا اور ان کے پاس آنا جانا چھوڑ دیا۔ اس کے بعد بہت پریشانی بڑھ گئی اور یہ خیال ہوا کہ تو کہیں کا بھی نہ رہا ان پر دل نہ جما اور کہیں جانے کی اس واسطے ہمت نہ ہوئی کہ وہ ناراض ہوں گے۔ عجیب کشمکش میں پڑ گیا میرے حواس خراب ہوگئے کہ کیا کروں اپنا سب سے بڑا مرجع حضور کو سمجھتا تھا۔ ایسے وقت میں سوا حضور کے کسی پر نظر نہ پڑی مگر حضور تک جا نہ سکا ادھر یہ خیال ستاتا رہا کہ بلا حاضری کے کچھ ہوگا نہیں تاہم حضور کو خط لکھا اور اس بات کی اجازت چاہی کہ۔

اجازت اور مشورہ میں فرق

فلاں صاحب کے پاس جاؤں آپ نے اس کی اجازت دی۔ حضرت والا نے فرمایا اجازت اور چیز ہے اور مشورہ اور چیز۔ آپ نے اجازت کو مشورہ سمجھا میں اجازت تو عام طور سے دیتا ہوں کہ صلحاء کے پاس جانے میں کچھ حرج نہیں ہے اور مشورے کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ وہ بات بتاؤں کہ جو صرف غیر مضر نہیں بلکہ مفید بھی ہو اس کی مثال یہ ہے کہ طبیب سے اجازت چاہتے ہیں کہ گنا کھالیں وہ اس کو اگر مضر نہیں دیکھتا تو کہہ دیتا ہے کھالو یہ اجازت ہے اور مشورہ یہ ہے کہ طبیب

سے کہتے ہیں کہ آپ کے سپرد ہے جو مناسب تدبیر ہو بتلایئے۔ وہ اس وقت ایسی تدابیر نہیں بتلائے گا جو غیر معتر اور مفید نہ ہوں بلکہ وہ تدابیر بتلائے گا جو مفید ہوں اس وقت یہ بھی نہ کہے گا کہ گنا کھاؤ بلکہ اس وقت کہے گا گلو پیو اور شاہترہ پیو اور کونین کھاؤ اس وقت وہ آپ کا تبع نہ ہو گا بلکہ اپنی رائے کا تبع ہو گا خواہ آپ کی طبیعت کے خلاف ہو اور یہ اتفاقی بات ہے کہ اس کی رائے آپ کی طبیعت کے موافق آپڑے آپ نے مجھ سے اجازت چاہی تھی میں نے اباحت کے درجہ میں منع نہیں کیا مشورہ آج دوں گا میرا اصول یہ ہے کہ میں کسی کے کام میں دخل نہیں دیا کرتا جو لوگ مجھ سے کسی کام میں رائے لینا چاہتے ہیں تو میں دیکھتا ہوں کہ ان کا دل کسی طرف راغب ہے یا نہیں اگر دل ان کا کسی طرف راغب ہوتا ہے تو میں ' ، کو مقید کرنا نہیں چاہتا اور اگر اس کام میں کوئی خاص محظور نہیں ہے تو اس کام سے منع نہیں کرتا یہ مرتبہ اجازت کا ہے اور مشورہ کا موقع وہ ہے کہ رائے لینے والے کا دل کسی طرف مائل نہ ہو اس وقت میں وہ رائے دیتا ہوں جو علاوہ غیر مستلزم محظور ہونے کے مفید اور ضروری ہو بلکہ اپنے نزدیک وہ رائے منتخب کرتا ہوں جو مفید رایوں میں سے بھی اعلیٰ درجہ کی ہو اور اس وقت بھی میرا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ رائے لینے والے کو مجبور کروں کہ ایسا ضرور کرو بلکہ خلوص کے ساتھ وہ رائے پیش کر دیتا ہوں اور اس بات کا دعویٰ بھی نہیں ہوتا کہ میری رائے ٹھیک ہی ہے۔

تصرفات دماغی

مولوی صاحب نے عرض کیا کہ جو کچھ بھی ہوا میں اپنا قصہ بیان کر لوں پھر آج حضرت مجھ کو مشورہ دیں آپ نے قرآن شریف اور درود شریف کی کثرت کی تعلیم فرمائی جس کا میں اب تک پابند ہوں تین چار سال سے یہی حالت ہے کہ میں نہ ادھر کا ہوں نہ ادھر کا پریشانیاں بڑھتی جاتی ہیں حالانکہ میں اس کے دفعیہ کی کوشش برابر کرتا ہوں جیسے کوئی کہتا ہے ویسے ہی کرتا ہوں مگر کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔ شیخ اول کو بھی چھوڑا طبیعت اس میں پریشان رہی کہ ان کا عتاب نہ ہو

دوسرے کسی نے بھی کوئی تسلی بخش بات نہ بتلائی جب کسی کے پاس گیا حضور سے اجازت بھی لے لی خواب بہت دیکھے اپنے نزدیک اطمینان کر کے کسی کے پاس گیا۔ فرمایا خوابوں کا کیا اعتبار اول تو آج کل کسی کا خواب بھی معتبر نہیں خصوصاً اس شخص کا جس کا دماغ مشوش ہو (مولوی صاحب نے چند خواب بیان کیے) فرمایا کہ سب میں احتمال ہے کہ حدیث النفس ہو خوابوں پر بنا کرنا میرے نزدیک صحیح نہیں ہاں استخارہ مسنون ہے۔ استخارہ کے بعد جس بات پر دل جمے وہ کرنا چاہیے اس میں امید صالح ہوتی ہے اور جب تک جمعیت قلب حاصل نہ ہو برابر استخارہ کرنا چاہیے۔ مولوی صاحب نے عرض کیا استخارہ بھی بہت کیا۔ استخارہ میں یہ آیت قلب میں آئی ہے **اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ** فرمایا حضرت مولانا نے کہ یہ غیر قابل اعتبار ہے میرے نزدیک یہ تصرفات دماغی ہیں جس طرف رائے ہوتی ہے تو واہمہ اسی طرف مائل ہو کر اجازت کی صورت میں دکھلاتی ہے۔ آپ مولوی آدمی علم رکھتے ہیں ہمیشہ کو یاد کر لیجئے کہ ایسی باتوں میں نہ پڑیئے۔ عرض کیا یہ آیت بھی قلب میں آتی تھی لیکن شکوک بھی رہتے تھے۔ فرمایا تشویش بڑھنے سے دماغ میں یبس آ گیا ہے اور قوۃ واہمہ کا فعل قوی ہو گیا ہے۔ یہ شکوک بھی اوہام ہیں۔ مولوی صاحب ساکت ہو گئے۔

نقشبندیہ' چشتیہ اور سہروردیہ کا خاصہ

تھوڑی دیر کے بعد حضرت مولانا نے فرمایا ہے تو چھوٹا منہ بڑی بات یہ تشخیص کہ آپ کو نقشبندیت سے مناسبت ہے میرے دل کو بالکل نہیں لگی آپ کی مناسبت چشتیہ سے اتنی صاف ہے کہ شک کرنا بھی مشکل ہے آپ کی طبیعت میں فطرتاً شورش اور وارفتگی موجود ہے۔ یہ عشق اور محبت کا مادہ ہے اور یہی چشتیت کا ماحصل ہے ایسے شخص کو نقشبندیت کی تعلیم کرنا فطرت کو بدلنا ہے جس سے کبھی نفع نہیں ہو سکتا نقشبندی وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی طبیعت میں متانت ہوتی ہے ان کے مزاج سلاطین کے سے ہوتے ہیں۔ نقشبندی سلوک اہتمام کا ہے اس میں سب کام ضابطے کے ہیں آپ کے مزاج کے مناسب تو بے سروپا سلوک ہے

آپ کو ضابطہ میں مقید کرنا تکلیف مالایطاق ہے۔ عرض کیا آپ کی صحبت میں تو مجھ کو سکون تھا اس کے بعد کہیں سکون نہیں فرمایا۔ **سبوح لہا منہا علیہا شواھد، الحمدللہ** خود آپ کو اس بات کا اقرار ہے معلوم ہوتا ہے کہ میری تشخیص صحیح تھی پھر آپ کو کیا سوجھی تھی کہ دوسری جگہ مارے مارے پھرے، مگر اس میں بھی ایک نفع ہے الاشیاء تعریف باضدادہا۔ اب آپ کو زیادہ نفع کی امید ہے کیونکہ آپ کو حیرانی بہت ہو چکی اب اگر سکون ہوگا تو بہت آپ کو اس کی قدر ہوگی اور فرمایا ہاں ان کو نقشبندیت سے مناسبت تھی غالباً ان کو دوسری جگہ پریشانی نہیں ہوگی ان سے ہمارا دل زیادہ نہ ملتا تھا عرض کیا ہاں ان کو دوسری جگہ نفع ہوا تھا تب ہی تو انہوں نے مجھ کو بھی کھینچا فرمایا یہ عجیب بات ہے کہ دو بھائیوں کا مزاج ایک سا ہی ہوتا ہے یہ تجویز صحیح نہیں ہے کہ ان کو نفع ہوا تو آپ کو بھی نفع ہوگا۔ نقشبندی نسبت عاقلانہ اور حکیمانہ ہے اور چشتیہ مجنونانہ ہے بس اب تو آپ کے حسب حال یہ ہے۔

آزمودم عقل دور اندیش را
بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

ایک شیخ کامل سے وابستہ ہونے کی ضرورت

آپ بہت مزے چکھ چکے اور دیکھ چکے کہ بھٹکنے پھرنے سے کچھ نتیجہ نہیں ہوا اب تو آپ ایک ہی طرف کے ہو جایئے (ایک شخص نے عرض کیا سہروردی خاندان میں کیا بات ہوتی ہے فرمایا وظائف زیادہ تر ہیں۔ اشغال بالکل نہیں اصلاح اعمال بہت ان کا طریقہ سلف کا سا ہے) مولوی صاحب نے عرض کیا بے شک مجھے آپ کے پاس رہنے سے بہت نفع تھا لیکن کیا کروں مجبوری ہے میں دور بہت ہوں تھانہ بھون آنے اور رہنے کی مقدرت نہیں دور سے کیا ہو سکتا ہے فرمایا چند روز پاس رہنے کی ضرورت ہے پھر دور سے بھی کام ہو سکتا ہے اور فرمایا

پریشانی کا بڑا سبب

میں اور زیادہ وسعت کرتا ہوں کئی طرف قلب کا کھنچنا سبب ہے آپ کی پریشانی کا آپ کو جن جن حضرات سے تعلق ہوا ہے ان سے قطع تعلق کی نسبت آپ کا خیال ہے کہ باعث ناراضی ہے اور یہ خوف آپ کے دل میں بیٹھ گیا ہے اور یہی اصل ہے آپ کی پریشانی کی اس کا ازالہ رفع سبب سے ہو سکتا ہے جب سبب اس کا تعدد تعلقات ہے تو اس کا ازالہ ازالہ تعدد ہے میں کھلے الفاظ میں کہتا ہوں کہ ایک طرف ہو جائیے اتنا دل کمزور نہ کیجئے آخر کون چیز آپ کو یکسو ہونے سے مانع ہے کسی کی ناراضی کا خوف ہے ناراضی کا مضر ہونا کیسے معلوم ہو سکتا ہے اس کے لیے اگر کوئی معیار ہو سکتا ہے تو وہ شریعت ہے آپ غور کیجئے کہ یکسو ہونے میں آپ کون سا کام خلاف شرع کر رہے ہیں۔ جب کوئی کام خلاف شرع نہیں ہے تو حق تعالیٰ کی خفگی کا خوف تو ہے نہیں کسی انسان کی خفگی اگر ہوگی تو کیا ہوگا۔

ساقیا برخیز در دہ جام را
خاک برسر کن غم ایام را
گرچہ بدنامی ست نزد عاقلاں
مانمے خواہیم ننگ و نام را

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا عجیب طریقہ

اور میں کہتا ہوں جو انسان خفا ہو بعد اس کے کہ معلوم ہو جائے کہ حق تعالیٰ اس کام پر خفا نہیں وہ کیا انسان ہے اور اس کی خفگی سے کیا ہوگا اور وہ انسان ہے تو خفا ہوگا ہی نہیں آپ کے دل میں یہ وہم بیٹھ گیا ہے کہ پہلے شیخ خفا ہو جائیں گے میں اطمینان دلاتا ہوں کہ وہ اگر واقعی شیوخ ہیں تو ہرگز خفا نہ ہوں گے' اس وہم کو قلب سے نکال دیجئے ہاں ان کی مخالفت نہ کیجئے اور ان کو اطلاع کر دیجئے تاکہ ان کو کسی دوسرے سے سن کر صدمہ نہ ہو اور کبھی ان کی شان میں کوئی گستاخی نہ کیجئے۔ مجھے پریشانی کا مرحلہ ایسا پیش آ چکا ہے کہ کم کسی کو آیا ہوگا متین شیوخ ان مصیبتوں کو کیا جانیں ان کا علم تو اسی شخص کو ہوتا ہے جو خود ان کو چکھ چکا ہے مجھے بچپن سے خوش عقیدگی بہت تھی سوءظن کا مادہ بالکل نہ تھا ہر شخص کے

ساتھ اعتقاد ہو جاتا تھا اور اصلیت اس کی یہ تھی کہ مجھے طلب بہت تھی ایسی حالت تھی جیسے پیاسا پانی کو ڈھونڈھتا ہے ہر شخص پر یہی نظر پڑتی تھی کہ شاید اس سے کچھ مل جاوے یہ حالت بہت خطرناک ہوتی ہے مگر حق تعالیٰ نے فضل کیا کہ کسی جعلساز اور مکار کے پھندے میں نہیں پڑ گیا- اول حضرت گنگوہی سے تعلق پیدا کرنا چاہا مگر حضرت نے طالب علمی کے سبب انکار کیا- پھر حضرت حاجی صاحب کے پاس پہنچا یہ ابتداء زمانہ شباب کا ذکر ہے حضرت کے پاس سے لوٹ کر آیا تو سیری نہ ہوئی تھی جو کچھ حضرت حاجی صاحب نے تعلیم فرمایا وہ کرتا رہا مگر اس میں انتظار ہوا ثمرات کا اور انتظار بھی تعجیل کے ساتھ میں یہ چاہتا تھا کہ آج ہو جاوے جو کچھ ہونا ہے مل گئے۔ صاحب اور انہوں نے خود خواہش کی کہ مجھ سے کچھ حاصل کرو میں طالب تھا ہی اور عقیدت کا مادہ بہت بڑھا ہوا تھا میں نے منظور کرلیا انہوں نے کچھ بتلایا میں نے اس کے موافق شغل شروع کر دیا تو اس قدر پریشانی بڑھ گئی کہ بیان نہیں کر سکتا دل دو طرف کھنچتا تھا اور دونوں تعلیموں میں کچھ اختلاف بھی تھا- ایسے وقت میں اس شخص کی حالت جس کی پیاس بڑھی ہو اور تعجیل حد سے زیادہ ہو آپ خود اندازہ کرسکتے ہیں دو مہینے تک یہ حالت رہی کہ خودکشی تک کے وسوسے آتے تھے اگر حق تعالیٰ کی دستگیری نہ ہوتی تو خودکشی میں کچھ بھی کسر نہ تھی حتیٰ کہ ایک روز تنہائی میں ایک شخص میرے پاس آئے ان کے ہاتھ میں بندوق تھی اس وقت میں بالکل آمادہ ہوگیا کہ اپنی خواہش ان سے ظاہر کردوں کہ میں حیات سے تنگ آگیا اب دنیا کو مجھ سے پاک کر دو اور قریب تھا کہ ان سے کہہ ہی بیٹھوں پھر سوچا کہ یہ کسی طرح مانیں گے نہیں ہر شخص کو اپنا پس و پیش بھی تو ہوتا ہے- قتل وہ شخص کر سکتا ہے جو اپنی جان کھونے پر پہلے آمادہ ہو جائے پھر میرے وہ کوئی مخالف نہیں تھے بلکہ محبت رکھنے والے تھے یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ ایسی بے ہودہ بات کو مان لیں سوائے اس کے کچھ نہ ہوتا کہ میرا چھچھورا پن ظاہر ہوتا اس خیال سے زبان پر آئی ہوئی بات رک گئی خدا تعالیٰ کو بہتر کرنا تھا غرض اس قدر پریشانی تھی کہ یہ نوبتیں ہو گئیں بالآخر حضرت حاجی صاحب کو لکھا حضرت گنگوہی کو اس

واسطے اطلاع نہ کی کہ میں خود جانتا تھا کہ مولانا یہی کہیں گے کہ سب کو چھوڑ کر ایک طرف ہو جاؤ اور میرے دل میں خیال یہ جما ہوا تھا کہ خذ ما صفا ودع ماکدر حضرت حاجی صاحب کو لکھا حضرت کو سخت تشویش ہوئی۔ حضرت کو مجھ سے بے حد محبت تھی۔ حضرت پریشان ہوگئے اور سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ جوان آدمی ہے جوش بڑھا ہوا ہے تحمل نہ ہوا وہاں سے کوئی صاحب آنے والے تھے زبانی کہلا بھیجا کہ جب تک تمہارا یہ خادم زندہ ہے کیوں کسی سے رجوع کرتے ہو۔ حضرت کی عادت کے بالکل خلاف ہے کبھی کسی کو اپنی طرف رجوع کرنے کے لیے کوئی لفظ نہیں کہا مگر میرے ساتھ اس قدر خصوصیت تھی (حق تعالیٰ کو یوں ہی منظور تھا) کہ یہ لفظ فرمائے اور خط بھی لکھا۔ میں کانپور میں تھا ظہر کا وقت تھا یہ پیام اور خط پہنچا وہ اثر کیا اس نے جو آگ پر پانی کرتا ہے مغرب کا وقت نہ آیا تھا کہ سب پریشانی رفع ہوگئی۔ پھر اطمینان سے کام کرتا رہا الحمدللہ حضرت کی برکت سے طریق کی حقیقت سمجھ میں آگئی۔

شیخ اول کو قطع تعلق کی ضرورت اطلاع

پھر یہ وسوسہ ہوا کہ دوسرے صاحب سے قطع تعلق ہوگا تو ناراض ہوں گے سوچتا رہا کہ کیا کروں سمجھ میں یہ آیا کہ گول مول بات رکھنا تو ٹھیک نہیں اطلاع کر دینا چاہیے۔ پھر خفا ہوں یا کچھ ہوں جوانی اور ہوشیاری کا عالم تھا ایک تدبیر کے ساتھ ان سے قطع تعلق کیا تاکہ قطع کی نسبت انہیں کی طرف رہے وہ...... میں تھے میں نے ان کو خط لکھا کہ بمقتضائے الدین نصح میں نہایت ادب خیر خواہانہ عرض کرتا ہوں کہ بعض باتیں آپ کی خلاف شرع ہیں ان کو چھوڑ دیجئے اور میں نے یہ بھی لکھا کہ میں دعا کرتا ہوں کہ آپ کی حالت شریعت کے مطابق ہو جاوے اس سے وہ بے حد خفا ہوئے اور خود ہی قطع تعلق کر دیا اور نہایت خفگی کا خط آیا جس میں یہ بھی تھا کہ میں تم کو وہ دولت دینا چاہتا تھا جو مجھ کو حضرت علیؓ سے پہنچی ہے تم اس کے اہل تھے مگر قسمت تمہاری اور اخیر میں یہاں تک لکھا تھا کہ دعا کرو خدا میرا میرے زندقہ پر اور تمہارا تمہاری شریعت پر خاتمہ کرے' میری جو غرض

تھی یعنی قطع تعلق وہ پوری ہو گئی میں بے قصور تھا اس واسطے میں نے اس کی کچھ پروانہ کی پھر...... وہ صاحب تھانہ بھون آئے یہ وقت میرے واسطے بہت نازک تھا میں سوچتا تھا کہ اب ان سے ملاقات ضروری ہو گی میں کیا عذر کروں گا اور یہ ممکن نہیں کہ میں ملوں نہیں مگر میں دل کڑا کر گیا تو نہ ان سے ملا نہ ان کے پاس گیا نہ کچھ کہا نہ کچھ سنا انہوں نے جب ایسا دیکھا تو بہت برا بھلا کہا۔ ایک لوہار نے اس کو مجھ سے نقل کرنا چاہا اور میرا طرف دار بن کر..... صاحب کی شان میں کچھ گستاخی کرنا چاہی میں نے اس کو ڈانٹ دیا کہ خبردار جو کچھ کہا ہم جانیں اور وہ جانیں تم کون بیچ میں بولنے والے۔ (بحمد اللہ میں نے تہذیب سے باہر کبھی قدم نہیں رکھا) وہ میرے بزرگ ہیں ان کو منصب ہے کہنے کا اور جانے کتنی دفعہ انہوں نے ہم کو بچپن میں مارا ہو گا اور ہم نے کتنی دفعہ ان پر پیشاب کیا ہو گیا ہم اور وہ دو نہیں ہیں اس نے یہ باتیں جا کر ان سے نقل کر دیں اس کا بڑا اثر ہوا پھر ایک شخص نے ان سے کہا آپ ہی مل لیجئے کہا مل تو لوں مگر میرا خیال ہے کہ مجھ سے نہ ملے گا اور کہیں ٹل جاوے گا اس نے کہا نہیں ایسا ہرگز نہ ہو گا میں ذمہ دار ہوں مگر ان کو بہت غیظ تھا کہا میں ملوں گا بھی تو بڑا بن کر تو ملوں گا نہیں وہ بڑا سمجھتا تو خود ہی آ کر نہ ملتا ہاں رند بن کر ملوں گا اور پائجامہ اتار کر اس کے سامنے جاؤں گا تو کیا اس حالت میں بھی وہ مجھ سے ملے گا اس شخص نے کہا اس حالت میں میں ذمہ نہیں کرتا۔ اسی اثناء میں عید آ گئی اتفاق سے ان سے موٹھ بھیڑ ہو گئی مگر میں نے سلام نہیں کیا اس پر بڑے خفا ہوئے پھر بقر عید آ گئی مجھے اس وقت قرائن سے معلوم ہو گیا کہ آج امامت کرنا پڑے گی تردد ہوا کہ میں ان کے سامنے نماز کیسے پڑھاؤں گا ان کو امام بنانا چاہیے مگر اس کو اور لوگ شاید نہ مانیں اور میں امام بن گیا تو علاوہ بدتمیزی کے ان کو کدورت رہے گی کیونکہ مجھ کو باطل پرست سمجھتے ہیں آخر یہ کیا کہ نماز جلال آباد جا کر پڑھی غرض ان سے بول چال نہیں ہوئی پھر وہ چلے گئے اور وفات بھی ہو گئی بس سن لیا آپ نے بہت یوں کرنا چاہیے مولوی صاحب نے عرض کیا اس سے پریشانی ہے کہ میں حضرت سے دور ہوں اور حضوری کی کوئی صورت

نہیں فرمایا آپ کچھ بھی کہیں لیکن بڑی وجہ پریشانی کی کشاکشی ہے اور میں کہتا ہوں کہ ان قصوں سے نفع یہ ہے کہ آپ کو راہ کی بصیرت ہوئی مجھے اس پریشانی سے بڑا نفع ہوا گھر میں اس کی مثال دیا کرتے ہیں کہ ایسا ہے جیسے کوئی گلستان میں رستہ قطع کر رہا تھا درمیان میں برابر ایک خارستان آ گیا یہ شخص اس میں جا گھسا پھر لوٹ پھر کے اسی گلستان میں آکر چلنے لگا تو اس کو مقصود کی قدر زیادہ ہوئی ہے نیز اس کو اس خارستان میں گزرنے سے تمام ان دشواریوں کا علم ہو جاتا ہے جو راہ میں پیش آتی ہیں پھر وہ دوسروں کو لے چلنے میں بڑا ماہر ہو جاتا ہے گھر میں سمجھ اس فن کی بہت اچھی ہے ہاں عمل میں نہیں افسوس کہ ایسا آدمی کام نہ کرے' کام نہ کرنے سے بعضے اخلاق بھی بے اصلاح ہیں اور اس پریشانی سے مختلف شیوخ کے بعد حضرت کی دستگیری دیکھ کر بڑا نفع ظہور شان حاجی صاحب کا ہوا زمانہ قبض میں اوروں سے بھی رجوع کیا حضرت کسی نے وظیفے بتا دیئے اور کسی نے کچھ کسی نے کچھ محقق ایک بھی نہ ملا۔ حضرت کا عجیب طریقہ تھا اور اصل میں مرض کو ایسا صحیح پکڑ لیتے تھے کہ دوسرا کوئی نہیں کر سکتا اور شفقت ایسی تھی کہ نظیر ملنا مشکل ہے اسی وجہ شفا حکمی ہوتی تھی۔ حضرت مولانا گنگوہی بھی حضرت ہی کے طریقہ پر تھے اور حضرت کے طریقہ کے پورے جامع تھے۔ مگر لوگوں کو اس کا پتہ نہ چلتا تھا کیونکہ مولانا کو مجلس میں اصول و فروع کے بیان کا اہتمام نہ تھا صرف ایک عالم معلوم ہوتے تھے اور میں ایسا اوچھا ہوں کہ کسی بات کو نہیں چھپاتا میرا خیال ہے کہ فن تصوف کو آج کل طشت ازبام کرنا چاہیے ہزاروں قسم کی گمراہیوں اور تلبیسوں میں لوگ پڑے ہوئے ہیں اصلاح بلا اس کے کیسے ہو میں اصول و فروع سب کو کھلم کھلا بیان کر دیتا ہوں چھپانے کی چیز اپنی حالت ہے (میرا خیال اس کی نسبت بھی یہ ہے کہ خاص خاص لوگوں کے سامنے بمصلحت اس کو بھی ظاہر کر دے تو حرج نہیں) اپنی حالت ایک راز ہوتا ہے حق تعالیٰ کے ساتھ دوسروں پر اس کا ظاہر کرنا حق تعالیٰ کی غیرت کے خلاف ہے اور فن کو تو علی الاعلان پکار پکار کر ظاہر کرنا اور شائع کرنا چاہیے۔ مولوی صاحب نے عرض کیا مجھے عقیدت راسخ تو آپ سے ہی

ہے فرمایا مجھے اس کا انتظار ہی نہیں کہ دوسرے کسی سے اتنا عقیدہ نہ ہو جتنا مجھ سے ہو محبت احباب کا تو انتظار ہے محبت اور عقیدت الگ الگ چیزیں ہیں خدا کا کوئی طالب ہو اور مجھ سے سو دفعہ قطع کردے پھر میں ویسا ہی خادم ہوں میں اس کو بڑی تنگ ظرفی سمجھتا ہوں جو آج کل کے مشائخ میں ہے کہ ذرا طالب جدا ہوا تو مردود بنایا پھر کسی طرح راضی ہی نہیں ہوتے کوئی ان سے پوچھے کہ تم سے بھی اپنے شیخ کے ساتھ کوئی غلطی ہوتی تھی یا معصوم تھے اور بسا اوقات طالب سے غلطی کثرت محبت کی وجہ سے ہو جاتی ہے اس کی تو قدر کرنا چاہیے اس وقت اس کو مردود بنانا خود ان ہی کی غلطی ہے ایسا طالب تو بے بہا نعمت ہے ہر چھوٹا چھوٹا نہیں ہوتا بعض وقت حق تعالیٰ بڑے لوگوں پر چھوٹوں کی برکت سے فضل فرماتے ہیں اس وقت بڑا بننا تکبر ہے حقیقت میں بڑا وہ ہے۔

فرمایا مولوی صاحب آپ کے پاس تو عذر بھی ہے اوروں سے قطع تعلق کرنے کے لیے کہ میں پہلے سے تھانہ بھون ہی سے تعلق رکھتا ہوں **ما الحب الا للحبیب الاول** بس ایک طرف ہو جائیے ہاں اتنا ضرور ہے کہ پہلے شیخ کو گو وہ کیسے ہی بے نفس ہوں اطلاع کر دیجئے تاکہ آپ کا اور ان کا دونوں کا قلب مطمئن ہو جاوے۔ اطلاع نہ کرنے میں آپ کو یکسوئی نہ ہوگی۔ مولوی صاحب نے عرض کیا نہیں بلکہ میرے قلب کی حالت یہ ہے کہ اطلاع کرنے میں یکسوئی نہ رہے گی فرمایا تو اطلاع کی ضروری نہیں کوئی گناہ تو کر ہی نہیں رہے بس ایک طرف ہو کر بنام خدا کام شروع کیجئے آپ کو چشتیت کی تعلیم ہونا چاہیے آپ کا ہر حال اس کا شاہد ہے چشتیہ اور نقشبندیہ دونوں کی شان میرے مذاق میں تو اسی ایک شعر سے واضح ہوتی ہیں (رند عالم سوز را با مصلحت بینی چہ کار یہ چشتی کی حالت ہے کہ ع کار ملک است آنکہ تدبیر و تحمل بایدش) یہ نقشبندی کی حالت ہے کہ ہر کام میں انتظام اور تدبیر ہوتی ہے جیسے سلاطین میں ہوتی ہے۔

طالب اور مطلوب کی باہم احتیاج

مولوی صاحب نے عرض کیا حضور کی دعا سے اس وقت میرے قلب کو بہت

طمانیت حاصل ہوئی مگر مشکل یہ ہے کہ سامنے آپ کے اور حالت ہوتی ہے اور پیچھے اور فرمایا یہ ضرور ہے مگر یہ تقلب مضر نہیں پریشانی کبھی نہ ہوگی اس قسم کا تغیر ہر شخص کو پیش آتا ہے مرید تو کیا شیخ کی حالت میں بھی وقت افادہ اور غیر افادہ میں فرق ہوتا ہے مرید کو شیخ کے پاس بیٹھنے سے نفع ہوتا ہی ہے شیخ کو بھی مرید کی بدولت بہت سی باتیں حاصل ہوتی ہیں اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

بانگ می آید کہ اے طالب بیا
جود محتاج گدایان چون گدا

دیکھئے مدرسہ میں مدرس طالب علموں کے افادہ کے لیے مقرر ہوتا ہے اور طالب علموں کو اس سے نفع پہنچتا ہے اور طالب علموں کا نفع اس پر موقوف ہے لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ مدرس کو طالب علموں سے کچھ نفع نہیں پہنچتا آپ خود عالم ہیں اس بات کو بخوبی جانتے ہیں بارہا کا تجربہ ہے کہ کوئی مضمون کتاب میں پڑھتے وقت باوجود کوشش اور مطالعہ کے اور باوجود استاد کے سمجھانے کے سمجھ میں نہ آیا اور ہمیشہ اس میں الجھن رہی اور جس وقت طالب علم پڑھنے بیٹھا قلب میں دفعتہ آگیا یہ طالب علم ہی کی برکت ہے یا کچھ اور فائدہ کے وقت حق تعالیٰ کی طرف سے تائید ہوتی ہے طالب اور مطلوب کی باہم احتیاج کے لیے یہ شعر حافظ کا خوب ہے۔ شعر

سایہ معشوق گر افتاد بر عاشق چہ شد
ما بہ او محتاج بودیم او بما مشتاق بود

اسی شعر میں مولانا کے شعر مذکور سے ادب ازید ہے اس میں طالب و مطلوب میں مساوات سی پائی جاتی ہے اور اس میں لفظ بدل دیا طالب کے لیے احتیاج اور مطلوب کے لیے اشتیاق اطلاق کیا۔

ادب الاعتدال

بسم اللہ الرحمن الرحیم
حامدا و مصلیا

طالب کی جانچ

موضع اعظم گڑھ میں زائرین کا بہت ہجوم ہوا اور بہت سے ان میں اس بات کے طالب ہوئے کہ ہماری بستی میں تشریف لے چلئے۔ فرمایا وقت بہت تنگ ہے میں خواجہ عزیز الحسن صاحب سے وعدہ کر چکا ہوں کہ ان کے ساتھ ایک مقام پر ریاست بھرت پور میں جاؤں اور ان کو لکھا جس کا دل چاہے مجھ کو منگل کے روز الہ آباد میں ملیں آج اتوار ہے مجھ کو پرسوں الہ آباد پہنچنا ضروری ہے بیچ میں سرائے میر اور فتح پور کا بھی وعدہ کر چکا ہوں اب اتنا وقت کسی طرح نہیں ہے کہ کہیں جاسکوں۔ فتح پور کے لیے بھی بمشکل دو گھنٹہ ملے ہیں اور مقامات پر جانے کی ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اس وقت تو میں الہ آباد چلا جاؤں اور خواجہ صاحب سے مشورہ کروں وہ وہاں ملیں گے اگر وہ اپنے ساتھ لے جانا ملتوی کردیں تو الہ آباد سے پھر لوٹ آؤں گو مجھ کو اس میں تکلیف ہوگی مگر خیر میں اس کو گوارا کروں گا بدنظمی نہ ہونی چاہیے لیکن اس کے لیے بھی کئی شرطیں ہیں ایک یہ کہ میں قطعی وعدہ نہیں کرتا کہ میں لوٹ آؤں گا۔ خواجہ صاحب سے مشورہ کے بعد جو کچھ طے ہو گا اس پر عمل ہو گا۔ دوسرے یہ کہ میں خواجہ صاحب پر زور نہیں دوں گا کہ وہ اپنے ساتھ نہ لے جائیں۔ اس واسطے مناسب ہے کہ جس جس کو مجھے اپنے یہاں لے چلنا ہو وہ سب اپنا اپنا ایک ایک وکیل جوان کے نزدیک معتمد علیہ ہو

میرے ہمراہ بھیج دیں وہ وکلاء وہاں خواجہ صاحب سے کہیں اگر خواجہ صاحب نے منظور کر لیا تو میں ان وکلاء کے ساتھ واپس آجاؤں گا اور اس میں بھی شرط یہ ہے کہ معتدبہ تعداد مقامات کی ہو جاوے ایک دو جگہ کے لیے اتنے لمبے سفر کو دہرانا نہیں ہو سکتا اس وقت لوگ مقامات کے نام لکھوا دیں اگر تعداد معتدبہ ہو گئی تو خیر یہ طول گوارا کیا جاوے گا۔ لوگوں نے کہا خواجہ صاحب کو تار دے دیں فرمایا تار کے قصے بہت دیکھے ہیں مشورہ طلب باتوں میں تار سے کچھ کام نہیں چلتا کیونکہ اتنا مضمون تار میں کیسے جا سکتا ہے آپ لوگ آپس میں مشورہ کر کے وکلاء منتخب کر لیں اور میرے پاس لے آویں اگر پانچ مقام بھی ہو گئے تو میں چلا آؤں گا۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد چار جگہ کے آدمیوں نے آمادگی ظاہر کی وہ چار جگہ یہ ہیں ہی پور' پورہ معروف' مبارک پور' بہادر گنج ان سب نے پوری آمادگی ظاہر کی لیکن جب موئے روانہ ہوئے تو اسٹیشن پر انبوہ میں کچھ پتہ نہ چلا کہ کس کس کے وکیل ساتھ ہیں جب ریل میں بیٹھ گئے اور روانہ ہو گئے تو فرمایا جو جو لوگ بلانا چاہتے تھے انہوں نے اپنے اپنے وکیلوں کے بھیجنے کا کیا انتظام کیا۔ خدام نے عرض کیا ہم کو نہیں معلوم ظاہرا تو لوگ سست ہو گئے اس وجہ سے کہ ان کو پوری امید نہیں رہی فرمایا میں جب کسی کا بلایا ہوا جاتا ہوں تو اس کے آدمی کو ضرور ساتھ لے لیتا ہوں بس یہ کام ساتھ رہنے کا مشکل ہے صرف بلاوا دے دینا تو کچھ بات نہیں تمام راستہ کا بار سفر کا اور انتظامات کا مدعو کے سر رہتا ہے بلانے والے کی صرف زبان ہلتی ہے اور بہت سے بہت یہ کہ روپیہ خرچ کر دیا جب انتظام کا بار اپنے ذمہ پڑتا ہے تب معلوم ہوتا ہے کہ بلانا کیا چیز ہے انتظام کارے دارد۔ اس سے طلب کی بھی جانچ ہو جاتی ہے جو طالب ہو گا وہ سو بکھیڑے اپنے ذمہ لے گا اور اس میں اپنی آسائش بھی ہے وہ راستہ اور سفر کی ضروریات سے جیسا کہ داعی کا آدمی واقف ہو سکتا ہے ایسا مدعو نہیں ہو سکتا اسی سفر میں اگر بھائی اکبر علی کا آدمی گورکھپور سے ساتھ نہ ہوتا تو ڈوری گھاٹ کے اسٹیشن پر کس قدر مصیبت کا سامنا ہوتا جو کچھ تجویزیں ہم نے اور بھائی اکبر علی نے کی تھیں کہ سواری وغیرہ کا انتظام

پورا کر دیا تھا وہ سب درمیان میں ایک جگہ ریل نہ ملنے سے الٹ پلٹ ہو گئیں۔ اگر وہ خدمت گار نہ ہوتا تو سردی میں اور اندھیرے میں رات کو کہاں پڑتے۔ وہ واقف تھا اس نے اتنا تو کر لیا کہ دھرم شالہ میں جا ٹھہرایا میں کہیں از خود جانے سے بڑی عار رکھتا ہوں حالانکہ بہت ہی مخلص آدمی ہو کہ اس کے یہاں جانے میں کچھ تامل نہیں کرتا اس سے شرطیں لگانے کو تکلف اور ایذا سمجھتا ہوں اور بلا خاص تعلق کے کسی کے یہاں جانے میں میں بہت ہی شرطیں لگاتا ہوں اور پوری طرح دیکھ لیتا ہوں کہ وہ دل سے بلاتا ہے یا نہیں اور ابھی کوئی دینی یا دنیاوی مفسدہ تو اس پر مرتب نہیں پوری طرح چھان بین کر کے جب جاتا ہوں حتیٰ کہ بعض لوگ میری ان شرائط کو دیکھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ اس کے راج میں بہت خود کشی ہے مگر تعجب ہے کہ اس پر بھی ایک مہربان نے اس کو آوارہ گردی سمجھ کر اعتراض کیا۔

اللہ تعالیٰ سے اپنا معاملہ صاف رکھنا چاہیے

یہ ایک صاحب ہمارے مجمع کے مخالف ہیں بڑے ناز نخروں سے سفر کرتے ہیں۔ ایک موقع پر کسی نے بلایا تو طعنہ کے طور پر کہا کہ ہم پٹواریوں کی طرح مارے مارے نہیں پھرتے اور ایک دفعہ بعض اہل بدعت نے وہابیوں کی شناخت یہ بھی چھاپی تھی کہ دور دور کی دعوتیں کھاتے ہیں کیا مشکل ہے ایک طرف تو وہ اعتراض کہ یہ اپنے آپ کو کھینچتے ہیں اور ایک طرف یہ کہ پٹواری بنا دیا اگر معترضین کے کہنے کا خیال کیا جاوے تو زندگی محال ہے اس واسطے آدمی کو چاہیے کہ اپنا معاملہ حق تعالیٰ کے ساتھ صاف رکھے اور دنیا کو بکنے دے کوئی کچھ کہا کرے۔ احقر نے عرض کیا تعجب ہے کہ مخالفین یہ اعتراض کرتے ہیں اور تکلف کی دعوتیں چاہتے ہیں۔ منہ سے مانگ مانگ کر لیتے ہیں جیسے مناظرہ رامپور میں ہوا کہ قادیانی لوگ فرمائش کر کر کے بہت سا گھی اور شکر اور انڈا اور مرغی بکرے کا گوشت اور کیا کیا روزانہ لیتے تھے اور سفر خرچ میں بھی نواب صاحب سے سینکڑوں کی رقم وصول کی بخلاف ہمارے مجمع کے کہ کبھی کوئی فرمائش نہیں کی اور بہت اصرار کی بھی تو ماش کی دال کی اور سالن میں گھی کم کر دینے کی۔ فرمایا ہاں

بہت جگہ دیکھا کہ یہ لوگ گھڑ گھڑ کے وصول کرتے ہیں کسی کے پانچ انڈے روز مقرر ہیں اور کسی کے ناشتے میں حلوا اور پراٹھے مقرر ہیں- کسی کی فیس بہت زیادہ مقرر ہے جو علاوہ سفر خرچ کے وصول کی جاتی ہے غرض سیاحین میں کوئی مجمع صلحاء کا نہیں دیکھا کہیں یہ نہیں دیکھا کہ دس پانچ آدمی ایسے ہوں جن کو صالح اور دین دار کہا جاسکے کوئی شاذو نادر اور اکیلا دین دار ہو تو ہو- اور ہمارے ہاں بحمد اللہ اتنے دین دار موجود ہیں کہ مجمع کے مجمع ہو سکتے ہیں- ہر مجمع میں ممکن ہے کہ دس پانچ آدمی ایسے دکھائے جاسکیں جن کا صالح ہونا مسلم ہو-

احناف تفقہ فی الدین رکھتے ہیں

اکثر غیر مقلد لوگ اپنا نام اہل حدیث رکھتے ہیں لیکن حدیث سے ان کو مس بھی نہیں ہوتا صرف الفاظ پر رہتے ہیں اور حدیث میں جو بات سمجھنے کی ہے جس کی نسبت وارد ہے- **مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ** وہ اور چیز ہے اگر وہ صرف الفاظ کا سمجھنا ہوتا تو کفار بھی تو الفاظ سمجھتے تھے وہ بھی فقیہ ہوتے اور اہل خیر ہوتے تفقہ فی الدین یہ ہے کہ الفاظ کے ساتھ دین کی حقیقت کی پوری معرفت ہو سو ایسے لوگ حنفیہ میں بکثرت ہیں- حضرت حاجی صاحب ایک شیخ تھے عالم ظاہری پورے نہ تھے مگر تحقیق کی شان یہ تھی کہ ایک شخص بھوپال سے حج کرنے آئے تھے حضرت سے بیعت ہوئے ان کے ساتھ ایک دوسرے شخص بھوپال کے تھے جو سخت غیر مقلد تھے اور ان پہلے صاحب کو بھی وہ غیر مقلد سمجھتے تھے- ان بھوپالی غیر مقلد صاحب نے اس سے سمجھا کہ حضرت غیر مقلد کو بھی بیعت کر لیتے ہیں انہوں نے ان صاحب کی معرفت حضرت حاجی صاحب سے دریافت کرایا کہ میں بھی بیعت ہونا چاہتا ہوں مگر غیر مقلد ہی رہوں گا- حضرت نے اس شرط کو منظور فرمالیا پھر وہ خود حاضر ہوئے اور تصریحا پوچھا فرمایا ہاں کچھ حرج نہیں- بس بیعت کرلیا لیکن بیعت ہونا تھا خدا جانے کیا اثر ہوا کہ اس کے بعد اول ہی وقت نماز میں نہ آمین کہی نہ رفع یدین کیا- حضرت کو خبر ہوئی تو حضرت چونک اٹھے اور بلا کر ان سے پوچھا کہ اگر آپ کی تحقیق اور رائے بدل گئی تب تو خیر اور اگر میری خاطر سے

ایسا کیا تو میں ترک سنت کا وبال اپنے اوپر نہیں لیتا۔ یہ دیکھئے تحقیق کی شان ہے اور سنت سے ہمارے حضرات کو اور خصوصاً حضرت حاجی صاحب کو سنت کے ساتھ غایت درجہ کا تعشق تھا پھر ایسے لوگوں کو متعصب کہا جائے تو کس قدر ظلم ہے ہاں متصلب ہیں متعصب نہیں۔ تصلب اور چیز ہے اور تعصب اور چیز متصلب فی الدین اس شخص کو کہتے ہیں جو دین میں پختہ ہو اور متعصب ناحق ہٹ کرنے والے کو کہتے ہیں۔

علماء کے متعصب نہ ہونے کی مثال

علی گڑھ کالج کے بعض طلبہ نے مجھ سے کہا کہ علماء متعصب ہیں میں نے کہا کہ ایک مثال دیتا ہوں اور آپ ہی پر فیصلہ رکھتا ہوں اس سے بخوبی واضح ہو جائے گا کہ سنا ہے تمہاری ماں اول رنڈی تھی پھر نکاح کرلیا اس کے بعد تم پیدا ہوئے کیا یہ بات صحیح ہے۔ سو اول تو اس میں عیب کیا ہے کہ ایک عورت رنڈی تھی اس نے توبہ کرلی اور نکاح کرلیا اس کے بعد جو اولاد ہوگی وہ تو حلال کی ہوگی اس سے اس شخص کے نسب میں کچھ طعن نہیں ہوتا۔ دوسرے اس سے قطع نظر اگر یہ بات واقع ہو تب تو ایک واقعی بات کے تحقیق کرنے میں کچھ بھی حرج نہیں اب میں پوچھتا ہوں آپ سے کہ میں فرضی صورت کو چھوڑ کر یہی صورت اختیار کرتا ہوں کہ یہ بات واقعی ہو اور ایک مجمع میں بیان کی جائے تو کیا وہ شخص ٹھنڈے دل سے اس واقعہ کو سن کر جواب دے گا یا جوش کے مارے آپے میں نہ رہے گا بلکہ اگر اس پر جوش نہ ہو تو آپ کے نزدیک یہ داخل بے غیرتی ہوگا یا نہیں اور اگر آپ انکار کریں تو ہم امتحان کرکے دکھادیں۔ بتلایئے کہ اس کو جوش کیوں ہوگا اور یہ جوش کا ہونا آپ کے نزدیک بجا کیوں ہے اور جوش کا نہ ہونا بے غیرتی کیوں ہے۔ اگر وہ شخص واقعی بات کہتا ہے تب تو سچی بات پر غیظ آنا کیا معنے اور اگر جھوٹی بات کہتا ہے تب بھی جوش کے کچھ معنی نہیں خدا کا شکر کرنا چاہیے کہ اس کی ماں میں یہ عیب نہیں اور اس کہنے والے کو نرمی سے اور دل سوزی سے اور جن الفاظ کو وہ پسند کرے ان الفاظ سے سمجھا دینا چاہیے کہ بھائی یہ بات

غلط ہے اور اگر نہ مانے تو اس کے حال پر چھوڑ دینا چاہیے اور اس سے کچھ تعرض نہ کرنا چاہیے تو اس پر جوش ہونے کی وجہ یہی ہے کہ اپنی ماں کی عزت ہر شخص کے دل میں ہوتی ہے۔ اس کی نسبت کوئی برا لفظ سننا قطع نظر واقعیت اور غیر واقعیت سے گوارا نہیں ہوتا بس ہم کو ہماری نظر میں دین کی عزت ماں سے زیادہ کوئی ناشائستہ لفظ دین کی نسبت سننا گوارہ نہیں ہوتا اور فوراً جوش آہی جاتا ہے اور جوش نہ آنے کو ہم بے غیرتی سمجھتے ہیں۔ سوال کی طرح سوال کرو تب دیکھو ہم ناراض ہوتے ہیں یا نہیں خود ہماری کتابوں ہی میں اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ایسے سوال لکھے ہوئے ہیں جن سے توحید اور رسالت اڑی جاتی ہے اور علماء نے ان کے جواب نہایت متانت سے دیئے ہیں غیظ و غضب کا کچھ کام نہیں ان سوالوں میں تحقیق مد نظر ہے اور آپ لوگوں کو تحقیق مد نظر نہیں صرف استہزا' بالدین اور چھیڑ چھاڑ منظور ہے سو اس کو تو ہم کبھی نہیں سن سکتے۔ یہ جواب ہے تمہارے سوال کا اور اگر اس کو بھی تعصب ہی کہتے ہو تو دوسری بات لیجئے۔ آپ ایسے متعصبین سے تحقیق ہی نہ کیجئے ایسے جوش کے حضرات پرانے علماء ہیں جنھوں نے کبھی ایسی بد دینی کی باتیں نہ سنیں تھیں آپ ہم سے پوچھئے ہم ایسے غیرت دار نہیں وجہ یہ کہ ہم تمہاری صحبت سے اور بار بار سننے سے بے غیرت ہوگئے ہیں ہم سے بے تکلف پوچھئے جو کچھ پوچھنا ہو۔ جن صاحب نے یہ کہا تھا کہ علماء میں تعصب ہے ان پر تو ایسا اثر ہوا کہ وہ فورا میرے موافق بن گئے اور طالب علموں کو بھی سنا کر آپس میں کہتے تھے جس کو جواب لینا ہو یہاں آجاؤ مگر کسی کو دگر حضرت نے خود ہی سنے سنائے شبہات کو جمع کر کے انکا حل کیا اس رسالہ کا نام **الانتباہ المفیدہ عن الاشتباہات الجدیدہ** رکھ دیا یہ جامع رسالہ قابل دید ہے اس کو علم کلام جدید کہنا چاہیے اس کی نظیر پہلے کبھی نہیں ہوئی یہ توفیق نہ ہوئی کہ سوالات کرتے' بلکہ ان سے یہ بھی کہا گیا تھا کہ اپنے شبہات آزادی کے ساتھ لکھ کر بھیج دو یہ بھی کسی سے نہ ہوا ان لوگوں کی باتیں ہی باتیں ہیں دوسرے کے سر الزام رکھ کر خود کام سے بچنا چاہتے ہیں۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

حضرت مولانا شاہ اسماعیل صاحب شہید حنفی تھے

[illegible]

ایک شخص ان کے سامنے کنز لے گیا کہ اس کا سبق پڑھا دیجئے' کہا میں نے یہ کتاب دیکھی نہیں مگر جب وہ طالب علم پڑھنے بیٹھا تو بہت اچھی طرح سے پڑھا دی حتیٰ کہ تھوڑا تھوڑا پڑھ کر اس نے کتاب بند کی تو کہا بھائی دس ورق تو پڑھو اور بھولے ایسے تھے کہ ایک بار مولوی محبوب علی صاحب کے وعظ میں پہنچے مجمع بہت تھا مگر واعظ صاحب کی آواز پست تھی ان کو آواز نہ آئی تو گھر لوٹ کر گئے اور کہا کہ دعا کریں گے کہ اس واعظ کی آواز بڑھ جاوے اور دعا مانگی پھر فوراً آدمی بھیجا دیکھنے کے لیے بتلاؤ آواز کچھ بڑھی یا نہیں۔ سو یہ صاحبزادے ایک دفعہ جامع مسجد کے حوض کے پاس کو گزرے وہاں غیر مقلدین میں مذاکرہ حدیث ہو رہا تھا یہ بھی بیٹھ گئے۔ ہمراہیوں نے عرض کیا حضرت کہ یہ لوگ غیر مقلد ہیں فرمایا بلا سے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تو بیان ہو رہا ہے۔ بیان کرنے والے نے ایک مقام میں امام صاحب پر کچھ طعن کیا انہوں نے ایک دھول رسید کی اور کہا چلو یہاں بے ایمان ہیں' ان کی وجاہت بہت تھی کوئی بول نہ سکا سو اس قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا غیر مقلد نہ تھے۔ اگر غیر مقلد ہوتے تو ان کا بیٹا ایسا کیوں ہوتا' واللہ اعلم جیسے ہمارے مجمع کو بھی تو بعض لوگ غیر مقلد کہتے ہیں اور غیر مقلد ہم کو مشرک کہتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ ہمارے مجمع میں بعض مقلدین کی طرح تقلید جائز نہیں حتیٰ کہ اگر امام صاحب کی دلیل سوائے قیاس کے کچھ نہ ہو اور حدیث معارض موجود ہو تو قول امام کو چھوڑ دیا جاتا ہے جیسے ماالسکر کثیر فقلیلہ حرام میں ہوا ہے کہ امام صاحب نے قدر غیر مسکر کو جائز کہا ہے اور حدیث میں اس کے خلاف کی تصریح موجود ہے یہاں امام صاحب کے قول کو چھوڑ دیتے ہیں مگر اس کے لیے بڑے تبحر کی ضرورت ہے کسی مسئلہ کی نسبت یہ کہنا بڑی مشکل ہے کہ اس میں دلیل سوائے قیاس کے کچھ نہیں ہے۔ اس واسطے کہ کہیں احتجاج بعبارت النص ہوتا ہے اور کہیں باشارۃ النص ہوتا ہے اور یہ سب احتجاج بالحدیث ہے۔

عمل بالحدیث کا مفہوم

البتہ ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام کے خلاف واقعی کوئی دلیل سوائے قیاس کے

نہیں ہے آثار صحابہ سو وہ حدیث کے مقابل نہیں ہوسکتے فرمایا ایک صاحب کہتے تھے کہ غیر مقلدین جو عمل بالحدیث کا دعوے کرتے ہیں اس سے کیا مراد ہے بعض احادیث مراد ہیں یا کل اگر بعض مراد ہیں تو ہم بھی عامل بالحدیث ہیں اور اگر کل مراد ہیں تو وہ بھی عامل بالحدیث نہیں کیونکہ تعارض کے وقت دو حدیثوں میں سے ایک کو ضروری چھوڑنا پڑتا ہے۔

اہل حق کو سب و شتم کرنے کا انجام

فرمایا جو لوگ اہل حق کو سب وشتم کرتے ہیں ان کے چہروں پر نور علم نہیں پایا جاتا بلکہ خالص کفار اتنے مسوخ پائے جاتے جتنے یہ لوگ ہیں۔ اس کی وجہ میں نے بطور لطیفہ کے کہا تھا کہ کفر فعل باطن ہے اس کا اثر چھپا ہوا رہتا ہے اور سب وشتم فعل ظاہر ہے اس کا اثر نمایاں ہو جاتا ہے۔ انگریزی خوانوں پر نور ایمان نہ سہی مگر شان تو ہوتی ہے ان میں وہ بھی نہیں خدا بچاوے۔ شعر

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنہ پاکاں برد

دیگر

چوں خدا خواہد کہ پوشد عیب کس
کم زند، درعیب معیوبان نفس

ادب الترک

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداومصلیا

ترک اسباب میں تعجیل مناسب نہیں

خواجہ صاحب نے پوچھا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ توکل کروں اور سب تعلقات چھوڑ کر اللہ اللہ کروں ہنس کر فرمایا جلدی نہ کیجئے جب سب اولاد کی شادی بیاہ ہو چکیں اور آمد بھی بند ہو جاوے اس وقت مناسب ہے اور تعلقات والے کو ترک اسباب کرنا مشکل ہے ہفتہ میں دو ہفتہ میں اللہ اللہ کرنے سے جی اکتا جاتا ہے یہ مباحات ہی کی برکت ہے کہ اشغال مختلف ہونے سے نشاط بحال ہو جاتا ہے۔ میں اپنا تجربہ عرض کرتا ہوں کہ (کہنے کی بات تو ہے نہیں مگر اس وقت سب اپنے ہی ہیں) میں نے بھی ایک دفعہ ترک تعلقات کیا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ وساوس میں مبتلا ہوگیا کیونکہ حق تعالیٰ مرئی تو ہے نہیں محض خیال سے دھن پر ہونا قلب کا مشکل ہے اور تعلقات سے قلب خالی کیا گیا اور پر ہوا نہیں خالی قلب میں شیطان کو دخل کا موقع مل گیا اور وساوس پیدا ہوئے سمجھ میں آیا کہ یہ ٹھیک نہیں ذکر شغل اطاعت میں مشغول رہے اور مباحات بالکلیہ نہ چھوڑے سفر کرنا' چلنا پھرنا احباب سے ملنا خط وکتابت یہ سب اشغال تھوڑے تھوڑے رکھے یہی حکمت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ادعیہ مختلفہ کی تعلیم فرماتے ہیں چلنے کی اور اٹھنے کی اور سوار ہونے کی

اور جاگنے کی اور کھانے کی اور پینے کی کہ ایک شغل سے طبیعت اکتا جاتی ہے۔ البتہ اگر مغلوب العشق ترک کرے تو مضائقہ نہیں مگر غلبہ عشق غیر اختیاری چیز ہے اپنے ارادہ سے حاصل نہیں کیا جا سکتا ارادہ والے کے لیے یہی ترک ہے کہ انضباط اوقات کرے ایک وقت طاعت کے لیے ہو تو ایک وقت مباحات کے لیے بھی ہو وقت کو ضائع نہ کرے۔ غیر مفید یا مضر کام میں صرف نہ کرے۔ ایک ڈپٹی کلکٹر منشی صاحب ایک بزرگ سے بیعت ہوئے اور ترک تعلقات کر دیا ملنا' سفر کرنا' خط و کتابت سب چھوڑ دیا ضربیں ایسی لگاتے کہ محلہ بھر تنگ آگیا سب کہتے تھے کہ یہ مرجاوے تو اچھا ہو ان کے دماغ میں یبوست مفرط ہوگئی اور کوئی کیفیت اور مزہ بھی ذکر کا حاصل نہ ہوا پیر صاحب کو لکھا جواب ندارد مجھے لکھا میں نے جواب دیا کہ تفصیلی مشورہ تو بعد میں دوں گا۔ فوری علاج یہ ہے کہ جن اشغال میں آپ رہتے ہیں سب ایک دم چھوڑ دیجئے لوگوں سے ملئے ہدایا لیجئے دیجئے تفریح ہوا خوری کے لیے اول ہی دن میں سب پریشانی جاتی رہی۔ پھر مفصل مشورہ دیا گیا کہ بالکلیہ ترک مباحات کیجئے تقلیل کر دیجئے اور بہتر یہ ہے کہ یہاں چند روز کے لیے چلے آیئے میں آپ کو حالات دیکھ کر انضباط اوقات کی صورتیں بتادوں گا چنانچہ وہ آئے میں نے بہت تھوڑا سا ذکر بتا دیا اور مختلف کاموں کے لیے اوقات مقرر کر دیئے بس شگفتہ ہوگئے پھر اہل محلہ دعا دیتے تھے کہ جس نے ان کو ضربیں چھوڑائی ہیں اس کا خدا بھلا کرے اب ان کو اپنا حال لکھنے کے لیے یہ الفاظ کافی ہوتے ہیں کہ الحمدللہ میری حالت اچھی ہے لوگوں کو مقصود کا ہی پتہ نہیں غیر مقصود سمجھ کر عمر بھر خبط میں مبتلا رہتے مقصود کام کرنا ہے نہ ثمرات نہ حالات عرض کیا گیا سخت مجاہدہ سے فائدہ تو بہت جلدی ہوتا ہوگا فرمایا! اگر ایسا ہوتا تو اکھاڑہ کے پہلوان اور چکی پیسنے والی بڑے ولی ہوتے کیونکہ محنت سخت کرتے ہیں محنت باقاعدہ کی زیادہ مفید ہوتی ہے۔ ایک دفعہ ایک تالا بند ہوگیا تھا اس پر لوگوں نے بہت زور لگائے مگر نہ کھلا میں نے کنجی سے آہستہ سے کھولا فوراً کھل گیا تالے کے ساتھ کشتی لڑنے سے کیا فائدہ تالا طریقہ سے کھلتا ہے ایسے ہی اصلاح کے لیے اور وصول الی اللہ کے

نے یہی طریقہ ہے اور وہ اتباع سنت ہے یہ ہمارے واسطے اس لیے مقرر ہوا کہ حضورؐ طریقہ جانتے تھے ہمیں کوئی ضرورت غور و فکر اختراع و ایجاد کی نہیں آنکھ میچ کر پیچھے چلے جاویں اب سنت کو دیکھئے حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ آدمیوں کو خواب میں دیکھا کہ دریا کا سفر کر رہے ہیں حدیث کا لفظ یہ ہے **ملوک علی الاسرۃ** بادشاہوں کی وضع سے تخت پر بیٹھے جا رہے ہیں یہ بادشاہ ہی تھے جنہوں نے جہاد کیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی فضیلت فرمائی اس سے معلوم ہوا کہ مال دین کے لیے مضر نہیں جبکہ اس کے ساتھ اتباع ہو حاصل یہ کہ مال قبیح لعینہٖ نہیں بلکہ مفاسد کی وجہ سے قبیح ہو جاتا ہے ہاں اگر کوئی شخص ایسا ہو جس کی طبیعت ہی ایسی ہو کہ اتباع اور مال دونوں جمع نہ ہو سکیں تو اس کو ترک مال ہی کا مشورہ دیا جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ بہت غلو ترک میں مناسب نہیں توسط اور اعتدال چاہیے سب کو ترک اسباب کی تعلیم بھی نہ دینی چاہیے ہر شخص کی طبیعت اور حالت مختلف ہوتی ہے اس واسطے ترک کے درجات بھی مختلف بنانے چاہئیں۔ ساری دنیا اگر ایک سی ہو جاوے تو تارکین تو تارکین اسباب بھی پھر تارک نہ رہیں' کیونکہ ضرورتیں ان کی پوری نہ ہوں اور مشغولی اختیار کرنی پڑے ان کا اطمینان بھی ان بے اطمینانیوں کی وجہ سے ہے ایک بزرگ کا قول ہے کہ شیطان ہر شخص کی موجودہ حالت کو بے وقعت بتاتا ہے اور اس سے اپنا کام خوب بناتا ہے اہل توکل سے تو کہتا ہے کہ اس حالت میں یہ خرابی ہے کہ اپنا بوجھ دوسروں پر ہے یہ نامردی ہے۔

چو باز باش کہ صیدے کنی و لقمہ دہی
طفیل خوارہ مشو چوں کلاغ بے پروبال

ان سے توکل چھوڑا کر اسباب میں گھسا دیتا ہے اور اہل تعلقات سے کہتا ہے تمہاری بھی کیا حالت ہے دن بھر تو تمیں میں رہتے ہو کوئی وقت بھی یاد خدا کا نہیں فلاں شخص کیسا تارک اسباب ہے تم کیا نہیں کر سکتے یہاں تک کہ ان سے تعلقات کو چھوڑا کر ہی چھوڑتا ہے اور ان میں اتنی ہمت ہوتی نہیں کہ ترک

اسباب کے بعد مطمئن رہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پریشان ہو جاتے ہیں اور بعد چندے اس سے پشیمانی ہوتی ہے اور یہ ادھر کے رہتے ہیں نہ ادھر کے لطف یہ ہے کہ اگر کوئی ترک اسباب کی ہمت کرے بھی تو اس حالت پر بھی قیام نہیں رہنے دیتا اس کو بھی پھر بے وقت ثابت کرتا ہے یہ شیطان کا ایسا مکر ہے کہ ہر جگہ چل ہی جاتا ہے اور اس مکر کو پہچاننا آسان کام نہیں بہت ہی باریک نظر کی ضرورت ہے چاہیے کہ اپنی طرف سے حالت کے بدلنے کی کوشش نہ کر بلکہ اول کسی بڑے مبصر سے ضرور رائے لے لے اسی واسطے شیطان ایسے بزرگوں سے بہت گھبراتا ہے کیونکہ وہ اس کے مدت کے مکر ذرا میں توڑ دیتے ہیں۔

ترک تعلقات کی حقیقت

عرض کیا گیا کہ بلا ترک تعلقات اصلاح کیسے ہو۔ فرمایا ترک ضروری بے شک ہے مگر ترک کی حقیقت تقلیل تعلقات ہے یعنی فضول تعلقات کو اور مضر تعلقات کو چھوڑ دینا نہ مطلقاً تارک بن جانا اس کے مبصر تو حضرت حاجی صاحب تھے۔ تصوف بالکل مردہ ہوگیا تھا حضرت حاجی صاحب نے اس کو زندہ کیا اور حقائق بالکل محو ہو چکی تھیں ان کو تازہ کر دیا تصوف رسم کا نام رہ گیا تھا اول تو جعلسازیاں بہت اور سچے لوگوں میں بھی صرف ڈھچر رہ گیا تھا۔ حضرت نے اس کو بالکل زندہ کر دیا حضرت کا الہامی طریقہ سب کے کام کا ہے۔ حضرت کی مجلس میں بیٹھ کر ہر شخص کو حظ آتا اور امیدیں بڑھتی تھیں اور امنگیں پیدا ہوتی تھیں کہ ہم بھی کرسکتے ہیں۔

خواجہ صاحب نے کہا عمدہ ترکیب یہ سمجھ میں آتی ہے کہ تھوڑی جائیداد خرید لے جو خرچ کے لیے کافی ہو بس پھر اللہ اللہ کیا کرے اس طرح ذکر بڑے اطمینان سے ہوسکتا ہے۔ فرمایا جائیداد سے بھی اطمینان نہیں ہوسکتا اس میں بھی بکھیڑے ہیں۔

العفة

پرہیزگاری

حب غیر اللہ سے بچنے کے بارے میں تھانہ بھون بر مکان حضرت مولانا صاحب ۸ رجب ۱۳۳۱ ہجری بعد عصر ایک گھنٹہ دس منٹ بیٹھ کر ارشاد فرمایا- جسے مولانا عبد اللہ صاحب نے قلمبند کیا- سامعین کی تعداد ۶۰ تھی-

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

کچھ حرف شناس ہو جاتی ہیں وہ اپنے کو عالم اور محقق سمجھنے لگتی ہیں حالانکہ ان کا مبلغ علم صرف یہ ہے کہ نور نامہ پڑھ لیا وفات نامہ معجزہ آل نبی' قصہ ماہ رمضان پڑھ لیا بس اپنے کو عالم سمجھ لیا۔

درحقیقت عالم کون ہے

یاد رکھو علم اور شے ہے علم وہ ہے جس کا دل پر اثر ہو جاوے۔ چند مسائل اگر یاد کر لیے کہ نماز فرض ہے' روزہ فرض ہے اس سے عالم نہیں ہوتا۔ اگرچہ اصطلاحاً بھی عالم کہلاوے' مگر وہی ہے جو علم کے ساتھ بصیرت فکر آخرت خشیت بھی رکھتا ہو پس ایسے لوگ سمجھتے ہیں کہ جس طرح سرقہ غصب زنا سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں ایسے ہی غفلت سے اور اسی طرح یہ اس دھن میں رہنے سے بھی کہ' میری عزت میں بٹہ نہ لگے چار آدمیوں میں میرا نام ہلکا نہ ہو' مخلوق میں میری شہرت ہو یہ امور بھی اللہ کے نزدیک ناپسند ہیں اور یہ دل کے گناہ ہیں پس **تَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ** تو ہاتھ منہ کا گناہ ہے جس کے گناہ ہونے کو سب جانتے ہیں اور **تُحِبُّوْنَ الْمَالَ** دل کا گناہ ہے۔ جس سے یہ ظاہری گناہ متفرع ہوا۔

غیر اللہ سے انتہائی محبت کی شکایت

اور دیکھئے رحمت حق تعالیٰ کی کہ شکایت صرف حب مال کی نہیں فرمائی بلکہ اس کو مقید فرمایا ہے حُبًّا جَمًّا سے مطلب یہ ہے کہ نفس حب مال کی ہم شکایت نہیں کرتے بلکہ شکایت اس بات کی ہے کہ مال کی بہت زیادہ محبت رکھتے ہو ان ہی رعایات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلام تو آدمی کا نہیں ہے۔ آدمی اپنے کلام میں خواہ کتنی ہی رعایت کرے مگر ہر پہلو پر اس کی نظر نہیں رہتی جس ایک پہلو کو لیتا ہے اس میں حد سے بڑھ جاتا ہے مثلاً ہم لوگ غصہ میں کسی کی توہین یا کسی کا نقص یا ملامت کریں گے تو حد اعتدال سے بہت آگے بڑھ جاتے ہیں اگر اس وقت حد پر رہنے کی کوئی تدبیر بھی کرنا چاہتے ہیں تو سمجھ میں نہیں آتا یا ہمت نہیں ہوتی بخلاف کلام باری تعالیٰ کے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ہم لوگ تو مغلوب ہیں طبیعت کے

اور حق تعالیٰ اس سے پاک ہیں دیکھئے ملامت فرما رہے ہیں لیکن اس میں بھی کیا رحمت ہے کہ نفس حب پر ملامت نہیں اگر نفس حب مال پر شکایت ہوتی تو مخاطبین تحت سوچ اور فکر میں پڑ جاتے اس لیے کہ ایسا کون ہے جس کو مال سے تعلق نہیں اس لیے یہ فکر ہو جاتی کہ بس جی ہم تو بالکل ہی مردود ہیں' چنانچہ بعضے سالک جہل یا غلبہ حال سے یا ناواقف مشائخ کے ہاتھ میں پھنس جانے سے بھی سمجھ بیٹھے کہ غیراللہ سے کسی درجہ کا بھی تعلق رکھنا مذموم ہے۔ بس ان کی یہ حالت ہوئی کہ بیوی کو چھوڑ دیا مال کو لٹا دیا اور تماشا ہے کہ ان کے ناواقف مشائخ اپنے مریدوں کی اس حالت پر ناز کرتے ہیں سو یہ لوگ خود ہی اس قابل ہیں کہ ان کی اصلاح کی جاوے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اچھی کس کی تربیت ہو گی تو سن لیجئے ایک صحابی دن کو ہمیشہ روزہ رکھتے اور شب کو قیام بہت کرتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نصیحت فرمائی کہ تمہاری جان کا بھی تم پر حق ہے' کمزور ہو جاؤ گے' آنکھ کا بھی حق ہے' مہمان کا بھی حق ہے' خدا تعالیٰ کا بھی حق ادا کرو اور دوسرے حقوق بھی ادا کرو' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تربیت دیکھئے کہ دشمنوں کو خطاب ہو رہا ہے اور خطاب میں اتنی رعایت کہ اگر حب مال کی شکایت ہوتی تو اس سے تنگی ہو گی کہ اس کو ہم کیسے دل سے نکال سکتے ہیں۔ اس لیے قید جم سے اس کو مقید فرما رہے کہ شکایت صرف اس بات کی ہے کہ مال کی محبت تم کو زیادہ کیوں ہے اور یہی مذموم ہے باقی حب مال مطلقاً مذموم نہیں اور اگر مال سے مطلقاً محبت رکھنا مذموم ہوتا تو **نعم المال الصالح للرجل الصالح** اور یوں نہ فرماتے **لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ**۔ (تم خیر کامل کو کبھی نہ حاصل کر سکو گے یہاں تک کہ اپنی پیاری چیز کو خرچ نہ کرو گے) جس میں من تبعیضیہ بھی ہے اور جس میں تحبون بھی ہے اگر سارے مال کا خرچ کر دینا ضروری ہوتا تو یوں نہ ارشاد ہوتا **افضل الصدقة عن ظهر غنى** پس معلوم ہوا کہ ملک مال یا حب مال کی شکایت نہیں ہے بلکہ کوئی اور شے ہے جو مبنیٰ شکایت کا ہے وہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے مقابلے میں کسی شے کی زیادہ محبت ہو پس

غیر اللہ سے اتنی محبت کرنے کی شکایت ہے دوسرے مقام پر بھی اس کی حد بیان فرمائی ہے **وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ** (اور بعض لوگ وہ بھی ہیں جو علاوہ خدا تعالیٰ کے اوروں کو بھی شریک (خدائی) قرار دیتے ہیں ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ تعالیٰ سے (رکھنا) ضروری ہے۔ کہ جیسی محبت خدا سے ہونا چاہیے ایسی محبت دوسروں سے کرتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ مطلقاً محبت محل شکایت نہیں ہے بلکہ ایسی محبت جو خدا کی سی ہو جس کے آثار یہ ہیں کہ وہ خدا کی یاد سے غافل کردے معصیت پر جری کردے۔ یاد رکھو غیر اللہ سے ایسا تعلق محبت کا رکھنا سخت مرض اور سم قاتل اور معالجہ کے قابل ہے حتیٰ کہ اگر اس پر حق تعالیٰ کے یہاں کچھ بھی سزا نہ ہو صرف سامنے کھڑا کر کے اتنا ہی پوچھ لیں کہ ظالم میری محبت کا تو دعویٰ اور پھر میرے غیر سے ایسا تعلق تو اس وقت کی شرمندگی اور ندامت غالب ہو کہ وہ دوزخ کے عذاب سے بھی بڑھ کر ہو۔

حق تعالیٰ ہی کے واسطے کی محبت

ہاں جو محبت خود حق تعالیٰ ہی کے واسطے بایں معنے کہ اس کی محبت کی طرف موصل ہو جائے جیسے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت یا شیخ کی محبت یا جس محبت کی اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے جیسے اپنے اہل اور اولاد کی محبت یہ مستثنیٰ ہے اس لیے کہ یہ محبتیں عین خدا تعالیٰ کی محبت ہے اور پرائی عورت یا پرائے مرد یا پرائے لڑکے کی محبت یہ منہی عنہ ہیں اسی طرح جو شے دنیا کی اپنے پاس نہیں ہے اس پر نظر ڈالنا اور اس کے نہ ہونے سے افسوس کرنا اور اس کی دھن لگا لینا یہ سب ممنوع ہے۔ حق تعالیٰ اپنے رسولؐ کو ارشاد فرماتے ہیں **لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ** یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان چیزوں کی طرف جن کے ساتھ ہم نے ان کفار کی جماعتوں کو متمتع کیا ہے آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیے۔

برادری کی رسومات

پس اے بیبیو تم کو کہاں اجازت ہوگی کہ کسی کے جھومر کو دیکھو یا کسی کے کڑوں چھڑوں پر نظر ڈالو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان قرب ایسی تھی کہ اگر تمام دنیا کے خزائن بھی آپ کے سامنے موجود ہوتے تب بھی ذرہ برابر آپ کے مراتب قرب میں فرق نہ آتا اس لیے اگر آپ دنیا قبول بھی فرماتے تب بھی آپ کو مضرت نہ ہوتی مگر آپ نے قبول نہ فرمائی تو ہم تو جو کہ دن رات معاصی میں غرق ہیں ہم کو کیسے اجازت ہوگی کہ دنیا کی حرص کریں اور جب کہ دیکھنا جائز نہیں تو دکھانا بھی کہاں جائز ہوگا۔ اس لیے کہ دکھلانے سے بھی حرص پیدا ہوتی ہے۔ اب تم اپنی برادری کی رسوم کو دیکھو کہ تمام رسوم کا مغز یہی دیکھنا دکھانا ہے۔ بتلاؤ کہ جس بات کو اللہ تعالیٰ منع کریں اور تم اس کو تفاخرا کرو یہ شریعت کا مقابلہ ہے یا نہیں یہ وہ چیزیں ہیں جن کو تم گناہ ہی نہیں سمجھتیں اور جب مال و متاع کو دیکھنے کی ممانعت ہے تو اجنبی مرد یا اجنبی عورت کو دیکھنا تو اس سے بھی بڑھ کر ہے اس لیے کہ مال کے دیکھنے سے تو کبھی حرص پیدا ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی اور پرائے مرد یا عورت کو دیکھنے سے تو حرص کا پیدا ہونا لازم ہے اور یہ تو ضروری ہے کہ جب غیر کی طرف کوئی دیکھتا ہے تو اس وقت اپنے دل کو ٹٹول لے کہ حق تعالیٰ کی محبت تو دل میں اتنی نہیں ہوتی۔

غیراللہ کی محبت انتہائی مذموم ہے

سو افسوس ہے کہ خدا تعالیٰ سے محبت کا دعوے اور اس کے سامنے ہر وقت موجود اور پھر غیر پر نظریں تو ہر نافرمانی بری ہے ہی لیکن غیراللہ سے محبت کرنا تو سب سے بڑھ کر ناپسند ہے اور حق تعالیٰ کو بہت غیرت آتی ہے کہ میرے چاہنے والے اور میرے محب غیر پر نظر رکھیں حدیث شریف میں آیا ہے **ان سعدا لغیور و انا اغیر منه واللّٰه اغیر منی و من غیرته حرم الفواحش ما ظهر منها وما بطن** شریعت کے خلاف جو امر ہے اس پر عموما اور غیر اللہ سے تعلق ناجائز رکھنے پر خصوصا حق تعالیٰ کی غیرت کو جوش آتا ہے جیسے کسی مرد کو اپنی بی بی کے پاس اجنبی مرد کو دیکھ کر جوش آتا ہے وہ کیا مسلمان ہے جو خدا کی محبت کا دعویٰ

کرے اور دوسری طرف نگاہ ڈالے مگر الحمدللہ اس بدنگاہی اور تعلقات کے امراض سے عورتیں بیشتر پاک ہیں اور یہ سب پردہ کی بدولت ہے جس کی آج کل بیخ کنی کی جارہی ہے اور جب باوجود ایسے پردہ ۔ ۔ ۔ ۔ کے بھی بعض عورتیں نہیں چوکتیں گو اس قدر فتنہ میں مبتلا نہیں ہیں جس قدر کہ مرد ہیں لیکن تاہم ان میں بھی کچھ کچھ خرابی ہے ہی چنانچہ مردوں کو یہ بھی ضروری جھانکتی تاکتی ہیں اور نیز مردوں کو ایسے موقع بھی دیدیتی ہیں کہ وہ ان کو دیکھ لیتے ہیں تو پردہ نہ رہنے میں تو کیا حشر ہوگا اور یاد رکھو حق تعالیٰ کو اس پر بھی غیرت آتی ہے کہ تم کو کوئی دیکھے جیسے سید کو اس سے غیرت آتی ہے کہ اس کی لونڈی کو کوئی دیکھے اور اس کا جی چاہتا ہے کہ اس کو تلوار ماروں اسی طرح اللہ تعالیٰ کو بھی غیرت آتی ہے کہ تم کو کوئی دیکھے اس لیے کہ تم سب اللہ تعالیٰ کی باندیاں ہو اسی لے حدیث میں آیا ہے **لعن اللہ الناظر و المنظور الیہ** کہ اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے دیکھنے والے پر اور جس کی طرف دیکھا ہے اس پر یعنی جبکہ منظور الیہ دیکھنے سے راضی ہو یا خود دکھاوے اور یہ وعید تو صرف دیکھنے دکھانے پر ہے اور اگر بولنا چالنا بھی ہو تو وہ بہت ہی غضب اور جوش کی بات ہے اور اگر اس سے آگے بھی نوبت پہنچ گئی ہو تو پھر اس کے لیے تو جہنم ہی تیار ہے۔ اسی واسطے حق تعالیٰ نے دور سے اس کی روک تھام کی ہے چنانچہ مردوں کو تو یہ حکم فرمایا **قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ** یعنی آپ مومنین سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہوں کو نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور عورتوں کے لیے یہ بھی حکم فرمایا اور اس پر اضافہ فرمایا **وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ** یعنی بناؤ سنگار کا موقع ظاہر نہ کریں اور ظاہر ہے کہ بناؤ سنگار کا موقع وہ ہے کہ اکثر کھلا رہتا ہے جب اس کا اظہار بھی اجانب کے سامنے جائز نہیں تو باقی تمام بدن کا تو کیسے جائز ہوگا اور دوسرے مقام پر ارشاد ہے **وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ بِزِيْنَةٍ** یعنی جو عورتیں بوڑھی ہیں وہ اگر اپنے زائد کپڑے اتار کر رکھ دیں جیسے اوپر تلے کپڑے ہوں اور اوپر کا کپڑا

اتار دے بشرطیکہ بدن ظاہر نہ ہو تو کچھ حرج نہیں لیکن اس حالت میں بھی اپنے موقع زینت کو ظاہر نہ کریں مثلاً گردن' کان کہ ان میں زیور پہنا جاتا ہے اور آگے ارشاد ہے **وَأَن يَسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ** یعنی وہ زائد کپڑے اتار کر رکھنے سے بھی بچیں تو ان کے لیے زیادہ بہتر ہے پس جب بوڑھیوں تک کے لیے یہ حکم ہے۔

پردہ اہتمام کی ضرورت

تو اے لڑکیو اور اے جوان عورتوں تم کو کہاں اجازت ہوگی کہ دور دور کے رشتہ داروں کے سامنے بے محابا آجاؤ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تو کوئی نہ ہوا نہ ہوگا حضورؐ خود اپنے سے عورتوں کو پردہ کراتے تھے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ آج کل جو بعضے تو تعلیم یافتہ کہتے ہیں کہ پردہ ضروری نہیں ہے اور ایسا پردہ قرآن و حدیث سے ثابت نہیں محض غلط ہے بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے قرآن و حدیث کو دیکھا ہی نہیں' بس دیکھا کیا ہے کوئی اخبار دیکھ لیا اگر کچھ عربی پڑھی ہے تو مصری اخبار دیکھ لیا کسی اپنے جیسے جاہل کے مضمون سے استدلال کرکے یہ بھی بول اٹھے کہ پردہ ضروری نہیں سو سمجھ لو کہ یہ پردہ جو آج کل مروج ہے یہ قرآن سے بھی ثابت ہے اور حدیث سے بھی ثابت ہے چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پردہ کے پیچھے سے ایک خط دیا اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سامنے عورتوں کو نہ آنے دیتے تھے اور قرآن اوپر گزرا ہے پھر جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود سے پردہ کراویں تو کون سا پیر ہے اور کون سا رشتہ دار ہے جس سے بے حجابی جائز ہوگی خواہ کوئی خالو ہو یا پھوپھا' دادا لگتا ہو یا چچا اگر محرم نہ ہو وہ اجنبی ہے بڑا ظلم و ستم ہے کہ عورتوں کو اس کی کچھ پروا نہیں ہم نے مانا کہ تمہارا دل پاک ہے لیکن تم کو دوسرے کی کیا خبر اگر کہو کہ دوسرا پاک ہے تو توبہ توبہ خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تم نے ظالم قرار دیا کہ باوجودیکہ یہ پاک تھا پھر بھی اس سے پردہ کا حکم دیا اگر یہ پاک صاف ہوتے تو حق تعالیٰ ضرور ان کا نام لکھ دیتے کہ فلاں شخص پاک ہے یاد رکھو اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے کہ کون پاک اور کون

نہیں ہے۔

فریب نفس

انبیاء سے زیادہ تو کوئی نہیں ہو سکتا۔ یوسف علیہ السلام باوجود نبی ہونے کے فرماتے ہیں **وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ** یعنی میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتا ہوں نفس تو بری بات کا حکم کرنے والا ہے ہی مگر جس پر میرا رب رحمت فرماوے کہ وہ مستثنیٰ ہے۔ اب بتائیے کہ کس کا منہ ہے جو کہے کہ میرا نفس پاک ہے مجھ کو برا وسوسہ نہیں آتا ہے اور اگر ایسا اتفاق ہوتا ہے تو وہ عارضی حالت ہے۔ چنانچہ بعض بزرگوں کو اس میں دھوکہ بھی ہوا ہے کہ انہوں نے جب دیکھا کہ ان کو وسوسہ نہیں آتا تو یوں سمجھے کہ ہمارا نفس مزکی ہوگیا ہے' اس لیے انہوں نے غیر محرم کے اختلاط میں کوئی باک نہیں کیا اور پھر کسی فتنہ میں مبتلا ہوگئے خواہ وہ فتنہ قلب ہی کا ہو اور یہ کارگزاری شیطان کی ہے کہ اس ترکیب سے کہاں سے کہاں تک لایا۔ یہ شیطان بڑھا ہوا جن ہے ہر شخص کو اس کے طرز سے بہکاتا ہے جب اس نے دیکھا کہ اگر میں برا وسوسہ اس کے قلب میں ڈالوں گا تو بے کار ہے اس لیے کہ یہ میرا کہنا کیوں مانے گا تو وسوسہ ڈالنا ہی چھوڑ دیا یہ شخص اب بے فکر ہوگیا کہ میں تو پاک ہوگیا مجھ کو کسی کو دیکھنا پاس بیٹھنا مضر نہیں یہ سمجھ کر اختلاط میں تساہل کرتا ہے پھر رفتہ رفتہ جان کو ایک روگ لگ جاتا ہے اور ساری عمر بھی اس سے خلاصی نہیں ہوتی۔ پس اے بیبیو اور اے مردو تم اجنبی سے اختلاط کرنے میں بالفرض اگر کوئی ناپاکی بھی نہ دیکھو تب بھی اس سے بچو کسی وقت اپنے نفس پر مطمئن نہ ہو یہ شیطان کی ترکیبیں ہیں اور شیطان اسی واسطے تو محقق سے گھبراتا ہے کہ وہ اس کے سب اترے پترے کھول کر رکھ دیتا ہے اور محقق پر اس کو اس قدر غصہ آتا ہے کہ اگر اس کا قابو چلے تو اس کو ہلاک کر دے لیکن قابو نہیں ہے اس لیے کہ فرشتے حفاظت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ فرشتوں کا ایک لشکر مقرر فرما دیا ہے کہ وہ بندوں کی حفاظت کرتے ہیں ورنہ شیطان تو انسان کی آخرت کا جیسا دشمن ہے اسی طرح دنیا کا بھی دشمن

ہے۔ لیکن اس سے زیادہ دشمن نفس ہے جو کسی وقت اس سے جدا ہی نہیں ہوتا، اس سے کسی وقت بے فکر نہ ہونا چاہیے خواہ تم کو وہ نفس ولی ہی نظر آوے مگر پھر بھی اس سے اطمینان نہ ہونا چاہیے کہ اس کی یہ ساری ولایت مجبوری اور بے سرو سامانی کی ہے' مولانا فرماتے ہیں

نفس اژدہاست او کے مردہ است
از غم بے آلتی افسردہ است

(نفس تو ناگ ہی ہے وہ بھلا کب مردہ ہوتا ہے ہاں بے اوزار ہونے پر بعض اوقات افسردہ ہو جاتا ہے)

مولانا نے اس مقام پر ایک حکایت لکھی ہے کہ شدت سرما میں ایک مار گیر کا کسی پہاڑ پر گزر ہوا دیکھا کہ ایک اژدہا پڑا ہے اور بالکل بے حس و حرکت ہے ہلا جلا کر دیکھا تو بالکل کچھ بھی حرکت نہیں سمجھا کہ مرا ہوا ہے یہ خیال باندھا کہ اس کو شہر میں لے چلو میرا کمال ظاہر ہو گا چنانچہ اس کو لایا اور ڈینگیں مارنے لگا کہ میں نے اس کو یوں مارا اور اس طرح قتل کیا لوگ اس کی بہادری کی تعریف کرنے لگے یہ قصہ صبح کے وقت کا ہے رفتہ رفتہ آفتاب اونچا ہوا اور اس کو گرمی پہنچی اس نے کروٹ بدلی اب تو سب کے ہوش پران ہوئے سب سے اول تو یہ مار گیر صاحب ہی بھاگے اس کے بعد مولانا فرماتے ہیں نفس اژدہاست یعنی اے شخص تو جو مغرور ہے کہ میرا نفس راہ پر آگیا ہے سو یہ یاد رکھ اس کی مثال اژدہا کی سی ہے کہ جس طرح سردی کی وجہ سے افسردہ تھا اور فی الواقع زندہ تھا اسی طرح تیرا نفس ہے جو گناہ کا سامان نہ ہونے کی وجہ سے نیک نظر آتا ہے اگر ابھی گناہ کا سامان میسر ہو جاوے تب اس کو دیکھنا چاہیے بس یاد رکھو پاک کوئی نہیں جس کو اللہ تعالیٰ پاک کریں وہ پاک ہے۔ اسی واسطے حق تعالیٰ نے اول تدبیر یہ بتلائی کہ نگاہ نیچی رکھو اگر بضرورت تم کو کسی غیر کے سامنے آنا پڑے گا تو نگاہ نیچی اور کپڑوں میں لپٹ کر آؤ یہ نگاہ بظاہر ہے بہت خفیف لیکن اصل تمام پھل پھول کی یہی ہے جیسے زکام ہے کہ بظاہر بہت ہلکی بیماری ہے لیکن سینکڑوں بیماریوں کا منشا ہو جاتا ہے اسی طرح نظر

بھی ہے اگر یہ بگڑ گئی تو پھر آئندہ امن اٹھ گیا اسی واسطے اول اسی کو روکا ہے۔

پردہ کی ضرورت و اہمیت

دیکھو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوں سے زیادہ تو کوئی عورت نہیں ہو سکتی میں تم کو قصہ سناتا ہوں جس سے تم کو اندازہ ہوگا کہ پردہ کس درجہ ضروری ہے حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ ایک نابینا صحابی ہیں وہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے ازواج مطہرات میں سے غالباً حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما بیٹھی تھیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پردہ میں ہو جاؤ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ تو اندھے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **افعمیا و ان انتما لستما تبصرانہ** یعنی کیا تم بھی اندھی ہو۔ اس کو دیکھتی نہیں ہو دیکھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہاں امہات المومنین دوسری طرف نابینا صحابی بھلا یہاں کونسے وسوسہ کا احتمال ہو سکتا ہے مگر پھر بھی پردہ کا کس درجہ اہتمام کرایا۔ پس تم کو تو غیر مرد کے سامنے آنا کیسے جائز ہوگا۔ آج کل تو عورتیں بارات اور دولہا کی زیارت کو خانہ کعبہ کی زیارت سمجھتی ہیں، چنانچہ آپس میں اس کی گفتگو ہوتی ہے کہ دولہا زیادہ خوبصورت ہے یا دلہن، سخت افسوس ہے۔ حضرت عائشہؓ اور ام سلمہؓ کو اتنے بڑے پاک صحابی کے سامنے جو کہ اندھے بھی تھے آنے کی اجازت نہ ہو اور آج عورتوں کو دولہا کو دیکھنا جائز ہو جاوے اور کوئی عورت یوں نہیں کہہ سکتی کہ ہمارے دل میں تو برائی نہیں ہے ہم تو برے جی سے نہیں دیکھیں تو کیا تم کہہ سکتی ہو کہ حضرت عائشہؓ کے دل میں نعوذ باللہ برائی تھی اگر کہو کہ کوئی مصلحت ہوگی جس کی وجہ سے پردہ کا حکم فرمایا، پس وہی مصلحت یہاں بھی ہے بلکہ یہاں بطریق اولے ہے۔ شریعت نے تو یہاں تک احتیاط کی ہے کہ نامحرم مردہ کو بھی دیکھنا ناجائز کر دیا ہے۔ بظاہر یہ خیال آیا ہوگا کہ مردہ دیکھنے میں کیا رکھا ہے سو یہ مت کہو کبھی اس سے بھی روگ پیدا ہو جاتا ہے اور اگر روگ لگ گیا یعنی اس کا خیال بندھ گیا تو دل ناپاک ہو گیا اور حاصل کچھ نہیں گناہ بے لذت اسی کا نام ہے، ہاں خاوند کو اتنی

اجازت ہے کہ مردہ بیوی کو دیکھ لے لیکن ہاتھ لگانا جائز نہیں اور بیوی کو جائز ہے کہ شوہر مردہ کو ہاتھ لگا دے۔ اب ذرا ان سب احکام کو پیش نظر رکھ کر اپنے برتاؤ دیکھو کہ غیر مردوں سے بے تکلف باتیں کرتی ہو یہ کب جائز ہوگا بلکہ غیر مرد کو سلام کرنا جائز نہیں اس لیے کہ سلام میں یہ خاصیت ہے کہ اس سے فوراً محبت ہو جاتی ہے۔ اسی واسطے حدیث میں آیا ہے کہ جو دو بھائی مسلمان آپس میں لڑیں تو تین دن کے بعد آپس میں بول لیں اور بہتر وہ ہے جس کی طرف سے ابتداء بالسلام ہو اور ملاقات کے وقت بھی اسی واسطے سلام کا حکم ہے کہ آپس میں محبت بڑھے پس فضول کلام تو دور کی چیز ہے' سلام کی بھی اجازت نہیں۔

اجنبی مرد و عورت کے جھوٹا کھانے کا حکم

اس سے بڑھ کر اور لیجئے ہمارے فقہا نے لکھا ہے کہ اجنبی مرد کا جھوٹا عورت کو اور اجنبی عورت کا جھوٹا مرد کو کھانا مکروہ ہے اس لیے کہ خیال ہوگا کہ اس میں سے فلاں شخص نے کھایا ہے' پھر استدلال کیا جاوے گا کہ بڑے سلیقہ سے کھایا ہے مثلاً معلوم ہوتا ہے کہ بڑا نازک مزاج ہے اور نیز جس جگہ اس کا ہاتھ لگا ہے وہاں سے کھانے میں التذاذ ہوگا اور لیجئے امہات المومنین کہ جن سے نکاح ابداً حرام ہے ان کو حکم ہے کہ نرم لہجہ سے بات مت کرو بلکہ کڑوے لہجہ سے بات کرو تاکہ جس شخص کے دل میں روگ ہے وہ طمع نہ کرے۔ بیبیو آخر یہ قرآن و حدیث واحکام کس واسطے ہیں' تمہارے ہی تو عمل کے لیے ہیں جب تم عمل نہ کرو گی تو اور کون کرے گا۔

الحاصل یہ جملہ احکام اس لیے ہیں کہ غیر اللہ کی محبت دل میں نہ پیدا ہو جاوے غرض نہ دیکھنے کی اجازت ہے اور نہ دکھلانے کی مگر بعضے باوجود پردہ کے نام کے پھر بھی ایسا پردہ کرتی ہیں کہ وہ مثل بے پردگی ہی کے ہیں۔ ستر کو حکم ہوتا ہے کہ اندھیری منہ پر ڈال کر چلا آ اس کی آنکھوں پر تو اندھیری پیچھے پڑے گی تمہاری عقلوں پر پہلے پڑ گئی میں کہتا ہوں کہ اگر اندھیری ڈالنے سے اس کو نظر نہیں آتا تو گھڑے اس کو کیسے نظر آ گئے کہ سیدھا وہیں پہنچتا ہے تو جس طرح گھڑوں کو دیکھتا

ہے اگر کسی بی بی کو بھی دیکھ لے تو کیا مشکل ہے بیپردہ تو ایسی چیز ہے کہ اگر شریعت سے بھی اس کا حکم نہ ہوتا تب بھی خود غیرت اور حمیت کا اقتضا تھا کہ پردہ کیا جاوے مگر یہ سب متعلق حیا کے ہے سو اب تو ایسی بے حیائی شائع ہوئی ہے کہ پہلے جو دنیا داروں میں حیا تھی وہ اب دین داروں میں بھی نہیں ہے عورتوں میں ذرا رکاوٹ نہیں رہی اسی طرح مردوں کو بھی شکایت ہے بلکہ مردوں کی شکایت عورتوں سے زائد ہے اس لیے کہ عورتیں تو بہت بچی ہوئی ہیں مردوں میں بہت کم عفیف نکلیں گے اور یاد رکھو کہ جس طرح یہ تعلقات شرعاً مذموم ہیں اسی طرح طریق محبت سے بھی مذموم ہیں کیونکہ حق تعالیٰ کی محبت کے ساتھ غیر پر نظر نہیں ہو سکتی اگر غیر پر نظر ہو تو وہ کاذب اور مدعی ہے۔ مولانا نے ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک عورت جا رہی تھی ایک مرد اس کے پیچھے ہو لیا اس عورت نے پوچھا کہ تم میرے ساتھ کیوں آتے ہو کہا مجھے تجھ سے محبت ہے اس عورت نے کہا کہ میری بہن مجھ سے زیادہ حسین ہے میرے پیچھے آ رہی ہے وہ مرد اس طرف چلنے لگا، اس عورت نے ایک دھول رسید کی اور یہ کہا

گفت اے ابلہ اگر تو عاشقی
پس چرا بر غیر افگندی نظر
در بیان دعوائے خود صادقی
این بود دعویٰ عشق اے بے ہنر

(اس نے کہا کہ اے بے وقوف تو اگر عاشق ہے اور اپنے دعوی عشق میں سچا ہے تو پھر غیر پر نظر کیوں کرتا ہے۔ اے بے ہنر کیا یہ ہی تیرے عشق کا دعوی ہے)

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمتہ اللہ علیہ بہت بڑے عارف گذرے ہیں اول بادشاہ تھے بادشاہی چھوڑ کر درویشی اختیار کی تھی اور وطن چھوڑ دیا تھا جب گھر سے گئے تھے تو بی بی کو امید تھی چنانچہ لڑکا پیدا ہوا جب وہ سیانا ہوا اس نے سنا کہ میرے باپ اس طرح چلے گئے اب مکہ معظمہ میں ہیں چنانچہ یہ لڑکا وہاں پہنچا حضرت

ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ طواف کر رہے تھے جب اس لڑکے کو دیکھا تو محبت کا جوش ہوا پتہ نشان پوچھنے سے معلوم ہوا کہ میرا ہی بیٹا ہے اور اس نے بھی جانا کہ میرا باپ ہے جھک کر سلام کیا حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ بیٹا تیرا مذہب کیا ہے کہا مسلمان ہوں اور زیادہ خوش ہوئے اور سینہ سے لگا لیا اسی وقت الہام ہوا کہ اے ابراہیم دو محبتیں ایک دل میں جمع کرتے ہو۔

حب حق ہو دل میں یا حب پسر
جمع ان دونوں کو تو ہرگز نہ کر

اے ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ اسی منہ سے ہماری محبت کا دم بھرتے ہو اسی وقت دعا کی اے اللہ اس کو اٹھا لے چنانچہ گردہ میں درد ہوا اور وہ لڑکا جاں بحق ہوگیا۔ اہل سیر نے لکھا ہے کہ وہ لڑکا حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہ اور توجہ سے ولی کامل ہوگیا تھا پس جبکہ بیٹے کی اتنی محبت جائز نہیں کہ جو حق سے غافل کردے تو اجنبی سے جس کا منشا محض خواہش نفسانی ہو محبت کرنا کیسے جائز ہوگا۔

عذاب جان

بعض عورتوں اور نیز مردوں کو دیکھا ہے کہ ان کو اولاد کی بے انتہا محبت ہوتی ہے۔ ایک بیگم تھیں ان کے بہت سے بچے تھے شب کو سب کو اپنے پاس سلاتی تھیں اب اتنی بڑی چارپائی تو کہاں سے آوے فرش پر سوتی بیچ میں خود ہوتی تھیں اور چاروں طرف بچے اور رات کو کئی کئی مرتبہ ہاتھ سے دیکھتی تھیں کہ کوئی کم تو نہیں ہوگیا توبہ توبہ ایسی محبت بھی عذاب جان ہے۔ ایسی ہی محبت کے بارے میں تو ارشاد ہے جو کفار میں ہوتی تھی **وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَا اَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ تَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ** یعنی اے محمد آپ کو ان کے مال اور اولاد پسند نہ آنے چاہئیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اس مال اور اولاد سے ان کو دنیا کی زندگی میں عذاب دینا چاہتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ ان کی جانیں اسی حالت میں نکل جاویں اور وہ کفر کرتے رہیں **نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْهَا** واقعی دنیا دار سخت تکلیف میں ہیں اگر راحت ہے تو بس اللہ والوں کو ہے

لیکن اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اللہ والوں کو اولاد اور مال سے تعلق نہیں ہوتا یا یہ کہ وہ اپنے اہل و عیال کا حق ادا نہیں کرتے۔ ان سے زیادہ محبت کرنے والا اور حقوق کو ادا کرنے والا تو کوئی بھی نہیں ہے ہاں حق تعالیٰ کی محبت اور اس کے حقوق پر مال اور اولاد کی محبت کو غلبہ نہیں ہوتا اور اس کا امتحان اس وقت ہوتا ہے جب کہ دنیا اور دین میں باہم تزاحم ہو کہ وہ اس وقت دنیا کو چھوڑ دیتے ہیں اور دین کو اختیار کرتے ہیں حدیث میں وارد ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جناب رسول کریمؐ ہمارے ساتھ گھر میں ملے جلے رہتے مگر جب اذان ہوتی تو آپ اس طرح کھڑے ہو جاتے کہ گویا ہم کو پہچانتے بھی نہیں پس ان کو حق تعالیٰ کی ایسی محبت ہوتی ہے کہ اس سے وہ ہر وقت چین میں رہتے ہیں ایک دفعہ جب وہ اللہ کا نام لیتے ہیں تو رگ رگ اور ریشہ ریشہ میں ان کے سکون اور چین اور اطمینان طاری ہو جاتا ہے اسی واسطے ایک بزرگ کہتے ہیں کہ ہم کو ایسی دولت میسر ہے کہ اگر ملوک دنیا کو اس کو اطلاع ہو جاوے تو ہم پر تلواریں لے کر آچڑھیں۔

شریعت میں اعتدال کی تعلیم

غرض شکایت اس بات کی ہے کہ محبت کثیر کیوں ہے خواہ وہ محبت مال کی ہو یا اولاد کی ہو یا بیوی کی ہو شریعت ہر شے میں اعتدال کی تعلیم کرتی ہے، شریعت کا مقصود یہ نہیں کہ سارا مال خیرات کر کے اور بیوی بچوں کو چھوڑ کر رہبانیت اختیار کر لو بلکہ مقصود یہ ہے کہ اعتدال کی رعایت رکھو نہ اتنی محبت ہو کہ آخرت سے غافل کر دے اور نہ اتنی بے تعلقی ہو کہ حقوق ادا کرنے میں کوتاہی ہونے لگے کہ اہل و عیال بھوکے مر رہے ہیں اور یہ اپنے ذکر و شغل میں لگ رہے ہیں اور جہت افراط کا نام جبکہ مال میں ہو حرص مذموم ہے اور جب شہوت میں ہو تو وہ فجور ہے اور جو ضرورت سے بھی کم ہو خمود ہے اور ان کے درمیان عفت ہے۔ غرض ہر شے کی رغبت کا اعتدال عفت کہلاتا ہے۔ شریعت کو بھی عفت مطلوب ہے ۔فضلہ تعالیٰ عفت کے متعلق ضروری مضمون سب آگیا ہے اور اس کی رعایت بہت کم

لوگوں کو ہے کہ اکثر تو افراط میں مبتلا ہیں اور بعض جو دین داری میں آویں گے وہ تفریط کے درجہ میں آجاتے ہیں ایک عالم اس میں مبتلا ہے حتیٰ کہ بہت سے مشائخ کو بھی اس میں ابتلا ہے اب اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اعتدال کی توفیق عطا فرماویں اور افراط و تفریط سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

*

حقیقت احسان

احسان کی حقیقت

دینی و دنیوی منافع کے متعلق بمقام جامع مسجد کان پور ۱۷ ربیع الاول ۱۳۲۳ ہجری بروز جمعۃ المبارک ارشاد فرمایا۔

○ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

حامداً و مصلیاً و مسلماً اما بعد واضح ہو کہ حضرت زبدۃ العارفین عمدۃ الواصلین مقتدانا مرشدنا مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جو جو وعظ کانپور میں قلمبند ہوئے ہیں منجملہ ان کے یہ ایک بہت بڑا معرکہ کا وعظ ہے جو اکثر دینی اور دنیوی نصائح و منافع پر مشتمل ہے اور اس کا نام مواعظ اشرفیہ قرار پایا ہے۔ جو جو صاحب اس سے منتفع ہوں اس میں تمام سعی کرنے والوں کے لئے دعائے خیر فرماتے رہیں۔

الحمدللہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نومن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ہادی لہ و نشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و نشھد ان سیدنا و مولانا محمداً عبدہ و رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ و اصحابہ وسلم

اما بعد فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ

حدیث جبرئیل علیہ السلام

یہ ایک حدیث شریف کا ٹکڑا ہے اور جواب ہے ایک سوال کا جو حضرت

جبرئیل علیہ السلام نے خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر کیا تھا جس کا پورا قصہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس حالت میں کہ ہم ایک دن رسول اللہ ﷺ کے نزدیک موجود تھے۔ ناگاہ ہم پر ایک ایسا شخص ظاہر ہوا جس کے کپڑے نہایت سفید اور بال بہت کالے تھے' اس پر سفر کا نشان تو معلوم نہیں ہوتا تھا اور ہم میں سے کوئی اس کو پہچانتا بھی نہ تھا۔ یہاں تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے بھڑ کر باادب بیٹھ گیا اور پوچھنے لگا کہ یا رسول اللہ ﷺ اسلام کس کو کہتے ہیں؟ حضور ﷺ نے اعمال اسلامیہ کو ذکر فرمایا کہ خدا کے سوا کسی کو معبود نہ جاننا اور محمد ﷺ کے رسول اللہ ہونے کی تصدیق کرنا' نماز پڑھنا' زکوۃ دینا' رمضان شریف کے روزے رکھنا اور استطاعت ہونے پر بیت اللہ کا حج ادا کرنا۔

یہ سن کر اس شخص نے آپؐ کی تصدیق کی کہ آپ سچ ارشاد فرماتے ہیں۔ ہم لوگوں کو تعجب ہوا کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھتا بھی ہے اور تصدیق بھی کرتا ہے۔ پھر اس شخص نے سوال کیا کہ ایمان کس کو کہتے ہیں؟ حضور ﷺ نے عقائد اسلامیہ کو ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی تصدیق کرنا اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لانا اور قیامت کے دن پر ایمان لانا اور تقدیر کے خیر و شر پر ایمان لانا۔ اس شخص نے اس کو بھی سن کر کہا کہ سچ ارشاد فرماتے ہیں۔

پھر اس نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ احسان کس کو کہتے ہیں؟ ارشاد ہوا کہ **ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک** یعنی احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرو کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو کیونکہ اگر نہیں دیکھتے ہو تم اس کو پس وہ تحقیق تم کو دیکھتا ہے۔

اس سوال کے علاوہ اس شخص نے اور اور سوال بھی کئے تھے جو پوری حدیث میں مذکور ہیں اور حضور ﷺ نے ان سب کے جواب بخوبی ارشاد فرمائے تھے۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ اس شخص کے چلے جانے کے بعد حضور ﷺ نے مجھ

سے ارشاد فرمایا کہ اے عمرؓ تم جانتے بھی ہو کہ یہ سوال کرنے والے کون تھے' میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ اللہ و رسولہ اعلم ادب کی وجہ سے صحابہ رسول اللہ سے اس طرح کہہ دیا کرتے تھے "اللہ اور اسکا رسول ﷺ زیادہ جانتے ہیں۔" حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا فانہ جبرئیل اتاکم یعلمکم دینکم "یعنی یہ سوال کرنے والے جبرئیل علیہ السلام تھے' تمہارے پاس اس لئے آئے تھے کہ تم کو تمہارا دین سکھلا دیں"

حضرت جبرئیل علیہ السلام کی تشریف آوری کا سبب

وجہ اس آنے کی یہ ہوئی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ کو زیادہ پوچھ گچھ سے منع فرمایا تھا لیکن یہ سمجھ لینا چاہیے کہ امور دو قسم کے ہوتے ہیں' ایک تو وہ جو پیش آئیں یا واقع ہوں ان کا پوچھنا تو ضروری ہے اس سے ممانعت نہ تھی۔ دوسرے یہ کہ محض فرضی صورتیں نکال نکال کر احتیاطاً" پوچھ رکھنا اگرچہ ابھی نہ ہوئی ہوں' جیسے اب بھی ایک تو عام لوگ ہیں ان کو تو یہ چاہیے کہ جب کوئی امر پیش آوے اس وقت دریافت کر لیں یا ایسا کوئی امر جس کا واقع ہونا غالب ہو تو وہ دریافت کر لیں۔ یہ نہیں کہ فرضی بعید الوقوع صورتیں دریافت کر کر کے پریشان کریں۔ البتہ طلباء جن کا کام ہے مسائل کی تحقیق کرنا وہ اگر دریافت کریں تو مضائقہ نہیں اور بعض لوگوں کی جو یہ عادت ہوتی ہے کہ خواہ مخواہ مولویوں کو دق کرنے کے لئے ایسی باتیں پوچھا کرتے ہیں جن کی کوئی صورت نہیں۔ یہ سب بیکار و فضول ہے۔

ممانعت سوالات کے اسباب

صحابہؓ کو جو سول سے اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا تھا اس کی کئی وجہیں ہیں۔

اول تو یہ کہ ایسی فرضی باتیں دریافت کرنا خلاف ادب تھا۔ دوسری یہ کہ رسول اللہ ﷺ ضروری بات خود ہی بیان فرما دیا کرتے تھے' آپ کا ارشاد ہے انما

بعثت معلما" (مجھ کو معلم بنا کر بھیجا گیا ہے) یہ تو آپ کا فرض منصبی ہی تھا اور خود آپ اعلیٰ درجہ کی شفقت رکھتے تھی۔ ضرورتوں کو سمجھتے تھے آپ بغیر پوچھے بتلا دیا کرتے تھے۔ ایسی حالت میں سوالات کرتے رہنے کی ضرورت ہی کیا تھی جس طرح اگر کوئی طبیب حاذق شفیق ہو اس نے نبض دیکھ لی۔ ضرورت امور دریافت کر کے تشخیص کر لی نسخہ لکھ دیا' پرہیز بتلا دیا۔ سارے ضروری امور سے خود ہی غایت شفقت کے باعث سے آگاہ کر دیا تو پھر ایسے شخص سے دریافت کرنے کی ضرورت ہی کیا رہ گئی۔

تیسری یہ بھی مصلحت ہو سکتی ہے کہ بعض منافقین گھڑ گھڑ کر صورتیں پوچھا کرتے تھے اور غرض اس سے محض دق کرنا ہوتا تھا اس لئے مسلمانوں کو بھی منع کر دیا گیا تاکہ منافقین کو آڑ نہ ملے۔ چنانچہ خود مجھ سے ایک شخص نے ایک مرتبہ دریافت کیا کہ دو شخص چلے جاتے تھے اور ان کے ہمراہ ایک عورت تھی' ایک شخص اس کا خاوند تھا دوسرا اس کا بھائی۔ اتفاق سے چوروں نے دونوں کو قتل کر ڈالا' سر تن سے جدا ہو گیا۔ وہ رونے لگی۔ اتفاق سے ایک درویش کامل کا ادھر سے گزر ہوا۔ وہ واقعہ دریافت کرنے کے بعد اس عورت سے کہا کہ دونوں کے سر دھڑ سے لگا دے۔ اس نے خاوند کے دھڑ کے ساتھ بھائی کا سر اور خاوند کا سر بھائی کے دھڑ کے ساتھ لگا دیا۔ انہوں نے دعا کی دونوں زندہ ہو گئے تو بتلاؤ کہ وہ عورت کس کو ملے گی؟ میں نے کہہ دیا کہ جناب مجھے نہیں معلوم۔ ایسی باتوں کے پوچھنے سے غرض یہ ہوتی ہے کہ یہ جواب نہ دے سکیں گے تو ہم کہیں گے ہم نے ایسی بات پوچھی کہ اس کا جواب عالم سے بھی نہیں بن آیا یا ہم ایسے بڑے ہیں ایسے ذہین ہیں اور بس۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ بعض بات آسان ہوتی ہے اور پوچھنے کی بدولت دشوار ہو جاتی ہے۔ چنانچہ جب حج فرض ہوا تو ایک صحابیؓ نے عرض کیا کہ افی کل عام یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کیا ہر سال میں ہے یا رسول اللہ ﷺ) آپؐ نے

کچھ دیر سکوت فرمایا۔ پھر ارشاد کیا کہ اگر میں نعم (ہاں) کہہ دیتا تو ہر سال حج کرنا فرض ہو جاتا اور تم لوگوں سے نہ ہو سکتا مصیبت میں پڑ جاتے اور آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ذرونی ما ترکتکم (یعنی مجھ کو چھوڑے رکھو جو مناسب سمجھوں گا اس سے تم کو آگاہ کر دیا کروں گا تم کھود کھود کر نہ پوچھا کرو) یہ وہ مصلحتیں تھیں جو ممانعت سوال کا باعث تھیں اور اس وقت میرے خیال میں آئیں ممکن ہے کہ اور بھی مصلحتیں ہوں۔

بہرحال ممانعت سوال کی وجہ سے صحابہؓ دریافت کرنے میں بہت احتیاط کرتے تھے۔ بعض امور ان کے خیال میں آتے ہوں گے لیکن اس میں تردد ہو جاتا ہو گا کہ نہ معلوم یہ باتیں ضروری ہیں یا نہیں' ان کا پوچھنا بے ادبی تو نہیں ہے اس لئے ڈر کے مارے نہ پوچھ سکتے تھے۔ یہ بھی ایک مرتبہ ہے جو حاصل کرنے کے قابل ہے کہ جو دل میں کھٹکے اسے ترک کر دیا جاوے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا دع ما یریبک الی ما لا یریبک (یعنی جس چیز سے تمہیں کھٹکا ہو اسے چھوڑ کر ایسی چیز اختیار ہو جس سے کھٹکا نہ ہو) پس خدائے تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو اس لئے بھیجا تھا کہ وہ پوچھیں گے تو صحابہؓ کو بہت سی دین کی باتیں معلوم ہو جائیں گی۔

احسان کا مفہوم

اب یہ سمجھئے کہ میں نے اس وقت اس لئے احسان کے بیان کو اختیار کیا ہے کہ اس کی بڑی ضرورت ہے' لوگ اس سے بالکل غافل ہو رہے ہیں۔ احسان کے متعارف معنی جو اردو میں مشہور ہیں وہ یہاں مراد نہیں۔ یہ عربی لفظ ہے۔ اس کے معنی ہیں اچھا کرنا اور یہاں مراد ہے عبادت کو اچھا کرنا۔ اب دیکھئے اول تو لوگ عبادت ہی سے بھاگتے ہیں اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ دنیوی کاموں میں دن رات لگے رہتے ہیں' ذرا ذرا سی باتوں کے لئے مشقت اٹھاتے ہیں۔ خصوصاً اگر تھوڑی سی دنیاوی امید ہوتی ہے تو بڑی بڑی محنتیں کرتے ہیں اور مشقتیں

اٹھانے میں دریغ نہیں کرتے لیکن عبادت میں کوتاہی کرتے ہیں اور دنیا طلبی میں سرگرم ہیں۔

مسئلہ ترقی دنیا

اس پر طرہ یہ ہے کہ اس کی (یعنی دنیا طلبی کی) اور ترغیب دی جاتی ہے' جلسے ہوتے ہیں' کمیٹیاں قائم ہوتی ہیں اور کوشش ہے کہ خوب مال و دولت کی حرص بڑھ جاوے ہوا و ہوس میں ترقی ہو' دن رات ترقی ترقی کی پکار ہو رہی ہے۔ ہوا و ہوس کا نام بدل کر ترقی رکھ دیا ہے۔ آخر اس سے مطلب کیا ہے' یہی نا کہ مال خوب حاصل کیا جاوے' مکان بھی نہایت عالیشان ہو' کپڑے بھی نہایت قیمتی ہوں' اسباب بھی بیش بہا ہو' غرضیکہ دنیاوی عیش و سامان کے جمع کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی جاوے' چاہے دین رہے یا جائے لیکن یہ بھی معلوم رہے کہ ترقی کا مسئلہ سرور عالم ﷺ کی خدمت میں پیش ہو چکا ہے۔ آپ اس کا فیصلہ بھی فرما چکے ہیں جس کا نہایت معتبر اور سچا واقعہ اس طرح پر ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپ بالا خانہ پر تشریف رکھتے تھے وہاں صرف ایک چٹائی بچھی ہوئی تھی' آپ اس پر لیٹے ہوئے تھے' جسم شریف پر چٹائی کے نشان بن گئے تھے اور سرہانے کی جانب کچھ کچے چمڑے لٹک رہے تھے۔ پائنتی کی جانب کچھ ببول کی پتیاں پڑی ہوئی تھیں تاکہ ان چمڑوں کو ان سے دباغت دے لیا جاوے۔

حضرت عمرؓ اس حالت کو دیکھ کر رونے لگے' آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے اور عرض کرنے لگے کہ یا حضرت ﷺ قیصر اور کسریٰ وغیرہ جو شرک اور کفر میں مبتلا ہیں خدا کی عبادت نہیں کرتے وہ تو چین و آرام سے گزاریں اور آپ اس تنگی کی حالت بسر کریں۔ آپ دعاء فرمایئے کہ خدائے تعالیٰ آپ کی امت کو وسعت عنایت کریں۔

یہ حضرت عمرؓ کا ادب تھا کہ امت کی وسعت کے لئے دعاء کی درخواست

کی۔ آپؐ نے فرمایا افی شک انت یا ابن الخطاب (کیا اے عمرؓ ابن الخطاب تم اب تک شک ہی میں پڑے ہوئے ہو) اولئک عجلت لھم طیباتھم فی الحیوۃ الدنیا (ان کو لذیذ چیزیں دنیا میں جلدی سے مل گئی ہیں) مطلب یہ ہے کہ تمام آرام و آسائش کفار کو دنیا ہی میں مل گیا ہے آخرت میں وہ محروم رہیں گے۔ اب ہم لوگوں کے لئے خدائے تعالیٰ نے آخرت میں ذخیرہ کر رکھا ہے۔

اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کے افلاس اور تنگ دستی کی شکایت کی تھی اور چاہا تھا کہ دعاء کر دی جائے اور فراغت اور وسعت ہو جائے۔ مال و دولت بافراط مل جائے' خوب ہی آسائش و آرام سے گزرنے لگے۔ دوسرے لفظوں میں کہا جا سکتا ہے کہ ترقی کی درخواست کی تھی اور چاہا تھا کہ جیسے کفار کو مال و دولت میں ترقی حاصل ہے اسی طرح مسلمان بھی ترقی کریں۔ آپؐ نے فیصلہ فرما دیا کہ ان کو یہاں مل گیا ہے ہم کو قیامت میں ملے گا۔ ایک یہ بات لوگ بہت کہا کرتے تھے کہ اس زمانہ میں ترقی کی ضرورت نہ تھی کیونکہ دوسری قومیں بھی ترقی یافتہ نہ تھیں' اب ضرورت ہے۔ ان سے دریافت کرنا چاہیے کہ کیا اس زمانہ میں کسی نے ترقی نہ کی تھی قیصر اور کسریٰ کی عیش پرستیاں اور عیش و نشاط کے سامان دیکھئے' تاریخ پڑھیے۔ مال و دولت میں عیش میں آرام میں تزک و احتشام میں کیا تھا جو ان کے پاس نہ تھا۔ عمدہ سے عمدہ سامان عشرت مہیا تھے اور مسلمانوں کے پاس وہ سامان اور اسباب نہ تھا۔ پھر بھی حضور ﷺ نے یہی ارشاد فرمایا جو اوپر مذکور ہوا تو اب کیا باقی رہ گیا۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو صحابہؓ کو افراط دنیا سے کچھ ضرر بھی نہ ہو سکتا تھا' کیونکہ قلب نہایت قوی رکھتے تھے۔ خدا کی اطاعت فرمانبرداری ان کے دلوں میں رگ و ریشوں میں گھسی ہوئی تھی۔ دل و جان سے احکام شرعیہ کی تعمیل پر آمادہ اور سرگرم رہتے تھے۔ خدا کے خوف سے ہر وقت ترساں و لرزاں رہا کرتے تھے۔

اور یہ بھی یقینی بات ہے کہ اگر کسی شخص کو سانپ کے پکڑنے اور اس کے

زہر کے اثر نہ کرنے کا منتر یاد کرا دیا گیا ہو تو وہ سانپ کو بے کھٹکے پکڑ سکتا ہے۔ اگرچہ سانپ اس کے ہاتھ میں ہو۔ مگر وہ ہر طرح سے مطمئن رہتا ہے۔ دنیا اگرچہ سانپ کے مثل تھی لیکن صحابہؓ کو اس کا منتر یاد تھا یعنی ذکر اللہ۔ خدا کی یاد سے غافل نہ ہوتے تھے۔ ایسی حالت میں ان کو دنیا سے کیا ضرر ہو سکتا تھا۔ بخلاف ہم لوگوں کے کہ منتر تو یاد نہیں اور سانپ کو پکڑنا چاہتے ہیں۔ آخر اس کا نتیجہ کیا ہو گا؟ ہلاکت۔ جہاں ذرا اس نے ڈسا اور خاتمہ ہوا۔

صحابہ کرامؓ کی وہ حالت تھی کہ اس کا کچھ کہنا ہی نہیں۔ حضرت عمرؓ کی دیانت' حق پرستی' قوت ایمان ایسے تمام اخلاق و صفات موافقین کیا مخالفین کے نزدیک بھی مسلم الثبوت ہیں۔ ذرا ان کی حالت دیکھئے خلافت کا تو زمانہ اور کپڑے پیوند لگے پہنے ہوئے' چکنا سالن تک نہ کھاتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ نے آپ کی دعوت کی تھی اور گوشت پکا رکھا تھا' جس میں گھی بھی کسی قدر ڈالا ہوا تھا۔ کھانا کھانے کے وقت حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا میاں تم نے تو ایک سالن کے ساتھ دوسرا سالن بھی جمع کر دیا ہے۔ یعنی ایک تو گھی اس سے بھی روٹی کھائی جا سکتی ہے دوسرا گوشت کہ اس سے بھی روٹی کھا سکتے ہیں۔ اس قدر اسراف اور تکلف کی ضرورت ہی کیا تھی۔

حضرت عبداللہؓ نے عرض کیا کہ میں نے اس میں مقدار معین سے زیادہ صرف نہیں کیا ہے۔ جس قدر خرچ لے کر گوشت خریدنے نکلا تھا اسی قدر میں بوجہ معمولی گوشت ہونے کے تھوڑے کا گوشت لے لیا اور باقی کا گھی خرید لیا۔ کہ نے فرمایا کہ یہ بات صحیح ہے مگر میرے نزدیک غیر مناسب ہے۔ القصہ وہ کھانا آپ نے نہیں کھایا۔ چھپر رہنے کو تھا' کوئی بڑا محل نہ تھا' دربان نہ تھے' پہرہ چوکی نہ تھا' اپنے کام کو خود کر لیا کرتے تھے' راتوں کو گشت لگاتے تھے' لوگوں کی حالت دریافت کرتے تھے' ضعفاء اور مساکین کی خبر لیتے تھے' پھر بھی آپ کی کیفیت اور حالت کو دیکھئے بغور ملاحظہ کیجئے کہ حضرت حذیفہؓ جن کا صاحب اسرار لقب ہے اس

وجہ سے کہ حضرت ﷺ نے ان کو منافقین کے نام بتلا دیئے تھے تو حضرت عمرؓ ان سے قسم دے دے کر پوچھا کرتے تھے کہ سچ بتلانا کہیں میرا نام تو ان لوگوں میں نہیں ہے۔ جب تقویٰ اور خشیت کی یہ حالت ہو تو پھر اگر ایسے لوگوں کے پاس دنیا ہوتی تو ان کو کیا ضرر ہو سکتا تھا۔

طوفان بے تمیزی

اب بتلایئے کہ اس زمانہ کے مناسب کیوں ترقی نہ تھی اور اس زمانہ کے مناسب کیوں ہے؟ کیا اس زمانہ میں کچھ ترقی نہیں ہوئی تھی؟ اکاسرہ اور قیاصرہ کے پاس کس چیز کی کمی تھی اور صحابہؓ کو ضرر کا احتمال بھی نہ تھا۔ علاوہ اس کے اور تمام چیزوں میں بھی یہی عذر کیا کرتے تھے۔ نماز کی نسبت کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں ضرورت تھی جب نئے نئے مسلمان ہوئے تھے' کیونکہ بت پرستی حال ہی میں چھوڑی تھی اس لئے ضرورت تھی کہ خدا کی عبادت کریں تاکہ بتوں کا خیال دل سے نکل جائے۔ روزہ رمضان کے متعلق کہتے ہیں کہ پہلے زمانہ میں غصہ وغیرہ کا غلبہ تھا قوت کا زور تھا' اس لئے ضرورت تھی کہ روزہ رکھیں تاکہ ضعف آ جائے وہ سختی جاتی رہے۔ اب خود ہی لوگ ضعیف اور مہذب ہو رہے ہیں اب کیا ضرورت ہے۔ رہا حج چونکہ وہ تجارت کا ذریعہ تھا' تجارت کے لئے لوگ جمع ہوا کرتے تھے حج کی بھی بیخ لگا دی۔ رہ گئی زکوٰۃ سو وہ تو ان کی ترقی کے بالکل خلاف ہے۔ تصویروں کے متعلق کہتے ہیں کہ پہلے لوگ بت پرستی کے عادی ہو رہے تھے' اس کو اچھا سمجھتے تھے' اسلام لانے کے بعد پہلا خیال کچھ نہ کچھ دل میں بسا ہوا تھا' اگر تصویر وغیرہ رکھتے تو خیال سابق میں زیادتی ہوتی اور بت پرستی کا ذریعہ ہو جاتا اب کیا ضرورت ہے۔ اب تو بعض بت پرست قومیں بھی اس کی قباحت کو تسلیم کرتی جاتی ہیں اور مسلمانوں میں تو پشتہا پشت سے بت پرستی کا نام بھی نہیں' اب تصویر سے کیا حرج ہے۔

غرض طوفان بے تمیزی برپا کر رکھا ہے جو کچھ جی میں آتا ہے لکھتے ہیں۔ یہی

کیوں نہیں کہہ دیتے کہ اسلام ہی کی ضرورت نہیں' چلو چھٹی ہوئی' دعویٰ تو اسلام کا اور اس کے تمام احکام سے انکار۔ ہر ہر چیز کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کر دین سے انکار کرنا چاہتے ہیں۔ صاف صاف انکار کرنا تو ذرا مشکل معلوم ہوتا ہے کہ لوگ برا کہیں گے۔ اگرچہ بعض نے ہمت کر کے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ مذہب ہی مانع ترقی ہے۔ ایک کمیٹی لکھنؤ میں ہوئی تھی ترقی کے ذرائع اور موانع سوچنے کے متعلق۔ وہاں ایک صاحب نے یہ رائے ظاہر کی تھی کہ مذہب ہی مانع ترقی ہے۔ ایک صاحب نے وہیں خوب ہی جواب دیا اور کہا واقعی یہی بات ہے' لیکن مذہب کی طرح قانون بھی مانع ترقی ہے' جب مذہب سے دستبردار ہو تو قانون کو بھی چھوڑ دو۔ چوری ڈکیتی کی جائے تو بہت سا مال جمع ہو سکتا ہے۔ اگر موقع ہو اور کسی کے قتل سے مال ہاتھ آتا ہو تو اس سے دریغ کرنے کی کیا وجہ؟ غصب کو بھی جی چاہتا ہو گا' پھر کون مانع ہے یہی نا کہ قانون ان امور کے مرتکب ہونے والے کو سزا ہوتی ہے۔ ذرا خلاف قانون کریں تو خبر لی جائے۔ انصاف تو یہ تھا کہ اگر مذہب سے دستبردار ہوتے تھے تو قانون کو بھی چھوڑ دیتے اس کی بھی پرواہ نہ کرتے۔ غضب ہے حکام ظاہری کے قانون کا تو اتنا خوف اور حاکم حقیقی اور تمام جہان کے بادشاہ یعنی اللہ تعالیٰ کے قانون میں یہ دلیری اور گستاخی' عجب اندھیر ہو رہا ہے۔ دنیا میں انہماک ہے ایسی حالت میں عبادت کی بھلا کہاں نوبت آ سکتی ہے۔ اگر کچھ لوگوں کو توفیق ہوئی بھی تو محض صورت عبادت کی ہوتی ہے معنی عبادت کے بالکل نہیں ہوتے۔ معنی سے یہ عبادت محض معراء ہوتی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے بادام تو ہو اور اس میں مغز نہ ہو' صرف پوست ہی پوست ہو یا جیسے دیوالی کی مورتیں اور تصویریں ہوتی ہیں کہ یہ کمہار ہے' یہ لوہار وغیرہ ہے سب ہی کچھ ہے لیکن اصلیت نہیں۔ نام کو آدمی لیکن آدمیت نہیں۔ نام تو ہاتھی ہے اور کام کچھ نہیں کر سکتا۔ کسی چیز کو لادنا تو درکنار وہ خود خریدنے اور بنانے والے پر لدا لدا پھرتا ہے۔ اگر کوئی حاکم کسی سے کہے کہ ہمیں ایک آدمی کی ضرورت ہے اور کوئی

مخص آدمی کی تصویر پیش کر دے کہ حضور اس کو نوکری میں قبول فرمادیں تو کیا وہ حاکم اس بیوقوف نادان سے ناراض نہ ہو گا اور اس کی بیہودہ حرکت کو سخت بے ادبی اور گستاخی نہ سمجھے گا' سزا نہ دے گا؟ تو پھر بڑے غضب کی بات ہے کہ ہم خدا کے سامنے اس نام کے آدمی یعنی صورت آدمی کے مثل صورت عبادت کو بے خوف و خطر پیش کریں اور گستاخی کا ذرا خیال بھی نہ آئے۔ عبادت بے جان تو پیش کریں اور شرماویں نہیں۔

عبادت کی روح

اب سمجھنا چاہیے کہ عبادت کی روح اور جان کیا ہے' اس کی حقیقت اور صورت میں کیا فرق ہے' کون سی چیز ہے جس کے ہونے سے صورت عبادت اصلی عبادت ہو جاتی ہے' اس کا کیا درجہ ہے۔ پس اس حدیث سے دیکھئے عبادت کے اچھا کرنے کی حقیقت بتلائی ہے اور ظاہر ہے کہ کسی چیز کے اچھا ہونے کے کیا معنی ہوا کرتے ہیں۔ یعنی اس میں کوئی نقصان نہ ہو کوئی کسر نہ رہے جیسی چاہیے ویسی ہی ہو۔ غرض ہر چیز کا اچھا ہونا اس کے مناسب جدا طریق سے ہوتا ہے۔ مثلاً" اچھی روٹی وہ ہو گی جس کا مادہ بھی اچھا صورت بھی اچھی ہو جو اس کا ثمرہ ہے وہ بھی اچھا ہو۔ اسی طرح یوں کہا کرتے ہیں کہ فلاں طالب علم امتحان میں اچھا رہا' یعنی اس کی تقریر بھی اچھی تھی' تحریر بھی' طرز بیان بھی خوب صاف تھا' مطلب واضح تھا' حشو و زوائد سے کلام مبرا تھا' یعنی تمام ضروریات مجتمع تھیں۔ کوئی حالت ایسی نہ تھی جس کی کمی رہ گئی ہو' اسی پر قیاس کر کے عبادت کے اچھا ہونے کے معنی بھی سمجھئے کہ جتنے امور کی عبادت میں ضرورت ہے جو جو چیزیں واجب الاجتماع ہیں سب کی سب اس میں پائی جاویں' کسی چیز کی کسر نہ رہے۔

عبادت کی صورت اور حقیقت

یہ تو اجمالاً" تھا' اب اس کی تفصیل کہ وہ کون کون سی چیزیں ایسی ہیں جن

سے عبادت اچھی ہوتی ہے شرائع میں غور کرنے سے معلوم ہو سکتی ہیں۔ لوگ عموماً" غلطی کرتے ہیں اور صرف صورت اور نقل عبادت ہی کو عبادت سمجھتے ہیں۔ یعنی فقہاء نے جو ضبط کر دیا ہے قیام، رکوع، سجدہ، قعدہ، قومہ وغیرہ۔ اس میں شک نہیں کہ جو کچھ فقہاء نے لکھا ہے وہ ٹھیک ہے اور جو فقہ کا موضوع تھا اس کے موافق انہوں نے لکھا ہے لیکن یہ تو کہیں نہیں لکھا کہ تمام امور جن کا عبادت سے تعلق ہے اس میں منحصر ہیں۔ شریعت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان چیزوں کے ساتھ اور کچھ بھی ہے۔ اس فقہ کے ساتھ ایک دوسری فقہ یعنی معنی شرع کا بھی اعتبار ہے۔ اس معنوی فقہ کو تصوف کہتے ہیں۔ تصوف کو علیحدہ اور الگ کتابوں میں لکھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ فقہ سے خارج ہو جاوے۔ یہ علیحدگی ایسی ہے جیسی فقہ مشہور میں کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصلوٰۃ الگ الگ کتابیں ہیں۔ کتاب الصلوٰۃ کے مسائل کتاب الزکوۃ میں نہیں ملیں گے اور نہ کتاب الزکوۃ کے کتاب الصلوۃ میں۔ اس سے کوئی یہ نہیں سمجھتا کہ کتاب الزکوۃ یا کتاب الصلوۃ فقہ میں داخل نہیں۔ اسی طرح کتاب التصوف بھی فقہ ہے۔ اگرچہ اس کی کتابیں الگ ہیں۔ اگر کوئی ہدایہ کی ہر ہر کتاب کو الگ الگ چھاپ دے تو کیا کتاب الصلوۃ کتاب الزکوۃ وغیرہ ہدایہ سے خارج ہو جائیں گی؟ نہیں ہرگز نہیں۔ اس طرح توحید اخلاص یا کبر، تواضع، عجب وغیرہ اخلاق حمیدہ اور رذیلہ کے احکام بھی فقہ میں داخل ہیں۔ عموماً" لوگ نماز میں قیام، رکوع وغیرہ ہی کو عبادت کی حقیقت سمجھتے ہیں اور اسی میں عبادت کو محصور جانتے ہیں۔ عوام تو عوام طالب علموں کی بھی شکایت ہے۔ ہم لوگوں کی خود حالت قابل افسوس ہے۔ اہل علم اس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ میں دیکھتا ہوں کہ لوگوں کو علم کی تو فکر ہے لیکن عمل کی نہیں۔ بڑا اہتمام اس کا ہوتا ہے کہ ہم ساری کتابیں پوری کر لیں۔ ہدایہ بھی، صدرا بھی، شمس بازغہ بھی، لیکن عمل کرنے کی ذرا بھی پرواہ نہیں۔ قوت عملیہ اس درجہ ضعیف ہو رہی ہے۔ اس درجہ اس میں خلل آگیا ہے اس قدر مختل ہو رہی ہے

جس کا حساب نہیں۔ ایسی ایسی خفیف حرکات کرتے ہیں جس سے افسوس ہوتا ہے۔ بہت سے معاصی ہیں کہ ان میں شب و روز مبتلا ہیں اور خیال بھی نہیں آتا کہ ہم نے کوئی گناہ بھی کیا' کسی کی چیز بلا اجازت اٹھالی اور جہاں چاہا ڈال دی۔ کسی کی کتاب بلااجازت لے لی اور ایسی جگہ رکھ دی کہ اس کو نہیں ملتی وہ پریشان ہو رہا ہے۔ کسی سے کسی اچھے کام کا وعدہ کیا اور اس کے پورا کرنے کی اصلا فکر نہیں۔ اس طرح سینکڑوں قصے ہیں کہاں تک بیان کئے جاویں۔

ضرورت عمل

لیکن باوجود ان سب باتوں کے پھر بھی ان کے علم و فضل میں شک نہیں ہوتا' حالانکہ فقط کسی چیز کا جان لینا کوئی ایسا کمال نہیں۔ یوں تو شیطان بھی بہت بڑا عالم ہے' بڑے بڑوں کو بہکاتا ہے۔ تفسیر میں وہ ماہر' حدیث میں وہ واقف' فقہ میں وہ کامل۔ کیا ہے جس کو وہ نہیں جانتا۔ اگر زیادہ نہ جانتا ہوتا تو علماء کو بہکا کیسے سکتا؟ جب کوئی شخص کسی فن میں ماہر ہوتا ہے جب ہی تو وہ اپنے سے کم جاننے والے کو دھوکا دے سکتا ہے۔ اس میں (یعنی شیطان میں) اگر کمی ہے تو صرف اس بات کی ہے کہ اپنے علم پر عمل نہیں کرتا۔ چنانچہ حدیث شریف میں بھی آیا ہے ایسا علم جو عمل کے لئے نہ ہو جہنم کا ذریعہ ہے۔ اس حدیث میں **لیجاری به العلماء اولیماری به السفهاء** (تاکہ فخر کریں ساتھ اس کے علماء اور مناظرہ اور جھگڑا کریں ساتھ اس کے سفہاء) وغیرہ الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ ہم لوگ ایسے غافل ہو رہے ہیں کہ اپنی اصلاح کی ذرا فکر نہیں کرتے۔ بعض گو لوگ قصداً" گناہ نہیں کرتے لیکن بے پرواہی کی وجہ سے ان سے گناہ ہو جاتے ہیں۔ وہ بھی شکایت کے قابل ہیں۔ اگر کوئی ملازم سرکاری بے پروائی کرے اور کام خراب کر دے تو کیا اس سے بازپرس نہ ہوگی؟ لوگوں نے عبادت کا ست نکال لیا ہے' مثلاً" بظاہر اٹھ بیٹھ لئے اور نماز ادا ہو گئی' خصوصاً" اہل علم بھی اس کا خیال نہیں کرتے کہ سوائے ظاہری قیام' قعود کے اور بھی کچھ ہے اور وہ ضرورت بھی ہے۔ جس قرآن میں **قد**

اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلٰوتِھِمْ (بتحقیق ان مسلمانوں نے آخرت میں فلاح پائی جو اپنی نماز میں) ہے اسی میں خَاشِعُوْنَ بھی آیا ہے جب صَلٰوتِھِمْ (اپنی نماز) کے لفظ سے نماز کو مطلوب شرعی سمجھتے ہیں تو کیا وجہ خَاشِعُوْنَ (خشوع کرنے والے ہیں) سے خشوع کو مطلوب نہیں سمجھتے۔ اسی طرح اور مقامات سے پتہ چلتا ہے کہ خشوع بھی ویسا ہی ہے جیسے قیام و رکوع وغیرہ۔ اس غلطی کو دفع کرنا نہایت ضروری ہے کہ ایک کو تو ضروری سمجھیں اور دوسرے کو نہ سمجھیں' حالانکہ دونوں حکم یکساں ضروری ہیں۔ یہ خشوع ہی ہے جس سے عبادت اچھی ہوتی ہے۔ احسان اسی سے حاصل ہوتا ہے۔

ضرورت احسان

احسان کے متعلق تین چیزیں ہیں اول احسان کا ضروری ہونا' دوسرے احسان کی حقیقت' تیسرے تحصیل طریق احسان۔ اجمالاً" اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ احسان خشوع سے حاصل ہوتا ہے اور خشوع کا مطلوب ہونا قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ (بتحقیق مسلمانوں نے فلاح پائی) سے معلوم ہو چکا ہے اب اس کا ضروری ہونا سنئے۔

خدا تعالٰی کا ارشاد ہے اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِکْرِ اللّٰہِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا یَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَیْھِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُھُمْ

ترجمہ: "کیا ایمان والوں کے لئے اس بات کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل خدا کی نصیحت کے اور جو دین حق (منجانب اللہ) نازل ہوا ہے اس کے سامنے جھک جاویں اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاویں جن کو ان کے قبل کتاب (آسمانی) ملی تھی (یعنی یہود و نصارٰی) پھر (اسی حالت میں) ان پر زمانہ گزر گیا (اور توبہ نہ کی) پس ان کے دل سخت ہو گئے"

یہاں ذکر اللہ میں خشوع کی ضرورت کا بیان ہے اور ذکر اللہ میں ساری عبادتیں آ گئیں۔ دیکھو عبادت میں خشوع نہ ہونے پر کیسی وعید ہے۔ شکایت کی ہے

اور یہود و نصاریٰ سے تشبیہ دے کر ذکر کیا ہے کہ ایسے نہ ہو۔ اس سے ظاہر ہے کہ ترک خشوع کیسی بری چیز ہے۔ جس کے باعث سے کفار کے ساتھ آدمی مشابہ ہو جاتا ہے اور اس کا ثمرہ بیان فرمایا ہے فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ (پس ان کے دل سخت ہو گئے) قساوت قلب نہایت بری چیز ہے۔ قساوت کی نسبت قرآن شریف میں ہے فَوَيْلٌ لِّلْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (یعنی تباہی اور ہلاکت ہے ان کو جن کے دل خدا کی یاد سے سخت ہو رہے ہیں وہ لوگ کھلی کھلی گمراہی میں پڑے ہیں) رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں قلب قاسی خدا سے بہت دور ہے' ان سب نصوص سے ثابت ہوا کہ قساوت بری چیز ہے اور خشوع ضروری ہے لیکن خرابی یہ ہو رہی ہے کہ لوگ خشوع کی حقیقت نہیں سمجھتے اسی وجہ سے اس کی فکر بھی نہیں کرتے جو شخص کسی چیز سے واقف نہ ہو گا وہ اس کو حاصل کیا کرے گا۔ عموماً" لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ خشوع کے یہ معنی ہیں کہ خدا کے سوا کسی کا خیال نہ آوے' ایسی مدہوشی ہو جاوے کہ تیر برچھا کچھ ہی لگے اس کی خبر نہ ہو پس انسان جماد کی طرح بن جاوے آدمیت سے گزر جاوے۔ کوئی پوچھے یہ معنی کہاں لکھے ہیں اور کس نے لکھے ہیں اس کا کچھ جواب نہیں اور واقعی کہیں بھی یہ معنی نہیں لکھے ہیں۔ یہ شبہ کم فہم اور غیر شفیق واعظوں کی بدولت پڑا ہے۔

علوم باطنی کی تحصیل کی ضرورت

انہوں نے ایسی حکایتیں بیان کیں جن سے دھوکہ میں پڑ گئے۔ پڑھے لکھے آدمی بھی اس سے ناواقف ہیں اور کیوں نہ ہوں ان کے درس میں کوئی تصوف کی کتاب تو ہے نہیں' لیکن عام لوگوں کے سنانے کے لئے موجود ہو گئے۔ امراض قلبی اور امراض باطنی کے علاج کرنے پر آمادہ ہیں' وعظ و نصیحت کرنے پر مستعد۔ حالانکہ خود نہیں سمجھتے تو ایسے شخص کی مثال ہے جس نے نہ طب پڑھی نہ مطب کیا اور علاج کرنے لگا۔ علاج کے لئے پہلے طب پڑھنا ضروری ہے اور پھر مطب کرنا بھی لازمی ہے۔ بغیر اس کے قابلیت علاج نہیں آ سکتی ایسے ہی مدارس کی نسبت کسی

نے کہا ہے۔

ایہا القوم الذی فی المدرسة

کل ما حصلتموہ وسوسہ

علم غیر علم عاشقی

مابقی تلبیس ابلیس شقی

"یعنی اے قوم جو کچھ تم نے مدرسہ علم (لفظی) حاصل کیا وہ وسوسہ تھا، علم عاشقی کے علاوہ جو بھی ہے وہ ابلیس شقی کی تلبیس ہے"

جس طرح کنز و ہدایہ ضروری ہے ویسے ہی ابو طالب مکی کی قوت القلوب اور امام غزالی" کی اربعین اور شیخ شہاب الدین" سہروردی کی عوارف کا پڑھنا بھی ضروری ہے یہ تو گویا طب پڑھنا ہے اور اس کا مطب یہ ہے۔

قال راگذار مرد حال شو

پیش مرد کاملے پامال شو

"قال کر چھوڑ کر حال پیدا کرو' یہ اس وقت پیدا ہو گا جب کسی اہل اللہ کے قدموں میں جا کر پڑو"

کیسی ناانصافی کی بات ہے کہ جب دس برس علم ظاہری کی تحصیل میں صرف کئے تو دس ماہ تو باطن کی اصلاح میں صرف کرو اور اس کا یہی طریق ہے کہ کسی کامل کی صحبت میں رہو۔ اس کے اخلاق' عادات کو دیکھو کہ غصہ کے وقت اس کی کیا حالت ہوتی ہے۔ شہوت کے وقت میں وہ کیسی حالت میں رہتا ہے۔ خوشامد کا اس پر کہاں تک اثر پڑتا ہے۔ اسی طرح تمام اخلاق کا حال ہے کیونکہ پھر جب کبھی اس کو غصہ آئے گا تو سوچے گا کہ اس کامل کی غصہ کے وقت کیا حالت ہوئی تھی۔ ہم بھی ویسا ہی کریں گے۔ اس کے اخلاق و عادات پیش نظر ہو جائیں گے یہ اس کا مطلب ہوا۔ چنانچہ کہا ہے

اے بیخبر بکوش کہ صاحب خبر شوی

تاراہ بیں نباشی کے راہ برشوی
در مکتب حقائق پیش ادیب عشق
ہاں اے پسر بکوش کہ روزے پدر شوی

"اے بے خبر کوشش کر کہ صاحب خبر ہو جائے- جب تک راہ بیں (راستہ دیکھنے والا) نہ ہو گا راہ بر (راستہ دکھلانے والا) کیسے ہو سکتا ہے- اس لئے حقائق کے مدرسہ میں ادیب عشق کے سامنے کوشش کر کہ ایک نہ ایک روز باپ (یعنی مصلح) بن جائے گا"

ساری خرابی کی جڑ

ساری خرابی انہیں ناعاقبت اندیش واعظوں کی ڈالی ہوئی ہے- ایسی ایسی حکایتیں بیان کرتے ہیں جس سے لوگ سمجھتے ہیں کہ عمل کرنا بہت ہی دشوار ہے اور جو کچھ کرتے ہیں ایسی حکایتوں کی وجہ سے اس کو بھی چھوڑ بیٹھتے ہیں- مثلاً" طلب حلال کے متعلق یہ حکایت بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص حلال روزی کی طلب میں نکلے' ایک ایسے شخص کے پاس پہنچے جس کے پاس حلال روزی کی خبر لگی تھی- اس نے جواب دیا کہ تھی تو میرے پاس لیکن چند روز سے حلال نہیں رہی- اتفاق سے میرا بیل دوسرے کے کھیت میں چلا گیا دوسرے کھیت کی مٹی اس کے پیر میں لگ کر میرے کھیت میں آگری- اس لئے اب روزی حلال نہیں رہی- محض مستبعد بات ہے- اول تو یہ ممکن نہیں ہے کہ کسی کے بیل کھیت ہی میں ہمیشہ رہا کریں- باہر نکلنے کی نوبت ہی نہ آئے اور اگر ہو بھی تو اس سے کہیں حرمت آتی ہے اور تمام امور سے قطع نظر کر کے اگر اس کی کوئی توجیہ بھی ہو تو اس بزرگ کی خاص حالت ہو گی عام تکلیف تو نہیں دی جا سکتی-

اب ظاہر ہے کہ اس حکایت کو سن کر یہ خیال پیدا ہو گا کہ حلال روزی تو ممکن نہیں' اس لئے پھر خوب دل کھول کر حرام ہی کمایا جاوے- جس طرح ملے' چوری سے' دغا بازی سے' رشوت سے' سود سے سب لینا چاہیے اور اس طرح جا

ہو جاتے ہیں۔ ایسی باتیں بیان کرنے سے ان کی غرض ہوتی ہے کہ وعظ میں ذرا رنگ آجاوے۔ نئی بات ہونے کی وجہ سے لوگوں کو پسند آئے' خوب واہ واہ ہو۔

شریعت میں ایسی تنگی نہیں

شریعت میں ہرگز ایسی تنگی نہیں ہے۔ ایسی تنگی کی تو ایسی مثال ہے جیسے کہ ایک بخیل صاحب کی حکایت ہے کہ ایک دفعہ بے چراغ بڑھائے ہوئے نماز پڑھنے کو مسجد میں چل کھڑے ہوئے' راستے میں یاد آیا کہ یہ فضول خرچی ہے۔ لوٹ کر چراغ گل کرنے آئے۔ لونڈی نے پوچھا خیر تو ہے' حضور کیسے لوٹ آئے؟ اتنی فضول خرچی ہوئی کہ آپ کے یہاں تک لوٹ کر آنے میں جوتہ گھس گیا ہو گا۔ بڑے خوش ہوئے اور جواب دیا کہ چراغ جلتا ہوا چھوڑ گیا تھا اس کے بجھانے کو آیا ہوں۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے پہلے ہی گل کر دیا تھا۔ وہ بولے شاباش کہ تو بڑی محتاط ہے اور تجھے فکر ہے کہ کوئی فضول خرچی نہ ہو حتیٰ کہ میرے جوتہ گھسنے کا بھی خیال ہے لیکن سمجھ لے کہ میں نے لوٹتے وقت جوتہ اتار کر بغل میں دبا لیا تھا لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ شریعت ایسی مہمل باتوں سے پاک ہے۔ ایسی تنگی اس میں کہاں؟ بلکہ جب حلال صورتیں بکثرت بتلائی جائیں گی توفیق عمل کی ہو گی' حلال روزی کی فکر کریں گے سمجھ لو کہ ہدایہ و کنز وغیرہ میں جو جو چیزیں حلال لکھی ہیں وہ بلاشبہ حلال ہیں اس میں ذرا شک نہیں۔ بات کیا ہے کہ اہل باطن جو مغلوب الحال تھے یہ ان کی حکایتیں ہیں' عوام کے سامنے ان کو بیان کر دیا یہ تو وہی مثل ہو گئی کہ ایک شخص کو پیچش کا عارضہ تھا' حکیم صاحب نے ان کے لئے وہی خشکہ تجویز فرمایا اور ایک شخص کو ضعف دماغ تھا اس کے لئے مقوی چیزیں گوشت' یخنی' دودھ' قورمہ تجویز کیا۔ اب اگر پیچش والا سن کر اس پر عمل کرنے لگے تباہ نہیں ہو گا تو کیا ہو گا' مرے گا۔

اسی طرح جو حالات بیان کئے تھے سچ تھے' لیکن یہ کس کے تھے اہل باطن کے لئے' یہ ضروری نہیں کہ ہر سچی بات بیان کر ہی دی جائے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ

یہی خشوع ہے اور یہی بڑا کمال ہے کہ تیر بھی لگے تو خبر نہ ہو حالانکہ رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کون ہو سکتا ہے۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ میں چاہتا ہوں کہ نماز کو ذرا طویل کروں لیکن کسی بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو مختصر کر دیتا ہوں کہ اس کی ماں پریشان ہو جائے گی۔

اب بتلایئے کہ یہ کمال کی حالت ہے یا وہ۔ تیر کی خبر نہ ہونا بھی ایک حالت ہے جسے استغراق و محویت کہتے ہیں لیکن وہ خشوع نہیں ہے۔ نماز کے معنی اگر کوئی بیان کرے کہ صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک نہ کھانا تو یہ غلط ہے اگرچہ نماز بھی کوئی چیز ہے لیکن یہ نماز نہیں ہے اسی طرح یہ حالت ہے تو ضرور لیکن یہ خشوع نہیں ہے۔ یہ تو ایسی ہی بات ہوئی جیسے کہ ایک مرتبہ مقدمہ پیش ہوا' مدعا علیہ نے گواہی پر جرح کی کہ نماز نہیں پڑھتا۔ اس نے کہا کہ واہ صاحب میں تو حج بھی کر آیا ہوں۔ قاضی نے اس سے پوچھا کہ اچھا بتلا زمزم کیا چیز ہے اور عرفات کیا چیز ہے؟ اس نے جواب دیا کہ زمزم ایک بوڑھا آدمی ہے اور عرفات ایک باغ ہے۔ جس میں وہ بوڑھا بیٹھا ہوا ہے۔ قاضی نے کہا کہ کیا غلط کہتا ہے فضول بکتا ہے ہم نے خود حج کیا ہے زمزم ایک کنویں کا نام ہے اور عرفات ایک جنگل ہے۔ اس نے کہا جب میں گیا تھا اس وقت تو یہی تھا آپ کے جانے کے وقت بدل گیا ہو گا۔

خشوع کے معنی

خشوع کے معنی یہ کہنا کہ کچھ خبر نہ ہو ایسا ہی ہے جیسے کاذب نے کنویں اور عرفات کی حقیقت بیان کی تھی۔ ہاں اس کا انکار نہیں ہو سکتا کہ یہ بھی ایک حالت ہے۔ جیسے عرفات و زمزم کا وجود واقعی تھا گو جو وہ کہتا تھا نہ تھا گو بعض لوگ سرے سے اس حالت کا بھی انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ امر خلاف فطرت ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی شخص نماز پڑھتا ہو اس طرح کہ اس کو تیر لگنے کی خبر نہ ہو۔ اس منکر کی تو ایسی مثال ہے جیسے کوئی مادر زاد عنین لذت جماع کا انکار کرے' یا کوئی مادر زاد اندھا کہے کہ لوگ جس کو دیکھنا کہتے ہیں وہ کوئی چیز نہیں

ہے۔ حالانکہ ایسے واقعات ثابت ہوئے ہیں۔ امام مالکؒ حدیث شریف کا بیان کر رہے تھے ان کی آستین میں کہیں سے کمبخت ایک بچھو گھس گیا تھا وہ ڈنک مارتا تھا جس کے صدمہ سے ان کا چہرہ متغیر ہو جاتا تھا لیکن اف نہیں کرتے تھے اور برابر حدیث شریف کا بیان کرتے رہے۔ حتیٰ کہ گیارہ بار اس نے نیش زنی کی۔ جب گھر آکر کرتہ اتارا تو کرتے میں خادم نے بچھو کو دیکھ کر عرض کیا کہ آپ نے اس وقت کیوں نہیں اظہار فرمایا۔ جواب دیا کہ مجھے شرم آئی کہ حدیث شریف کے وقت دوسری طرف متوجہ ہوں۔

لیکن باوجود اس کے خشوع کے یہ معنی نہیں کہ دوسرا خیال نہ آوے۔ جو شخص خشوع کی حقیقت نہ سمجھے گا سخت غلطی میں مبتلا ہو گا۔ سمجھے گا کہ دوسرا خیال ترک سکتا نہیں اور بندہ خشوع کا ہے مکلف اس لئے لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا (اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے) میں شک کرنے لگے۔ ایسی حکایتوں سے یہاں تک نوبت پہنچ گئی ہے۔

خشوع کی حقیقت

اب چاہیے کہ خشوع کی حقیقت کو خوب سمجھ لیجئے۔ پہلے لغت کے موافق اس کے معنی بیان کئے جاتے ہیں پھر شریعت سے اس کی تائید کر دی جائے گی۔ اس سے معلوم ہو جائے گا کہ خشوع کیا چیز ہے۔ خشوع کے معنی ہیں دب جانا پست ہو جانا' یعنی سکون جیسا کہ اس آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنَّکَ تَرَی الْاَرْضَ خَاشِعَۃً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْھَا الْمَآءَ اھْتَزَّتْ وَرَبَتْ "یعنی من جملہ اس کی (قدرت اور توحید کی) نشانیوں کے ایک یہ ہے کہ (اے مخاطب) تو زمین کو دیکھ رہا ہے کہ دبی دبائی پڑی ہے۔ پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ ابھرتی ہے"

چونکہ اِھْتَزَّتْ وَرَبَتْ کا مقابلہ کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ اہتزاز اور ابھرنے میں حرکت ہے تو خاشعۃ کے معنی سکون اور پستی والی کے ہوں گے اور مقابلہ سے ثابت کرنے کی چنداں ضرورت نہیں خود لغت شاہد ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ہر

شے کا حرکت و سکون جداگانہ ہوتا ہے۔ اگر کہا جائے کہ ہاتھ چل رہا ہے تو اس کے معنی ہلنے جلنے اور نقل مکانی کے ہوں گے اور اگر کہا جائے کہ فلانے کی طبیعت خوب چلتی ہے تو یہاں یہ معنی نہیں مراد ہوں گے بلکہ یہاں اور معنی ہوں گے یعنی فکر کرنا اور سوچنا۔ جب یہ معلوم ہو گیا تو اب سنئے کہ خدا تعالیٰ نے انسان کو دو قسم کی چیزیں عنایت فرمائی ہیں ظاہر اور باطن یا یوں کہو کہ جوارح اور قلب۔ پس کمال خشوع کے یہ معنی ہوئے کہ جوارح بھی ساکن رہیں اور قلب بھی۔ لیکن دونوں کا سکون جدا جدا ہے۔ جوارح کا سکون تو یہ ہے کہ ادھر ادھر دیکھے نہیں ہاتھ پیر نہ ہلائے اور اس کے مقابلات کا نام حرکت ہو گا' تصور کرنا' یعنی سوچنا اور سکون اس کا عدم ہے اور ظاہر ہے کہ فکر کرنا اور سوچنا فعل اختیاری ہے اور قدرت اور اختیار ضدین سے متعلق ہوتا ہے۔ پس جب یہ حرکت اختیاری ہے تو اس کے مقابل سکون بھی یعنی سوچنا اختیار ہو گا اور آدمی اختیاری ہی چیزوں میں مکلف ہوتا ہے لہٰذا خشوع کے معنی یہ ہوں گے کہ اپنے اختیار سے دوسرا خیال نہ لانا یہ نہیں کہ دوسرے خیال کا دل میں نہ آنا۔ یہ دونوں چیزیں الگ الگ ہیں۔ خیال کا آنا تو اختیار نہیں ہے اور خیال کا لانا اختیاری ہے۔

صریح ایمان

پس خشوع کے یہ معنی ہوئے کہ اپنے اختیار سے دوسرے خیالات دل میں نہ لاوے۔ رہا اگر کوئی خیال بلا اختیار آوے تو وہ خشوع کے منافی نہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے بعض صحابہؓ نے پوچھا کہ میرے دل میں ایسے ایسے خیالات آتے ہیں کہ جل کر کوئلہ ہو جانا ان سے آسان معلوم ہوتا ہے۔ آپ ؐ نے فرمایا **او جدتموہ قالوا نعم قال ذلک صریح الایمان** "یعنی آپ ؐ نے دریافت فرمایا کہ تم نے اس کو پایا ہے۔ یعنی کیا ایسے خیالات تمہیں آتے ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا کہ ہاں۔ آپ ؐ نے فرمایا یہ تو صریح ایمان ہے" اور کیوں نہ ہو' چور تو وہیں آتا ہے جہاں مال و متاع ہو۔ اسی طرح شیطان وہیں آتا ہے جہاں متاع ایمان ہو۔ مولانا علیہ الرحمۃ فرماتے

ہیں۔

دیو آید سوئے انساں بہر شر
پیش تو ناید کہ از دیوے بتر

"شیطان تو انسان کی طرف شر کے لئے آتا ہے تیرے پاس نہ آئے گا کہ شیطان سے بدتر ہے" ۱

شیطان بڑا استاد ہے اپنا وقت فضول ضائع نہیں کرتا' جو خود شیطان بن گیا ہے اس کو بہکانے کی کوشش نہیں کرتا۔ ہاں جس میں کچھ ایمان باقی ہے اسی کی فکر میں رہتا ہے۔ اپنی دھن کا پکا ہے۔ ایمان داروں ہی کے پیچھے پڑا رہتا ہے۔ ہم لوگوں کو تو اس سے خاص صفت میں سبق حاصل کرنا چاہیے تھا۔

ایک چور نہایت نامی تھا' ہمیشہ چوری کیا کرتا تھا۔ آخر ایک مرتبہ سولی دے دی گئی۔ حضرت جنید نے دوڑ کر اس کے پیر چوم لئے۔ لوگوں نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ اس کی استقامت قابل تعریف ہے۔ اگر ہم خدا کی اطاعت میں ایسی استقامت کریں تو ہمارے مدارج کا کہیں ٹھکانا ہی نہ رہے۔ اپنے کام میں لگا رہنا چاہیے اور وسوسہ اور خیالات کی کچھ پرواہ نہ کرنا چاہئے۔ بڑے بڑے خیالات جن پر عمل نہ ہو مگر طبیعت منقبض ہو' اچھے' بزرگوں ہی کو آتے ہیں۔ فاسقوں کو ایسے خیالات نہیں آتے اور ان وساوس سے پریشانی کا باعث یہی ہے کہ کسی طبیب قلب کی صحبت نہیں نصیب ہوئی۔ اگر کوئی جاننے والا مل جاتا تو کہہ دیتا کہ اگر وسوسے آتے ہیں تو آنے دو کچھ پرواہ نہ کرو۔ قلب کی حالت تو شاہی سڑک کی سی ہے کہ اس پر حاکم' رئیس اور ادنیٰ چمار دونوں گزرتے چلے جاتے ہیں۔

بحر تلخ و بحر شیریں همعناں
درمیاں شاں برزخ لا یبغیاں

"بحر تلخ اور بحر شیریں دونوں برابر جاری ہیں۔ مگر ان کے درمیان ایسا پردہ حائل ہے جس کی وجہ سے باہم مختلط اور مشتبہ نہیں ہونے پاتے"

وساوس شیطانی کا علاج

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اس کے غم کے پریشان لوگوں کا اچھا وقت ہے اگر زخم دیکھتے ہیں اور اگر اس پر مرہم رکھتے ہیں۔

گدایانے از بادشاہی نفور
بامیدش اندر گدائی صبور

ایسے فقیر کہ بادشاہی سے نفرت کرنے والے اور اس کی امید پر فقیری میں قناعت کرنے والے۔

دمادم شراب الم در کشند
اگر تلخ و بینند دم در کشند

ہر دم رنج کی شراب پیتے ہیں اور جب اس میں رنج کی کڑواہٹ دیکھتے ہیں تو خاموش ہو رہتے ہیں۔

اگر مرد عشقی کم خویش گیر
وگرنہ رہ عافیت پیش گیر

اگر عاشق ہے تو محبوب کے عشق میں آپ کو فنا کر' ورنہ اپنی آسائش کی راہ اختیار کر

مترس از محبت کہ خاکت کند
کہ باقی شوی چوں ہلاکت کند

مت ڈر کہ محبت تجھ کو خاک کر دے گی اس لئے کہ اگر تجھ کو ہلاک کرے گی تو بقائے جاودانی تجھ کو عطا کرے گی۔

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است برجریدہ عالم دوام ما

جس کو عشق سے روحانی حیات حاصل ہو گئی وہ مر بھی جائے تو واقع میں بوجہ اس کو لذت قرب علی وجہ الکمال حاصل ہو جاتی ہے اس لئے اس کو مردہ نہ کہنا چاہئے۔

باغباں گر پنج روزے صحبت گل بایدش

برجفائے خار ہجراں صبر بلبل بایدش

اے دل اندر بند زلفش از پریشانی منال

مرغ زیرک گر بدام افتد تحمل بایدش

باغبان کو اگر صحبت گل کی خواہش ہے تو اس کو بلبل کی طرح ہجر کے کانٹوں کی اذیت پر صبر کرنا چاہئے۔ اے دل محبوب کی زلف کے پھندے میں پھنس کر پریشانی سے گریہ وزاری مت کر۔ سمجھدار پرند جب جال میں پھنس جاتا ہے تو اس کو صبرو تحمل چاہئے۔

ناخوش تو خوش بود برجان من

دل فدائے یار دل رنجان من

محبوب کی جانب سے جو امر پیش آئے گو وہ طبیعت کو ناخوش ہی کیوں نہ ہو وہ میری جان پر خوش اور پسندیدہ ہے میں اپنے یار پر جو میری جان کو رنج دینے والا ہے اپنے دل کو قربان کرتا ہوں۔

پس زبون وسوسہ باشی دلا

گر طرب را بازدانی از بلا

پس برا وسوسہ ہو اے دل اگر خوشی کو بلا سے جدا جانے

ہمت والوں کا تو یہ قول ہے۔

روز ہا گر رفت گورو باک نیست

تو بماں اے آنکہ چوں تو پاک نیست

"ایام تلف ہونے پر حسرت نہ کرنا چاہئے اگر گئے بلا سے' عشق جو اصلی دولت ہے اور سب خرابیوں سے پاک وصاف ہے اس کا ہونا کافی ہے"

تم لذت کی کچھ فکر نہ کرو' کام کئے جاؤ' لذت نہ آئے بلا سے نہ آئے۔

حضور قلب کا طریق کلی طور پر تو معلوم ہوگیا۔ اب یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ کون سی شے ہے جس میں دل لگایا جائے۔ اس کے دو طریق ہیں۔ ایک تو مشہور ہے جو

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

جواب دیا گیا ہے اس میں احسان کی حقیقت بتلائی ہے نہ کہ طریق- چنانچہ اس کے قبل بھی اسلام اور ایمان کی حقیقت ہی سے سوال و جواب کا ہونا اس کا اور بھی موید ہے' دوسرے تجربہ بھی شاہد ہے کہ تصور رویت حق حضور قلب کے لئے عموماً" اور خصوصاً" مبتدی کے لئے بالکل ناکافی ہے کیونکہ طبیعت پریشان ہوتی ہے کہ خدا کو کیسا سمجھوں اور ایک صورت سمجھ میں آتی ہے پھر اس کا دفع کرتا ہے- اسی طرح پریشانی میں مبتلا رہتا ہے اور ظاہر ہے کہ جس چیز کو کبھی دیکھا نہیں اس کا تصور کیسے جم سکتا ہے- البتہ منتہی کو خدا کے دیکھنے کا تصور بے کیف ذوقی طور پر میسر ہو جاتا ہے اور طریقہ عام ہونا چاہئے- علاوہ بریں اگر مضاف محذوف مان کر (یعنی طریقہ ان) سے طریق ہی قرار دیا جاوے تو تقابل ٹھیک نہیں ہوتا کیونکہ کانک تراہ کے بعد یہ کہا ہے کہ اگر تم اسے دیکھتے نہ ہو تو بے شک وہ تمہیں دیکھتا ہے- سو یہ مضمون جملہ اولیٰ کے ساتھ جمع ہو رہا ہے یہ نہیں کہا کہ اگر تم ایسی عبادت نہ کر سکو کہ گویا اسے دیکھتے ہو (تو یہ سمجھو) کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے- بہرحال یہ طریق الفاظ حدیث اور تجربہ دونوں کے خلاف ہے- پس اس حدیث میں حقیقت احسان کا بیان ہے' طریق مذکور نہیں- رہا حدیث کے معنی کیا ہیں تو اس کا سمجھنا ایک مقدمہ پر موقوف ہے- یہ تو ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص کام کر رہا ہو اور اسے معلوم ہو جائے کہ اس وقت ہمارا مالک اور حاکم دیکھ رہا ہے تو وہ شخص کام بالکل ٹھیک کرنے لگے گا اور احتیاط رکھے گا کہ کوئی خرابی نہ ہونے پائے اور اگر کہیں خود حاکم کو دیکھ لیا تب تو کچھ پوچھنا ہی نہیں ہے- اپنی انتہائی کوشش صرف کر کے کام کو خوب اچھی طرح انجام دے گا- چنانچہ طالب علموں ہی کو دیکھ لیجئے کہ استاد کی عدم موجودگی میں آپس میں بیٹھتے ہیں تو ظرافت اور ہنسی کی باتوں میں بھی باک نہیں ہوتا- دل کھول کر ایک دوسرے سے بولتے ہیں' کہیں پیر پھیلائے ہیں' کہیں کوئی شعر پڑھ رہے ہیں اور جہاں کسی نے دیکھ لیا کہ مولوی صاحب دیکھ رہے ہیں فوراً" مودب ہو کر بیٹھ گئے اور خاموشی اختیار کر لی اور کہیں اپنی نظر استاد پر پڑ گئی تب تو

ادب کا ٹھکانا ہی نہیں ہوتا۔

خلاصہ یہ کہ حاکم کی نظر کے سامنے ہونے کے وقت کام خوب عمدگی سے ہوتا ہے' تو مطلب اس حدیث کا یہ ہوا کہ خدا کی ایسے حسن و خوبی سے عبادت کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو (یعنی اگر فرضاً" تم خدا کو دیکھتے تو سوچو اس وقت تمہاری عبادت کس طرح کی ہوتی۔ اب بھی اسی حالت کے مشابہ تمہاری عبادت ہونا چاہئے) اس لئے کہ اگر تم اسے نہ بھی دیکھتے ہو تو کیا ہوا وہ تمہیں دیکھ رہا ہے (یہ اس لئے بڑھایا کہ پہلے جملے سے یہ سوال ہو سکتا تھا کہ جب واقع میں ہم نہیں دیکھتے تو اس طرح کی تحسین عبادت کس طرح ممکن ہے' اس کا جواب اس سے مفہوم ہو گیا کہ دیکھنے والے کی تحسین کے لئے حق تعالیٰ کی رویت کا تعلق بھی کافی ہے) غرض فان لم تکن تراہ (پس اگر تم اس کو نہیں دیکھتے) میں فائے تعقیب نہ لی جائے بلکہ فائے علت قرار دی جائے' یہاں تک تو آپ کو خشوع کی حقیقت بھی معلوم ہو گئی۔ اس کا ضروری ہونا بھی ثابت ہو گیا۔ طریقہ سے بھی واقفیت حاصل ہو چکی۔

خشوع مستحب اور خشوع واجب

اب خاتمہ کے طور پر ایک امر اور بیان کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ اس خشوع کے پیدا کرنے کا وقت کون سا ہے۔ آیا ہر وقت خشوع ہی کے اہتمام میں رہیں یا اس کا کوئی خاص وقت ہے تو اب سننے کہ ایک خشوع تو مستحب ہے اور دوسرا واجب ہے۔ مستحب تو یہ ہے کہ ہر وقت یہی حالت استحضار کی قلب پر غالب رہے لیکن یہ ہر شخص کے لئے نہیں ہے۔ صرف اسی کو جائز ہے جس کی ایسی حالت نہ ہو کہ نہ تو خود اس کی ضروریات میں مخل ہو' نہ کسی دوسرے کی حق تلفی کا باعث ہو ورنہ تباہی کی نوبت آ جائے گی۔ مستحب کے لئے واجبات ترک ہونے لگیں گے' بجائے ثواب کے الٹا وبال ہو جائے گا۔ مثلاً" اگر کسی کی بی بی آٹے کے لئے پیسے دے کہ آٹا لے آؤ بچے بھوکے ہو رہے ہیں اور وہ لگے رہیں خشوع حاصل کرنے

میں جس کی وجہ سے بچے بھوکے مریں' تو ایسا خشوع موجب قرب نہیں ہو سکتا۔ خدا سے دوری کا باعث ہو گا۔ حکایت ہے کہ ایک ولایتی صاحب کسی مسجد میں ٹھہرے تھے۔ جب رات کو تہجد پڑھنے کھڑے ہوئے تو دیکھا کہ ایک مسافر جو وہاں سو رہا تھا خراٹے لے رہا ہے۔ آپ نے اس کو کئی دفعہ تو اٹھا اٹھا کر بٹھا دیا اور کہا کہ تم کس طرح سوتے ہو ہمارے خشوع میں خلل پڑتا ہے۔ وہ بے چارہ تھکا ہوا تھا پھر سو گیا۔ آپ کو جو غصہ آیا نکال چھرا اس کا کام تمام کر دیا۔ اچھا خشوع حاصل کیا کہ بے چارے کی جان ہی لے ڈالی۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ انہوں نے اپنی بی بی بچوں کو تباہ کر رکھا ہے اور غلطی میں مبتلا ہیں' دائمی حضور قلب اور خشوع کے پیچھے حق تلفیاں کرتے ہیں۔ یہ امر نہایت نازیبا ہے۔ یہ تو ایسی ہی بات ہو گئی کہ کسی نے نوکر سے کہا کہ ہم بھوکے ہیں' کھانا لاؤ۔ وہ بجائے کھانے کے دوڑ کر برف سے ٹھنڈا کر کے پانی لے آیا اور اسی پر اصرار کرتا ہے کہ نہیں جناب پانی ہی پیجئے بہت ٹھنڈا ہے' کھانا نہ کھایئے تو ایسے نوکر سے مالک خوش ہو گا یا ناراض۔ جیسے ایک اور صاحب کا نوکر تھا اس سے مانگا خلال وہ اٹھا لایا بانس' مانگا لحاف وہ اٹھا لایا گھوڑے کا چارجامہ اور اصرار کرتا ہے کہ لو اسی کو اوڑھ لو۔ یہ گستاخی ہے یا نہیں۔ یہ ساری خرابیاں خود رائی کی ہیں' خود رائی بھی بڑی مضر شے ہے۔

فکر خود ورائے خود در عالم رندی نیست
کفر است دریں مذہب خود بینی و خودرائی

اپنی رائے اور فکر کو راہ سلوک میں کچھ دخل نہیں ہے۔ اس طریق میں خود بینی اور خود رائی کفر ہے۔

مناسب تو یہ ہے کہ ایسا ہو جائے۔

چوں قلم در پنجہ تقلیب رب

یہاں تو جو حکم ہو وہ ہی کرو' یہی کمال ہے۔ مثلاً اگر کسی کو پاخانہ زور سے ہو اور وہ نماز پڑھنا چاہے تو برا ہے۔ چاہئے کہ پہلے فارغ ہو جائے پھر نماز

پڑھے۔ اگر کوئی اصرار کرے اور کہنے لگے کہ صاحب نماز پڑھنا تو عبادت ہے اور پیشاب پائخانہ تو نجاست کا کام ہے میں تو نماز ہی پڑھوں گا' تو وہ بیجا کرتا ہے۔ اس طرح نماز کا بھی ستیاناس کرے گا۔

خلاصہ یہ کہ اس مرتبہ خشوع کا اہتمام اس کے لئے ہے جس سے اس کے باعث نہ تو کسی کا حق تلف ہو' نہ دین کا ضرر ہو اور نہ کسی کو دنیا کا ضرر پہنچے۔ دین کے ضرر کی صورت یہ ہے کہ کوئی طالب علم ہے کہ رات کو تو خشوع پیدا کرتا رہے' مطالعہ دیکھا نہیں' صبح کو جب سبق پڑھنے بیٹھے تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا آخر بے دلی سے پڑھ پڑھ کر کتابیں تمام کیں' نہ کچھ آیا نہ گیا۔ علم دین ایسی ضروری چیز سے محروم رہے بلکہ ناقص سے لوگوں کا مقتدا بن کر تباہ کرنا شروع کیا۔ دنیا کا ضرر یہ کہ بال بچے جن کا نفقہ اس کے ذمہ ہے اس میں کوتاہی ہونے لگی۔ اسی طرح ترک اسباب ظاہری اگرچہ مستحب ہے لیکن اسی کے لئے جس کی وجہ سے اہل و عیال کے حقوق کے ادا کرنے میں کمی نہ ہونے پائے ورنہ نہیں لیکن ہاں جسے کسی کی فکر نہ ہو اور وہ بھی اس مرتبہ کی تحصیل سے غافل ہے تو بڑا ظالم ہے۔ ایسے ہی شخص کے بارہ میں ہے۔

ہر آن کو غافل از حق یکزمان است

دراں دم کافر است اما نہان است

"جو شخص اس سے ایک گھڑی غافل ہے اس گھڑی میں کافر ہے لیکن نہاں ہے"

حضوری گرہمی خواہی از و غافل مشو حافظ

متی ماتلق ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دع الدنیا و امہلہا

"اگر محبوب حقیقی کے دربار کی حضوری اور قرب چاہتے ہو تو اس سے غافل مت ہو بلکہ اس کی طرف متوجہ رہو اور جب اپنے محبوب سے ملاقات کرو' یعنی اس کی عبادت میں مشغول ہو تو دنیا اور مافیہا کی طرف التفات مت کرو"

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار

بگذارند و خم طرہ یاری گیرند

"میرے نزدیک مصلحت یہ ہے کہ یار لوگ تمام کاموں کو چھوڑ کر محبوب حقیقی کے تصور میں لگ جائیں"

جملہ اوراق و کتب در نار کن

سینہ را از نور حق گلزار کن

"تمام اوراق و کتابیں آگ میں جلا دو اور سینہ کو اللہ تعالیٰ کے نور سے روشن کرو"

ستم ست اگر ہوست کشد کہ بسیر سرو و سمن درا

تو زغنچہ کم ندمیدہ در دل کشا بچمن درا

"تمہارے اندر خود چمن ہے اس کو پھاڑ کر تمہارے ہاتھ میں ہے جب جی چاہے سیر کرو"

آسمانہا ست در ولایت جاں

کار فرمائے آسمان جہاں

در رہ روح پست و بالا ہاست

کوہہائے بلند و صحرا ہاست

"ولایت جان میں بہت سے آسمان جو آسمان دنیا میں کار فرما ہیں' روح کی راہ میں نشیب و فراز اور بلند پہاڑ و صحرا ہیں"

بر دل سالک ہزاراں غم بود

گرز باغ دل خلالے کم بود

"سالک کے دل پر ہزاروں غم ہوتے ہیں اگر دل کے باغ میں سے ایک تنکا بھی کم ہو جائے"

بہتیرے لوگ ہیں کہ ان کو خدا نے اطمینان دیا ہے' جائیداد کی آمدنی چلی آ رہی ہے' گھر سے باہر قدم نکالنا نہیں پڑتا' پھر بھی دن رات فضول مضمون میں مبتلا رہتے

ہیں- کہیں یہ ذکر ہو رہا ہے کہ جاپان اور روس میں لڑائی ہو رہی ہے' کہیں جاپان کو ڈگری دلا رہے ہیں' کہیں روس کو' فکر پڑی ہے کہ کیا ہونا چاہئے- گویا ان کے سامنے روس و جاپان کا مقدمہ پیش ہو گا اور فیصلہ کی ان سے درخواست کی جائے گی-

دن رات ایسی ہی لایعنی باتوں میں مصروف ہیں- یہ اطمینان رکھیں ان کے پاس یہ مقدمہ نہیں پیش ہونے کا- ہاں اپنے اندر کے روس و جاپان کی فکر کریں- اس کی بے شک ان سے باز پرس ہو گی کہ تم نے قوتوں کو جا سے صرف کیا ہے یا بے جا؟

ایسے شخص کو تو چاہئے تھا کہ حب الٰہی میں غرق ہو کر ان مقربین میں سے ہو جاتا جن کے ساتھ خصوصیت کے معاملات ہوتے ہیں' چنانچہ ایک بزرگ تھے انہوں نے پاؤں پھیلا دیئے تھے' ان پر عتاب ہوا-

مقربوں کے احکام ہی دوسرے ہو جاتے ہیں' جو باتیں عام لوگوں کو جائز ہوتی ہیں ان کے لئے بے ادبی میں داخل ہیں-

مقرباں را بیش بود حیرانی

"مقربین کے لئے حیرانی بہت ہوتی ہے"

اور گو اس میں مشقت شدید ہے لیکن قرب کے ساتھ اگر مشقت بھی اٹھانا پڑے تو کیا

ہر کجا یوسف رخے باشد چو ماہ
جنت است آں گرچہ باشد قعر چاہ

"جس جگہ محبوب ہو وہ جگہ جنت ہے' اگرچہ گہرا کنواں کیوں ہو"

چہ خوش وقتے و خرم روز گارے
کہ یارے بر خورد از وصل یارے

"وہ کیا اچھا وقت اور اچھا زمانہ ہے کہ اس میں کوئی محب اپنے محبوب کے وصل

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]